يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ
بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ

دورِ حاضر کے مالی معاملات
کا
شرعی حکم

حافظ ذوالفقار علی

Marfat.com

دورِ حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم

حافظ ذوالفقار علی حفظہ اللہ
شیخ الحدیث ابوہریرہ شرعیہ کالج لاہور

ناشر
ابوہریرہ اکیڈمی
37۔کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور۔042-5417233

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: ..... دورِ حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم

مؤلف: ..... حافظ ذوالفقار علی

اشاعت اول ..... ستمبر 2008ء

اشاعت دوم ..... اپریل 2009ء

اشاعت سوم ..... اگست 2010ء

قیمت: ..... Rs 220

ناشر: ..... ابو ہریرہ اکیڈمی

37- کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور فون: 042-35417233

ڈسٹری بیوٹر

دارالکتب السلفیہ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون: 0423-7361505-03334334804

ملنے کے پتے

دارالکتب السلفیہ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور، مکتبہ قدوسیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

مکتبہ اسلامیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور

Marfat.com

فہرست مضامین

پیش لفظ ---------- 14
ارشاد باری تعالیٰ ---------- 16
فرمودات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ---------- 17
باب اول: ---------- 18

اسلام اور جدید مسائل

خصوصیاتِ اسلام ---------- 18
(۱) عالم گیریت ---------- 18
(۲) ابدیت ---------- 20
(۳) جامعیت اور ہمہ گیریت ---------- 20
اسلام اور معیشت وتجارت ---------- 22
بعض شبہات کا ازالہ ---------- 23
جواب ---------- 24
کاروبار کی جو صورت شریعت کی ہدایات یا مقاصد کے خلاف نہ ہو وہ جائز ہے ---------- 24
دوسرا شبہ ---------- 27
خلاصہ ---------- 28
باب دوم: ---------- 29

مالی معاملات کے بنیادی اصول

رِبا (سود) ---------- 30
سود کی حرمت پر اجماع ہے ---------- 32

Marfat.com

ربا کا معنی ومفہوم ---------- 33
قرآن کی روشنی میں ربا الفضل کا حکم ---------- 34
احادیث میں ربا الفضل کا حکم ---------- 34
ربا الفضل کیوں حرام ہے؟ ---------- 35
دو چیزوں میں تبادلہ کی ممنوعہ صورتیں ---------- 36
ربا الفضل کا دائرہ ---------- 37
کیا ربا کی حقیقت واضح نہیں؟ ---------- 37
غَرَرْ (uncertainty) ---------- 41
غرر کا معنی ---------- 43
غرر کا دائرہ ---------- 48
مشکوک معاملات سے بھی پرہیز ضروری ہے ---------- 48
خلاصہ ---------- 49
باب سوم : ---------- 50

مروجہ معاملات کی تفصیل

کریڈٹ کارڈ ---------- 50
کریڈٹ کارڈ کی حقیقت ---------- 50
کریڈٹ کارڈ کی تاریخ ---------- 50
کارڈز کی مختلف قسمیں ---------- 52
(۱) سودی ---------- 52
(۲) غیر سودی ---------- 52
کارڈز کے فوائد ---------- 53
بینک کو حاصل ہونے والے فوائد ---------- 53

Marfat.com

تاجر کا فائدہ----------53
کارڈ ہولڈر کو پہنچنے والے فوائد ----------53
کارڈز کے نقصانات----------54
کریڈٹ اور چارج کارڈز کا شرعی حکم ----------54
ڈیبٹ کارڈ (Debit Card) کا استعمال جائز ہے ----------55
انشورنس (التامین)----------56
انشورنس کی ابتدا ----------57
انشورنس کا مفہوم----------58
انشورنس کی قسمیں----------59
(۱) گروپ انشورنس----------59
(۲) میوچل انشورنس----------60
(۳) کمرشل انشورنس----------60
لائف انشورنس ----------60
گڈز انشورنس ----------61
تھرڈ پارٹی انشورنس----------61
کمرشل انشورنس کا شرعی حکم----------61
لیزنگ ----------62
لیزنگ کا جدید مفہوم ----------63
ایک شبہ کا ازالہ ----------65
لیزنگ کا متبادل----------65
مروجہ لیزنگ کا دوسرا متبادل----------66
شیئرز (حصص) کی خرید وفروخت ----------66
شیئرز کی تاریخ ----------66

Marfat.com

شیئرز کی حقیقت ---------- 67
شرعی حکم ---------- 68
شیئرز کی خرید وفروخت کی بعض ناجائز صورتیں ---------- 69
فیوچر سیل ---------- 70
شارٹ سیل ---------- 70
بدلہ (Carey Over) ---------- 71
کاروباری دستاویزات ---------- 72
کاروباری دستاویزات سے مراد ---------- 72
اوراق تجاریہ کی تاریخ ابتداء ---------- 73
کاروباری دستاویزات اور کاغذی کرنسی میں فرق ---------- 74
کمرشل اور فنانشل پیپرز کا باہمی فرق ---------- 74
کمرشل پیپرز کی مختلف قسمیں اور ان میں باہمی فرق ---------- 76
ہنڈی ---------- 76
پرامیسری نوٹ ---------- 77
چیک ---------- 77
شرعی حکم ---------- 78
بینک کی وساطت سے وصولی کا حکم ---------- 80
ایک شبہ کا ازالہ ---------- 81
ہنڈی بھنانے کا حکم ---------- 81
بعض شبہات کا ازالہ ---------- 83
جواب ---------- 83
دوسرا شبہ ---------- 84
جواب ---------- 84
تیسرا شبہ ---------- 84

Marfat.com

جواب----------85
حقوق کی بیع ----------88
حق التالیف ----------88
حق التالیف کی تاریخ ----------89
حق ایجاد ----------90
تجارتی نام اور علامات ----------91
معنوی حقوق کی بیع کا شرعی حکم ----------91
قائلین کے دلائل ----------92
مانعین کے دلائل----------93
راجح رائے ----------93
پگڑی----------96
اراضی وقف میں پگڑی کی صورتیں ----------96
اراضی بیت المال میں پگڑی کی صورت----------96
ذاتی پراپرٹی میں پگڑی کا مفہوم ----------97
پگڑی کا فائدہ----------97
پگڑی کے مختلف نام ----------97
پگڑی کی تاریخ وارتقاء ----------98
پگڑی کا حکم---------- 100
ملاحظہ ---------- 103
قسطوں پر خرید وفروخت ---------- 104
پہلا واقعہ ---------- 104
دوسرا واقعہ ---------- 105
قسطوں پر خریداری کی مختلف صورتیں---------- 106

Marfat.com

قائلین جواز کے دلائل ---------- 107
مانعین کے دلائل ---------- 108
راجح نقطہ نظر ---------- 109
بیع عِینَہ کا مطلب ---------- 113
ملاحظہ ---------- 113
خلاصہ ---------- 114
باب چہارم: ---------- 115

اسلامی بینکاری کی حقیقت!

اسلامی بینکاری کا مطلب ---------- 115
اسلامی بینکاری کی تاریخ ابتدا ---------- 117
اسلامی بینکاری کی ترقی وفروغ ---------- 118
اسلامی بینکوں کے معاملات کا اجمالی تذکرہ ---------- 118
سرمایہ حاصل کرنے کے ذرائع ---------- 118
سرمایہ فراہم کرنے کے طریقے ---------- 119
براہ راست سرمایہ کاری کی شکلیں ---------- 120
بینکاری خدمات ---------- 120
اسلامی بینکوں کا پیش کردہ متبادل مثالی نہیں ---------- 120
اسلامی بینکوں کا عذر ---------- 122
مروجہ اسلامی بینکاری علماء کی نظر میں ---------- 123
موجودہ اسلامی بینکوں پر تنقید کی وجوہ ---------- 124
اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ کا مقصد فائنانسنگ ہے نہ کہ حقیقی اجارہ ---------- 124

Marfat.com

شرح سود کو معیار بنانا ---------- 126
اسلامی بینکوں کا طریقہ بھی سودی بینکوں جیسا ہے ---------- 127
تاخیر پر جرمانہ ---------- 129
شریعت میں تاخیر پر جرمانہ کا تصور نہیں ہے ---------- 129
ماہرین اسلامی بینکاری کی نظر میں بھی جرمانہ جائز نہیں ---------- 130
امام خطاب رحمہ اللہ کے قول سے غلط استدلال ---------- 131
اسلامی بینکوں کا نقطہ نظر ---------- 132
اسلامی بینک نان رسک ہیں ---------- 133
اسلامی بینکوں میں رائج طریقہ ہائے تمویل کی حقیقت ---------- 134
مضاربہ ---------- 134
مضارب کی حیثیت ---------- 135
مضاربہ کی شرطیں ---------- 136
مضاربہ کا میدان ---------- 137
اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ کی حقیقت ---------- 141
مرابحہ ---------- 144
مرابحہ کی ضرورت اور اس کے بنیادی اصول ---------- 145
مرابحہ کی مختلف قسمیں اور ان کا شرعی حکم ---------- 146
راجح رائے ---------- 148
مرابحہ میں ضمنی اخراجات کا حکم ---------- 149
بیع مرابحہ اور بینکاری ---------- 149
اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ ---------- 150
مروجہ مرابحہ کا شرعی حکم ---------- 152
کلائنٹ کے ذریعے خریداری کی شرعی حیثیت ---------- 152

Marfat.com

پہلی صورت ---------- 153
دوسری صورت ---------- 158
تیسری صورت ---------- 159
اسلامی بینکوں کا نقطہ نظر ---------- 160
اجارہ مُنْتَهِيَةٌ بِالتَّمْلِيْك ---------- 162
اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ اور سودی بینکوں میں رائج ہائر پرچیز میں فرق ---------- 163
ملکیت منتقل ہونے کے طریقے ---------- 164
ضَمَانِ جِدِّیَہ کی شرعی حیثیت ---------- 165
اگر چیز تباہ ہو جائے یا قابل استعمال نہ رہے؟ ---------- 165
اجارہ منتهية بالتمليك کا شرعی حکم ---------- 166
مشارکہ متناقصہ (Diminishing Musharakah) ---------- 168
مشارکہ متناقصہ شرکت کی کس قسم میں داخل ہے ---------- 171
شركة العنان کیا ہے؟ ---------- 171
مشارکہ متناقصہ میں بینک اپنے حصے کے یونٹ کس قیمت پر بیچے گا ---------- 172
بینک اپنا حصہ کس قیمت پر فروخت کرتا ہے ---------- 174
تَوَرُّق ---------- 175
تورق اور بیع عینہ میں فرق ---------- 176
تورق کا شرعی حکم ---------- 177
راجح رائے ---------- 179
بینکوں میں تورق کا استعمال ---------- 179
شرعی حیثیت ---------- 180
بَیْع سَلَمْ ---------- 181

Marfat.com

سلم کی اجازت کا فلسفہ ---------- 183
کیا سلم خلافِ قیاس ہے؟ ---------- 183
سلم کی شرطیں ---------- 184
ملاحظہ ---------- 188
سلم میں رہن اور ضمانت طلب کرنا ---------- 188
سلم میں قبضہ کی مدت ---------- 189
حوالگی میں تاخیر پر جرمانہ ---------- 189
قبضہ سے پہلے بیچنا ---------- 191
تجارت میں سلم کا استعمال ---------- 191
اسلامی بینکوں میں سلم کا استعمال ---------- 195
سلم متوازی ---------- 197
اِستِصنَاع ---------- 197
استصناع اور سلم میں فرق ---------- 198
استصناع کی بنیاد پر بینکاری ---------- 198
مروجہ اسلامی بینکوں کا طریقہ ---------- 199
گارنٹی پر کمیشن کا حکم ---------- 200
ایک توجیہ کا جواب ---------- 201
اسلامی بینکوں کا پیش کردہ حل ---------- 202
ایل سی کھولنے کا طریقہ ---------- 203
ایل سی کا صحیح حل اور اسلامی بینک ---------- 204
پراپیگنڈہ کا جواب ---------- 206
خلاصہ ---------- 206

باب پنجم: ---------- 208

تکافل: مروجہ اسلامی انشورنس

تکافل کا معنی ومفہوم ---------- 208
اسلام میں تکافل کی اہمیت ---------- 210
اسلامی تکافل کی ہمہ گیریت ---------- 212
تکافل کی مختلف صورتیں ---------- 214
اسلامی تکافل کی خصوصیت ---------- 215
مروجہ تکافل اور اس کا طریقہ کار ---------- 216
مروجہ تکافل کی قسمیں ---------- 218
فیملی تکافل ---------- 219
جنرل تکافل ---------- 220
کیا مروجہ تکافل سود اور غرر سے پاک ہے؟ ---------- 220
کیا یہ عقد معاوضہ نہیں؟ ---------- 220
ایک تاویل کا جواب ---------- 221
کیا نقدی کو وقف کیا جا سکتا ہے؟ ---------- 222
صحیح موَقف ---------- 225
ایک شبہ کا ازالہ ---------- 227
بعض تحقیق طلب مسائل ---------- 230
ایک غیر معقول استدلال ---------- 231
خلاصہ ---------- 231

Marfat.com

باب ششم ---------- 232

قرض کے مسائل

قرض لینا پسندیدہ نہیں ---------- 232
معقول عذر کی بنا پر قرض لینے کی اجازت ہے ---------- 233
قرض معاف نہیں ہوگا ---------- 233
قرض کے بدلے فائدہ اٹھانا ---------- 234
قرض میں گروی کا مطالبہ جائز مگر اس سے فائدہ اٹھانا ناجائز ہے ---------- 235
مکان گروی لین دین کی شرعی حیثیت ---------- 236
قرض اور دَیْن (Debt) میں فرق ---------- 236
قرض اور دَیْن کی ادائیگی کا معیار ---------- 237
ایک اعتراض کا جواب ---------- 239
خلاصہ ---------- 240

❀❀❀

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مسلمان ہونے کے ناطے ہمارا یہ پختہ اعتقاد ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی ،سیاسی ہو یا اخلاقی ،معاشرتی ہو یا معاشی جس کے متعلق دین میں اصولی رہنمائی موجو دنہ ہو۔مثلاً معیشت وتجارت کو لے لیجیے قرآن وحدیث میں اس حوالے سے واضح ،غیر مبہم اور قطعی اصول بیان ہوئے ہیں جن کی روشنی میں ہم ہر دور میں پیش آنے والے مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں ۔ہمارے محدثین کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ انہوں نے عبادات ہی کی طرح معاملات سے متعلق احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بھی ہم تک پہنچائی ہیں۔

کتب حدیث میں معاملات کے ابواب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ جب تک معاملات درست نہ ہوں انسان کا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کی زندگی اسلامی زندگی بن سکتی ہے۔اسی لیے ہمارے پیارے نبی ﷺ نے حرام کے علاوہ مشتبہ امور کے ارتکاب کو بھی انسان کے دین اور آبرو کے لیے خطرے کی علامت قرار دیا ہے۔چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

((فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمٰى ، يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ))

[صحيح البخاری: كتاب الايمان،باب فضل من استبر ء لدينه]

''جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنا دین اور عزت بچالی۔اور جو شبہات میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو (شاہی) چراگاہ کے قریب جانور چراتا ہے قریب ہے کہ وہ جانور اس میں داخل ہو جائیں۔''

مگر بدقسمتی کی بات ہے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت دین سے بیگانگی کے باعث

Marfat.com

اسلام کے ان سنہری اصولوں سے نابلد ہے۔ جولوگ نماز، روزہ کے پابند ہیں ان میں بھی ایک طبقہ ایسا ہے جس نے دین صرف عبادات، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا نام سمجھ لیا ہے۔ مالی معاملات کے بارہ میں احکامِ شرعیہ کو اس طرح نظر انداز کیے ہوئے ہیں کہ گویا ان کا دین کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ بالخصوص جدید معاملات کے متعلق ان کا اندازِ فکر یہ ہے کہ یہ معاملات چونکہ دورِ حاضر کی پیداوار ہیں عہد رسالت میں ان کا وجود ہی نہیں تھا اس لیے یہ جائز ہیں۔ ان حالات میں اہلِ علم پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ معاملاتِ جدیدہ کو سمجھیں اور لوگوں کی صحیح اور کما حقہ رہنمائی کریں۔

علمائے کرام تبریک و تحسین اور قدر افزائی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس حوالے سے قابل قدر کام کیا ہے۔ خصوصاً علمائے عرب نے اس سلسلے میں بہت عمدہ کوششیں کی ہیں۔ جدید مالی معاملات میں سے شاذ و نادر ہی کوئی ایسا مسئلہ ہوگا جس پر عربی زبان میں مستقل کتاب نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کی مساعی حسنہ کو قبول فرمائے اور اس خدمت کو ذریعہ نجات بنائے۔

احقر نے بھی اس ضمن میں ادنیٰ سی کاوش کی ہے جو

دورِ حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم

کے عنوان سے نذر قارئین ہے

یاد رہے! یہ کتاب اصل میں راقم کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً ہفت روزہ ''الاعتصام'' اور بعض دیگر جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں اب حک و اضافہ کے بعد ان کو کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حرام اور مشتبہ امور سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حافظ ذوالفقار علی
ابو ہریرہؓ شریعہ کالج
37-کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

Marfat.com

ارشادِ باری تعالیٰ

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ٥ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ٥ ﴾ [البقرة:٢٧٩_٢٧٨]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ اور چھوڑ دو باقی سود، اگر تم مومن ہو۔ پھر اگر تم نے یہ نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر تم نے توبہ کر لی تو تمہارے لیے تمہارے اصل مال ہیں نہ تم ظلم کرو اور نہ تم ظلم کیے جاؤ۔''

........................*

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ٥ ﴾ [النساء:٢٩]

''اے ایمان والو! تم اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے اور نہ تم قتل کرو اپنے نفسوں کو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

Marfat.com

فرمودات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

((یَأْتِی عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یُبَالِی الْمَرءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ)) [صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب من لم یبال من حیث کسب المال]

''لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جب انسان کو اس کی پروا نہیں رہے گی کہ اس نے جو حاصل کیا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔''

* .... * .... *

((دَعْ مَا یَرِیْبُکَ إِلَی مَا لَا یَرِیْبُکَ)) [سنن الترمذی: ابواب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث ۲۷۰۸]

''جو چیز تجھے شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دے جو شک میں نہ ڈالے اس کو قبول کرلے۔''

* .... * .... *

((لَا یَحِلُّ سَلَفٌ وَبَیْعٌ وَلَا شَرْطَانِ فِی بَیْعٍ وَلَا رِبْحُ مَا لَمْ یُضْمَنْ وَلَا بَیْعُ مَا لَیْسَ عِنْدَکَ)) [سنن الترمذی، باب ما جاء فی کراھیة بیع مالیس عندہ]

''قرض اور بیع، ایک بیع میں دو شرطیں اور اس چیز کا نفع جس کا رسک برداشت نہ کیا گیا ہو جائز نہیں اور اس چیز کی بیع بھی درست نہیں جو دینے والے کے پاس موجود نہیں۔''

Marfat.com

باب اول

اسلام اور جدید مسائل

خصوصیاتِ اسلام:

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو جن امتیازی خوبیوں سے نوازا ہے ان میں تین خوبیاں بڑی نمایاں ہیں:

۱۔ عالم گیریت۔

۲۔ ابدیت (قیامت تک کے لیے)۔

۳۔ جامعیت اور ہمہ گیریت۔

(۱) عالم گیریت:

یعنی اسلام کے مخاطب کسی ایک نسل یا خطے کے لوگ نہیں بلکہ یہ ہر دور اور ہر علاقے کے لیے ہے۔

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ۨ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمٰتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝﴾ [الاعراف:۱۵۸]

''آپ فرمادیں: لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے، لہٰذا اللہ اور اس کے رسول نبی اُمی (ﷺ) پر ایمان لاؤ جو اللہ اور اس کے ارشادات پر ایمان لاتا ہے اور اسی کی پیروی کرو امید ہے تم راہِ راست پالو گے۔''

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝﴾ [الانبیاء:۱۰۷]

''اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

Marfat.com

﴿تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝﴾

[الفرقان:١]

''بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے (برے انجام سے) ڈرانے والا بن جائے۔''

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا کَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِیْرًا وَنَذِیْرًا وَلٰکِنَّ أَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝﴾[السباء:٢٨]

''اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے ولا بنا کر بھیجا مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

﴿إِنْ ھُوَ إِلَّا ذِکْرٌ لِلْعَالَمِیْنَ ۝﴾[التکویر:٢٧]

''یہ تو سارے جہاں والوں کے لیے نصیحت ہے۔''

نبی ﷺ کی حدیث ہے:

((أُعْطِیْتُ خَمْسًا لَمْ یُعْطَھُنَّ أَحَدٌ قَبْلِیْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِیْرَةَ شَھْرٍ وَجُعِلَتْ لِیَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَھُوْرًا فَأَیُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِیْ أَدْرَکَتْہُ الصَّلَاةُ فَلْیُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِیَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِیْ وَأُعْطِیْتُ الشَّفَاعَةَ وَکَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ إِلٰی قَوْمِہٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَی النَّاسِ عَامَّةً))

[صحیح بخاری: کتاب التیمم، باب قول اللّٰہ تعالیٰ فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا]

''مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

١۔ ایک مہینے کی مسافت پر رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔

٢۔ میرے لیے زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی ہے، میری امت میں سے جس آدمی کو جہاں نماز کا وقت پالے وہ نماز پڑھ لے۔

٣۔ میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھیں۔

۴۔ مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔

۵۔ پہلے انبیاء علیہم السلام خاص قوم کی طرف آتے تھے اور مجھے تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

(۲) ابدیت:

یعنی اسلامی تعلیمات ایک خاص دور یا مخصوص مدت کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے ہیں کیونکہ یہ آخری دین اور نبی ﷺ آخری نبی ہیں۔

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝﴾ [الاحزاب: ٤٠]

''محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہیں۔''

ختم نبوت کا تقاضا یہی ہے کہ اس دین کی تعلیمات ایک مخصوص مدت کے لیے نہ ہوں بلکہ قیامت تک کے لیے ہوں۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [صحيح بخاری: كتاب الجمعة، باب فرض الجمعة]

''ہم آخری ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔''

(۳) جامعیت اور ہمہ گیریت:

اس کا مطلب ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق اسلام نے ہماری رہنمائی نہ کی ہو، اس میں ضروریاتِ زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝﴾ [النحل: ٨٩]

''اور ہم نے آپ ﷺ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے۔''

Marfat.com

﴿وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَى عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝﴾[الاعراف:٥٢]

''ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جسے ہم نے علم کی بنا پر مفصل بنا دیا ہے، یہ کتاب ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔''

﴿وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ۝﴾[بنی اسرائیل:١٢]

''اور ہم نے ہر چیز کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔''

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝﴾[یوسف:١١١]

''ان قصوں میں اہل عقل وخرد کے لیے (کافی سامان) عبرت ہے، یہ قرآن کوئی ایسی بات نہیں جو گھڑ لی گئی بلکہ یہ تو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، اس میں ہر بات کی تفصیل موجود ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ میں جس اکمال کا اعلان فرمایا گیا ہے اس کا معنی بھی یہی ہے کہ اس میں انسانی ضرورت اور حلت وحرمت کی تمام باتیں بیان کر دی گئی ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فليست تنزل فى أحد من أهل دين الله نازلة إلا وفى كتاب الله الدليل))[الرسالة: ج١، ص٢٠]

''کتاب اللہ میں مسلمانوں کو ہر پیش آمدہ مسئلے کے متعلق راہ نمائی موجود ہے۔''

شیخ المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((لا اعلم شيئا يحتاج اليه الا وهو فى الكتاب والسنة))

''کتاب وسنت میں تمام ضروری مسائل کا حل موجود ہے۔''

پوچھا گیا:

((هل يمكن معرفة ذلك ؟قال نعم))[مقدمة فتح الباری:ص٤٨٩]

''کیا اس کی معرفت ممکن ہے؟ کہا ہاں۔''

ثابت ہوا کہ اسلام میں بدلتے ہوئے معروضی حالات اور عصری تقاضے پورے کرنے کی مکمل صلاحیت موجود ہے۔

اسلام اور معیشت وتجارت:

صنعت وتجارت انسانی زندگی کے لازمی اجزاء ہیں، ان کے متعلق اسلام کیوں کر خاموش رہ سکتا تھا۔ قرآن وحدیث میں معاملات کے بارے میں بالکل واضح اور غیر مبہم ہدایات دی گئی ہیں، جو صورتیں معاشرے کے لیے مفید تھیں انہیں باقی رکھا گیا ہے اور جو مضر تھیں وہ سب حرام قرار دی گئیں ہیں:

﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۝﴾[البقرة:٢٧٥]

''اور اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔''

﴿وَلَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾[البقرة:١٨٨]

''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ' نہ مقدمات اس غرض سے حکام تک لے جاؤ کہ دوسرے کے مال کا کچھ حصہ ناحق طور پر ہضم کر جاؤ، حالانکہ حقیقت حال تمہیں معلوم ہوتی ہے۔''

مشہور محدث ومفسر ابن العربی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یہ آیت معاملات کے قواعد میں سے اور معاوضات کی اساس ہے۔''[احکام القرآن: جلد١، ص١٨٥]

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝﴾[النساء:٢٩]

Marfat.com

''اے ایمان والو! تم اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے اور نہ تم قتل کرو اپنے نفسوں کو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

اس ممانعت میں ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے کے تمام ذرائع شامل ہیں چونکہ اسلامی ہدایات سراسر معاشرے کے مفاد میں ہیں۔ جن کو نظر انداز کرنے سے معاشی بگاڑ پیدا ہونا یقینی امر ہے، اس لیے مسلم معاشرے میں ان لوگوں کو کاروبار کی قطعی اجازت نہیں جو تجارت کے متعلق اسلامی احکام سے ناواقف ہوں، چنانچہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔

((لَا يَبِعُ فِيْ سُوْقِنَا إِلَّا مَنْ تَفَقَّهَ فِي الدِّيْنِ)) [جامع ترمذی: ابواب الوتر، باب ماجاء فی فضل الصلاۃ علی النبی]

''ہمارے بازاروں میں وہی خرید وفروخت کرے جسے دین کی سمجھ ہو۔''

یعنی خرید وفروخت کے متعلق دینی احکام سے آگاہ ہو۔ امام ترمذی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو حسن قرار دیا ہے۔

بعض شبہات کا ازالہ:

پہلا شبہ: بعض جدت پسندوں کے خیال میں اسلامی ہدایات تمام نسلوں اور زمانوں کے لیے ہیں مگر ان کا دائرہ عمل صرف عقائد وعبادات تک محدود ہے۔ سیاسی، معاشی اور معاشرتی معاملات میں ہم آزاد ہیں کہ اپنے حالات کے مطابق جس طرح چاہیں فیصلہ کریں، اس نقطۂ نظر کی تائید میں ایک روایت بھی توڑ مروڑ کر پیش کی جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ)) [صحیح مسلم: کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ماقاله شرعا.....]

''تم اپنے دنیوی معاملات کو بہتر جانتے ہو۔''

Marfat.com

جواب:

ہمارے نزدیک اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ان مہربانوں نے دیگر مذاہب کی طرح دین اسلام کو بھی محض چند مخصوص عقائد اور خود ساختہ رسومات کا مجموعہ سمجھ لیا ہے حالانکہ اسلام تو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو دینی معاملات کے ساتھ ساتھ سیاسی، معاشرتی اور معاشی مسائل جیسے تمام معاملات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ دین و دنیا کی جو تفریق عیسائیت میں ہے کہ شخصی زندگی کے ایک محدود گوشے کے سوا باقی اجتماعی اور سیاسی زندگی مذہب کے دائرہ بحث سے خارج ہے اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ دین کا ہر طالب علم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ قرآن مجید میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کے بارہ میں بھرپور راہنمائی موجود ہے۔

جن حضرات کو صحیح بخاری کے مطالعہ کا موقع ملا ہے وہ ہمارے مؤقف کی تائید فرمائیں گے کہ کس طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں عقائد و عبادات، معاشی و معاشرتی مسائل، سیاسی امور، بین الاقوامی تعلقات، حدود و تعزیرات اور دیگر گوشہ ہائے زندگی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع فرما دی ہیں، باقی رہ گئے آپ کے زیر بحث الفاظ تو ان کا ایک خاص محل ہے وہ یہ کہ ہماری زندگی کا وہ دائرہ جسے ہم دنیا سے تعبیر کرتے ہیں اس کے متعلق اسلام نے صرف بنیادی باتیں ذکر کی ہیں اس کے بعد ہمیں آزاد چھوڑ دیا ہے تفصیلات و جزئیات بیان نہیں کیں، البتہ وہ امور جن کو دین کہا جاتا ہے ان میں ہمیں اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ ہم اپنی مرضی سے ایک قدم ادھر ادھر نہیں اٹھا سکتے۔

کاروبار کی جو صورت شریعت کی ہدایات یا مقاصد کے خلاف نہ ہو وہ جائز ہے:

اس بات کو علماء رحمہم اللہ یوں بیان کرتے ہیں:

''عبادات میں اصل حرمت ہے جب تک شارع کی طرف سے نص نہ ہو کوئی کام کرنا جائز نہیں ہوتا اور معاملات میں اصل اباحت ہے یعنی لین دین کی ہر وہ صورت جائز ہے جس سے شریعت نے منع نہ کیا ہو۔''

Marfat.com

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والأصل فی هذا انه لایحرم علی الناس من المعاملات التی یحتاجون الیها إلا مادل الکتاب والسنة علی تحریمه کما لایشرع لهم من العبادات التی یتقربون بها إلی الله الا مادل الکتاب والسنة علی شرعه))[مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة: ج۲۸،ص۳۸٦]

''اس بارہ میں اصل یہ ہے کہ وہ معاملات جن کی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے ان میں سے صرف وہی حرام ہیں جن کی حرمت پر کتاب وسنت دلالت کررہی ہوں جیسا کہ عبادات میں سے وہی جائز ہیں جن کی مشروعیت پر قرآن وحدیث میں رہنمائی موجود ہو۔''

زیر بحث حدیث کے علاوہ ذیل کی احادیث سے بھی اس اصول کی تائید ہوتی ہے:

((اَلْمُسْلِمُوْنَ عِنْدَ شُرُوْطِهِمْ))[صحیح البخاری: کتاب الاجارہ،باب اجر السمسرة]

''مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں۔''

دوسرے مقام پر آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلَی شُرُوْطِهِمْ إِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا))[سنن ترمذی: کتاب الاحکام ،باب ماذکر عن رسول الله فی الصلح بین الناس]

''مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں مگر وہ شرط جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دے''

عبادات کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ أُصَلِّیْ))[صحیح بخاری :کتاب الاذان ، باب الاذان للمسافر اذا کانو جماعة.....]

''نماز پڑھو! جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔''

متذکرہ بالا احادیث کے علاوہ یہ آیات بھی اس کی تائید کرتی ہیں:

Marfat.com

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللّٰهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝﴾[یونس:۵۹]

''آپ ﷺ ان سے کہیں کیا تم نے سوچا کہ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا تھا اس میں سے تم نے خود ہی کسی کو کو حرام قرار دے لیا اور کسی کو حلال، تو کیا اللہ نے تم کو اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو؟''

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِأَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْأَرْضِ جَمِیْعًا مِنْهُ إِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَاتٍ لِقَوْمٍ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾[الجاثیة:۱۲،۱۳]

''اللہ ہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے تابع کر دیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو اور جو کچھ آسمانوں میں یا زمین میں ہے سب کچھ تمہارے لیے کام پر لگا رکھا ہے غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔''

سورۃ یونس کی متذکرہ بالا آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی عادات اور عرف کی بنیاد پر بعض چیزوں کو حرام قرار دے رکھا تھا۔

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلَالٌ وَهٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۝﴾[النحل:۱۱۶]

''جو جھوٹ تمہاری زبانوں پر آجائے اس کی بنا پر یوں نہ کہا کرو کہ یہ چیزیں حلال ہیں اور یہ حرام ہیں تا کہ تم اللہ پر جھوٹ باندھنے لگو اور جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پاتے۔''

اس آیت میں خواہشات نفس سے مباح اشیاء کو حرام قرار دینے کی ممانعت ہے:

Marfat.com

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۝﴾

[الانعام:۱۱۹]

''جو کچھ اس نے تم پر حرام کیا ہے اسے تمہارے لیے تفصیلاً بیان کر دیا گیا ہے الا یہ کہ تم (کوئی حرام چیز کھانے پر) مجبور ہو جاؤ۔''

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فَكُلُّ مَا لَمْ يُفَصَّلْ لَنَا تَحْرِيْمُهُ فَهُوَ حَلالٌ بِنَصِّ الْقُرْآنِ، إِذْ لَيْسَ فِي الدِّيْنِ إِلا فَرْضٌ أَوْ حَرَامٌ أَوْ حَلالٌ، فَالْفَرْضُ مَأْمُوْرٌ بِهِ فِي الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ، وَالْحَرَامُ مُفَصَّلٌ بِاسْمِهِ فِي الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ، وَمَا عَدَا هٰذَيْنِ فَلَيْسَ فَرْضًا وَلا حَرَامًا فَهُوَ بِالضَّرُوْرَةِ حَلالٌ))

[المحلیٰ بآثار لابن حزم: ج۱٤ ص۳۵۷]

''ہر وہ چیز جس کی حرمت بیان نہیں ہوئی وہ اس قرآنی نص کے مطابق حلال ہے، کیونکہ دین میں یا تو فرض ہیں یا حلال یا حرام، جو فرض ہیں قرآن وسنت میں نام لے کر ان کا حکم دیا گیا ہے جو حرام ہیں ان کی تفصیل بھی موجود ہے ان دونوں کے علاوہ جو نہ فرض ہیں نہ حرام وہ بداہتاً حلال ہیں۔''

دوسرا شبہ:

بعض حضرات یہ سوال بھی اٹھاتے ہیں کہ:

''بہت سے ایسے معاملات ہیں جو دور حاضر میں معاشرتی زندگی کا لازمی حصہ بن چکے ہیں لیکن عہد رسالت میں ان کا ذکر تک نہیں ملتا اور نہ کتب حدیث وفقہ میں ان کا کوئی تذکرہ ہے پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں ضرورت زندگی کے ہر مسئلہ کا حل موجود ہے۔؟''

ہماری رائے میں یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ معاملات میں اصل اباحت ہے یہ سوال بالکل بے معنی ہے کیونکہ اس اصول کے مطابق لین دین کی ہر وہ صورت جائز ہوگی جس سے

Marfat.com

شریعت نے منع نہ کیا ہو۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیے کہ اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ جس چیز کا نام لے کر اسلام نے منع نہ کیا ہو وہ جائز ہے بلکہ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ لین دین کی ہر وہ شکل جو اسلام کے بیان کردہ اصول اور مقاصد شریعت کے خلاف نہ ہو وہ جائز ہے۔

ہمارے خیال میں کوئی ایسا نیا مسئلہ موجود نہیں جو انسانی زندگی کے لیے ضروری ہو لیکن قرآن وحدیث کی اصولی ہدایات، مقاصد شریعت اور فقہی قواعد کی روشنی میں اس کا حل ممکن نہ ہو! عہد رسالت کے بعد پیدا ہونے والے مسائل کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام، محدثین فقہاء اور علمائے اسلام رحمہم اللہ کے فتاویٰ اس کا واضح ثبوت ہیں۔

خلاصہ

- قرآن وحدیث کی اصولی ہدایات اور مقاصد شریعت کی روشنی میں ہر مسئلہ کا حل ممکن ہے۔

❀❀❀

باب دوم

مالی معاملات کے بنیادی اصول

شریعت نے جن مالی معاملات کو ممنوع قرار دیا ہے اگر گہری نظر سے ان کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ جس چیز سے شرعی طور پر فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہو اور وہ انسان کی ملکیت و قبضہ میں ہو دو اصولوں کی پابندی کے ساتھ اس کا دوسرے کے ساتھ معاملہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ معاملہ ربا (سود) سے پاک ہو۔

۲۔ غَرَرُ (Uncertainty) پر مشتمل نہ ہو۔

بشرطیکہ ممانعت کی کوئی خارجی وجہ نہ پائی جا رہی ہو یا ایک عقد (Contract) میں دو عقد یا دو شرطیں جمع نہ ہوں یا ایسی شرط نہ لگائی گئی ہو جو طے شدہ معاملہ کے تقاضوں کے خلاف ہو۔

علاوہ ازیں خرید و فروخت اور قرض کا معاملہ بھی جمع نہیں ہو سکتے یعنی قرض دینے کی شرط پر چیز خریدنا یا قرض دینے کے بدلے خریدنے کی شرط لگانا جائز نہیں۔

شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی تجارت حرام ہے کیونکہ شرعاً ان چیزوں سے فائدہ حاصل کرنا درست نہیں۔ ایک شخص کے طے کیے ہوئے سودے پر سودا کرنا منع ہے کہ ان میں ممانعت کی خارجی وجہ پائی جاتی ہے وہ ہے دو افراد کے درمیان اختلاف پیدا ہونے کا اندیشہ۔ فی نفسہٖ بیع میں کوئی خرابی نہیں۔

چنانچہ علامہ ابن العربی رحمہ اللہ کاروبار کی ممنوعہ صورتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

((ولا تخرج عن ثلاثة اقسام؛ وهي الربا والباطل والغرر

Marfat.com

ویرجع الغرر بالتحقیق الی الباطل فیکون قسمین علی الآیتین))[احکام القرآن: ج ۱ ص ۲٦٤]

''یہ سب تین قسموں میں شامل ہے اور وہ تین قسمیں یہ ہیں: (۱) سود۔ (۲) باطل طریقے سے مال کمانا۔ (۳) غرر۔ حقیقت میں غرر بھی باطل طریقے سے مال کمانے میں شامل ہے یوں دو آیتوں کے مطابق دو قسمیں ہی بنتی ہیں۔''

فقہائے اہل سنت نے بیع کے جو ضوابط بیان فرمائے ہیں ان کی بنیاد یہی اصول ہیں۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ سود اور غرر کے متعلق ضروری باتیں بیان کی جاتی ہیں۔

رِبا (سود):

سرمایہ دارانہ نظام میں تجارت اور ربا کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ سرمایہ دار کے نزدیک اقتصادی سرگرمیوں کے لیے ربا ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اسلام جس طرح کا عادلانہ اور منصفانہ معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے وہ ربا کی موجودگی میں ممکن نہیں، خواہ وہ ذاتی قرضوں پر لیا جائے یا تجارتی قرضوں پر۔ کیونکہ ربا سے جو ذہنیت پرورش پاتی ہے وہ قدم بہ قدم اسلام سے ٹکراتی ہے۔ یہ معاشرے کے مختلف طبقات میں عداوت کا باعث بنتا ہے۔ غریبوں پر صریح ظلم اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے کی قبیح ترین شکل ہے۔ اس لیے اسلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے مرتکب کے ساتھ اعلان جنگ فرمایا ہے، لہٰذا لین دین کی ہر وہ صورت ناجائز ہے جس میں ربا کا عنصر پایا جائے۔

ذیل میں ربا کے متعلق قرآن کی بعض آیات اور نبی ﷺ کی احادیث ملاحظہ ہوں۔

﴿اَلَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِکَ بِأَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهٰی فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ اِلَی اللّٰهِ وَمَنْ

Marfat.com

عَادَ فَأُولَئِکَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ o يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقَاتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ o﴾

[البقرة:٢٧٦،٢٧٥]

''جولوگ سود کھاتے ہیں وہ یوں کھڑے ہوں گے جیسے شیطان نے کسی شخص کو چھو کر مخبوط الحواس بنا دیا ہو۔اس کی وجہ ان کا یہ قول ہے کہ تجارت بھی تو آخر سود کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام، اب جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچ گئی اور وہ سود سے رک جائے تو پہلے جو سود کھا چکا اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے مگر جو پھر بھی سود کھائے تو یہی لوگ دوزخی ہیں، جس میں ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کی پرورش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے بندے کو پسند نہیں کرتا۔''

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [آل عمران: ١٣٠]

''اے ایمان والو! سود کو دگنا چوگنا کر کے مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم آخرت میں نجات پا سکو۔''

((اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا هُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبٰوا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّىْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ)) [صحيح بخارى : كتاب الوصايا ،باب قول الله تعالى ان الذين ياكلون .....الخ]

''سات مہلک گناہوں سے بچو صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے پوچھا اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون سے گناہ ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک کرنا، جادو کرنا، جس نفس کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے

Marfat.com

دن پیٹھ دکھا کر بھاگنا، پاک دامن اور بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانا۔''

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْهَمٌ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلَاثِيْنَ زَنْيَةً)) [مسند احمد:٢٠٩٥١]

''ربا کا ایک درہم جو انسان علم ہونے کے باوجود کھاتا ہے ۳۶ (چھتیس) زناؤں سے زیادہ سخت ہے۔''

((الربا ثلاثة وسبعون بابا، أيسرها مثل أن ينكح الرجل أمه))

[مستدرك حاكم: كتاب البيوع]

''سود کے ستر دروازے ہیں سب سے ہلکا یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرے''

اس لیے نبی ﷺ نے اس میں ملوث تمام لوگوں کو لعنتی قرار دیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُؤْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ)) [صحيح مسلم: كتاب المساقاة، باب لعن آكل الربا وموكله]

''نبی کریم ﷺ نے سود کھانے، سود کھلانے، لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔''

سود کی حرمت پر اجماع ہے:

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((كل قرض شرط فيه ان يزيده فهو حرام بغير خلاف))

[المغنى: ج٩: ص١٠٤]

''ہر وہ قرض جس میں اضافے کی شرط ہو وہ بلا اختلاف حرام ہے۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وقد اتفق العلماء على ان المقرض متى اشترط زيادة على

Marfat.com

قرضه كان ذلك حرام))[مجموع الفتاویٰ:ج۲۹ص۳۳٤]

''سب علماء اس بات پر متفق ہیں کہ قرض دینے والا جب اپنے قرض پر اضافے کی شرط لگائے تو یہ حرام ہوگا۔''

علامہ ماوردی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((اجمع المسلمون على تحريم الرباوعلى انه من الكبائر))

[عمدة القاری:ج۱۱ص۲۰۰]

''سود کی حرمت اور اس کے کبیرہ گناہ ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔''

ربا ایک وسیع الذیل موضوع ہے۔یہاں اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ممکن نہیں اس لیے ہم صرف اس کی تعریف اور قسمیں ذکر کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

رِبا کا معنی ومفہوم:

عربی لغت میں ربا کا معنی ہے:

(الفضل ،الزيادة،النماء)

''زائد،زیادتی اور نمو۔''

اصطلاح میں رِبا کا لفظ دو معنوں کے لیے آتا ہے:

۱۔ قرض یا دَین (Debt) کی اصل رقم پر جو زائد رقم بطورِ شرط یا معاہدہ لی جائے یا ایک جنس کی دو چیزوں کا اس طرح تبادلہ کیا جائے کہ دونوں یا ایک طرف سے ادھار ہو۔اس کو ربا النسیئة کہا جاتا ہے۔

۲۔ ایک طرح کی دو چیزوں کا کمی بیشی سے تبادلہ یہ ربا الفضل کہلاتا ہے۔

علامہ ڈاکٹر عمر بن عبدالعزیز المترک رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وهناك من العلماء من يرى ان الربا اسم يقع على كل البيوع المحرمة)) [الربا والمعاملات المصرفية فی نظر الشريعة الاسلامية:ص٤٤]

Marfat.com

''بعض علماء کے خیال میں خرید و فروخت کی تمام حرام شکلوں پر ربا کا اطلاق ہوتا ہے۔''

قرآن کی روشنی میں ربا الفضل کا حکم:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فَإِنَّهُ يَتَنَاوَلُ كُلَّ مَا نُهِيَ عَنْهُ مِنْ رِبَا النَّسَاءِ وَرِبَا الْفَضْلِ وَالْقَرْضِ الَّذِي يَجُرُّ مَنْفَعَةً وَغَيْرَ ذَلِكَ))

''ربا کا لفظ ربا النسیئۃ، ربا الفضل اور جو قرض نفع کا باعث بنے سب کو شامل ہے۔''

احادیث میں ربا الفضل کا حکم:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:

((يَنْهَى عَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرِّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرِ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرِ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحِ بِالْمِلْحِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ عَيْنًا بِعَيْنٍ فَمَنْ زَادَ أَوْ ازْدَادَ فَقَدْ أَرْبَى فَرَدَّ النَّاسُ مَا أَخَذُوا))

[صحيح مسلم: كتاب المساقات ،باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کی سونے کے ساتھ، چاندی کی چاندی کے ساتھ گندم کی گندم کے ساتھ جو کی جو کے ساتھ کھجور کی کھجور کے ساتھ اور نمک کی نمک کے ساتھ بیع سے منع فرماتے تھے الا یہ کہ برابر برابر اور نقد ہوں جو زیادہ لے یا زیادہ دے وہ ربا کا مرتکب ہوا تو لوگوں نے جو لیا تھا وہ لوٹا دیا۔''

ظاہر ہے ایک جیسی دو چیزوں کے تبادلے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب ان کی جنس ایک ہونے کے باوجود کوالٹی میں فرق ہو اس صورت میں اسلام نے ہمارے سامنے دو ہی راستے رکھے ہیں۔

Marfat.com

۱۔ جو کم تر چیز کے بدلے اعلیٰ یا اعلیٰ کے بدلے کم تر لینا چاہتا ہے وہ پہلے اس چیز کو بازار میں فروخت کرے اس کے بعد اپنی مطلوبہ چیز خریدے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى خَيْبَرَ فَجَائَهُ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا قَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَيْنِ وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَفْعَلْ بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا))

[صحیح بخاری: کتاب البیوع ،باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منه]

''نبی ﷺ نے ایک آدمی کو خیبر میں عامل مقرر کیا وہ آپ ﷺ کے پاس بہترین کھجوریں لے کر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں اس قسم کی ہیں؟ اس نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول ﷺ واللہ ایسی نہیں ہیں ہم دو صاع کے بدلے اس کا ایک صاع اور تین صاع کے بدلے اس کے دو صاع وصول کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو ان ہلکی کھجوروں کو نقد درہموں سے بیچو پھر ان درہموں سے اعلیٰ کھجوریں خریدو اور یہی ہدایت وزن کی جانے والی اشیاء کے متعلق فرمائی۔''

۲۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں اشیاء کے مابین خاصیت کے فرق (Quality) کو نظر انداز کر دیا جائے۔

ربا الفضل کیوں حرام ہے؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوالٹی میں فرق کی بنیاد پر کمی بیشی کے ساتھ تبادلے میں بظاہر کوئی خرابی نظر نہیں آتی کیونکہ اعلیٰ درجے اور کم تر درجے کی چیز برابر نہیں پھر شریعت نے اسے کیوں حرام قرار دیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے انسان میں سود خوری کی

Marfat.com

ذہنیت پرورش پانے کا اندیشہ تھا۔ دین اسلام کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ جب وہ کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس برائی تک پہنچنے کے تمام راستے اور ذرائع بھی بند کر دیتا ہے چنانچہ نبی ﷺ نے اس کی یہ حکمت خود ہی بیان فرما دی ہے۔

((لَا تَبِيعُوا الدِّينَارَ بِالدِّينَارَيْنِ وَلَا الدِّرْهَمَ بِالدِّرْهَمَيْنِ وَلَا الصَّاعَ بِالصَّاعَيْنِ فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمُ الرَّمَاءَ وَالرَّمَاءُ هُوَ الرِّبَا))

[مسند احمد: ٦٠٢٥]

''ایک درہم کو دو درہم اور ایک صاع کو دو صاع کے عوض نہ بیچو کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم سود خوری میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔''

دو چیزوں میں تبادلہ کی ممنوعہ صورتیں:

واضح رہے تمام غلہ جات جیسے گندم، چاول اور مکئی اس لحاظ سے ایک جنس ہیں کہ ان کو کھایا جاتا ہے مگر یہ اپنے خاص اوصاف کے اعتبار سے الگ الگ قسمیں ہیں۔ اس لحاظ سے دو چیزوں کے تبادلہ میں جائز اور ممنوعہ صورتیں حسب ذیل ہونگی:

۱۔ دونوں کی جنس اور قسم ایک ہو۔ جیسے گندم کا گندم سے اور چاول کا چاول سے تبادلہ۔

۲۔ جنس اور قسم دونوں مختلف ہوں۔ جیسے گندم کا سونے سے تبادلہ۔

۳۔ جنس ایک مگر قسم مختلف ہو۔ مثلاً گندم کا مکئی سے یا ڈالر کا روپے سے تبادلہ۔

پہلی صورت میں کمی بیشی بھی منع ہے اور ادھار بھی۔ کیونکہ ایک قسم کی دو چیزوں میں حقیقی مساوات کے لیے یہ ضروری ہے کہ دونوں کی ادائیگی کا وقت بھی ایک ہو۔

دوسری صورت میں کمی بیشی اور ادھار دونوں جائز ہیں۔

تیسری صورت میں کمی بیشی جائز ہے مگر ادھار درست نہیں۔ کیونکہ ادھار کی اجازت سے سود کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً اسّی روپے دیکر سو وصول کرنا سود ہے اب ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اسّی دیکر چھ ماہ بعد سو وصول کرے تو وہ یہ حیلہ کر سکتا ہے کہ ضرورتمند کو اسّی روپے دینے کی بجائے چھ مہینے کے لیے ایک ڈالر سو روپے میں بیچ

Marfat.com

دے۔ یوں ادھار کی اجازت کو سود حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیتا۔ اس لیے اسلام نے ادھار کی اجازت نہیں دی۔ دونوں جانب سے نقد ہونے کی صورت میں یہ خطرہ نہیں ہے اس لیے نقد ایک ڈالر جتنے کا چاہیں بیچیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ربا الفضل کا دائرہ:

جن احادیث میں ربا الفضل کی ممانعت بیان ہوئی ہے ان میں صرف چھ مخصوص چیزوں کا ذکر ہے۔

(۱) سونا (۲) چاندی (۳) گندم

(۴) جو (۵) کھجور (۶) نمک

بعض روایات میں خشک انگور (منقیٰ) کا ذکر بھی ہے کیا یہ ممانعت صرف انہی چیزوں کے ساتھ خاص ہے یا ان کے علاوہ باقی اشیاء بھی اس میں شامل ہیں؟ اس کے متعلق فقہاء رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔

ہماری رائے میں سونے، چاندی میں علت قیمت ہے اور باقی چیزوں میں قابل غذا و ذخیرہ ہونا۔ جہاں یہ علت پائی جائے گی وہاں ایک قسم کی دو چیزوں کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ ناجائز ہوگا البتہ حدیث میں جانوروں کے متعلق رخصت آئی ہے کہ ایک جانور کی جگہ دو لینا درست ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیے کہ اگر ہم طلائی زیور کی قیمت سونے کی صورت میں ادا کرنا چاہیں تب بھی زیور کے وزن سے زائد سونا دینا جائز نہ ہوگا لہٰذا یا تو زیور کا تبادلہ ہم وزن سونے سے ہی کریں گے یا اس کی قیمت کرنسی نوٹوں میں ادا کی جائے گی۔

کیا ربا کی حقیقت واضح نہیں؟

بعض حلقوں کی جانب سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن و حدیث میں ربا کی جامع تعریف بیان نہیں ہوئی اس لیے کسی چیز کو ربا قرار دینا ہماری صواب دید پر منحصر ہے ان حضرات کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے:

Marfat.com

((إِنَّ اٰخِرَ مَا نَزَلَتْ اٰيَةُ الرِّبَا وَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَلَمْ يُفَسِّرْهَا لَنَا فَدَعُوا الرِّبَا وَالرِّيْبَةَ))

[سنن ابن ماجة: كتاب التجارات ، باب التغليظ فى الربا]

''سب سے آخری آیت جو نازل ہوئی وہ ربا کی آیت ہے اللہ کے نبی ﷺ فوت ہو گئے اور اس کی تفسیر بیان نہ کر سکے لہٰذا تم ربا بھی اور شک والی چیزیں بھی چھوڑ دو۔''

لیکن درج ذیل وجوہ کے باعث ان حضرات کا استدلال انتہائی کمزور ہے۔

۱۔ قرآن کا اسلوب عام فنی کتب سے بالکل مختلف ہے اس میں کسی چیز کی بھی فقہی اور قانونی تعریف بیان نہیں ہوئی، قرآن نے زنا کو قبیح ترین جرم قرار دیا ہے، شراب اور جوئے کو بھی حرام قرار دیا ہے لیکن ان میں سے کسی کی بھی تعریف بیان نہیں فرمائی، کیا اس استدلال کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ قرآن نے ان گناہوں کی تشریح نہیں کی، لہٰذا ان کا مفہوم متعین کرنا ہماری صواب دید پر منحصر ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ قرآن میں ان گناہوں کی تعریف اس لیے بیان نہیں ہوئی کہ یہ سب چیزیں اتنی واضح تھیں کہ بطور خاص ان کی تعریف کی ضرورت ہی نہ تھی، قرآن کے مخاطبین ان کی حقیقت سے پوری طرح واقف تھے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ربا کے مرتکب لوگوں کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے۔ کیا یہ تصور کیا جا سکتا کہ اللہ نے مبہم غیر متعین عمل جس کی حقیقت ہی معلوم نہ ہو کے ارتکاب پر اعلان جنگ فرما دیا ہو؟

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۝﴾[البقرة:٢٨٦]

''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ربا کی حرمت آپ کی زندگی کے آخری ایام میں نازل ہوئی تھی۔ حالانکہ اس کی حرمت تو اس سے کافی عرصہ پہلے نازل ہو چکی تھی، غالباً غزوہ احد کے فوراً بعد:

Marfat.com

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾[آل عمران: ۱۳۰]

''اے ایمان والو! سود کو دگنا چوگنا کر کے مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم آخرت میں نجات پاسکو۔''

اس آیت میں صریحاً ربا کی ممانعت کا حکم ہے یہ آیت غزوہ احد کے فوراً بعد نازل ہوئی تھی بلکہ بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ربا غزوہ احد سے پہلے ہی ممنوع قرار دیا جاچکا تھا۔ مثلاً حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَنَحْنُ نَتَبَايَعُ هَذَا الْبَيْعَ ، فَقَالَ مَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَلَيْسَ بِهِ بَأْسٌ ، وَمَا كَانَ نَسِيئَةً فَلَا يَصْلُحُ))

[صحيح بخاری: كتاب المناقب ،باب كيف آخى النبى بين اصحابه]

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور ہم یہ بیع کرتے تھے (ایک مخصوص بیع کی طرف اشارہ ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو نقد بہ نقد ہو اس میں کوئی حرج نہیں اور جو ادھار ہو وہ درست نہیں۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالٰى عنه أَنَّ عَمْرَو بْنَ أُقَيْشٍ كَانَ لَهُ رِبًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَكَرِهَ أَنْ يُسْلِمَ حَتّٰى يَأْخُذَهُ فَجَاءَ يَوْمَ أُحُدٍ فَقَالَ أَيْنَ بَنُو عَمِّي قَالُوا بِأُحُدٍ قَالَ أَيْنَ فُلَانٌ قَالُوا بِأُحُدٍ قَالَ أَيْنَ فُلَانٌ قَالُوا بِأُحُدٍ فَلَبِسَ لَأْمَتَهُ وَرَكِبَ فَرَسَهُ ثُمَّ تَوَجَّهَ قِبَلَهُمْ فَلَمَّا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ قَالُوا: إِلَيْكَ عَنَّا يَا عَمْرُو قَالَ إِنِّي قَدْ آمَنْتُ))

[ابو داؤد: باب فِيمَنْ يُسْلِمُ وَيُقْتَلُ مَكَانَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن اقیش رضی اللہ عنہ کا زمانہ جاہلیت میں کسی کے ذمہ سود تھا انہوں نے اس کے وصول کرنے تک اسلام قبول کرنے کو نامناسب سمجھا، وہ جنگ احد کے دن آئے اور پوچھا میرے چچازاد کہاں ہیں؟ جواب ملا: جنگ احد میں، پوچھا فلاں کہاں ہے؟ جواب دیا گیا: احد میں، انہوں نے پوچھا فلاں

Marfat.com

کہاں ہے؟ کہاں گیا: احد میں انہوں نے اسلحہ پہنا اور گھوڑے پر سوار ہو کر احد کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب مسلمانوں نے انہیں دیکھا تو کہنے لگے: اے عمرو! دور ہو جاؤ، اس پر انہوں نے کہا: میں اسلام لا چکا ہوں۔''

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے ربا کا جواز ثابت کرنا ان کے فرمان مقصود کے صریح خلاف ہے کیونکہ ان کا مقصود یہ ہے کہ صرف واضح ربا ہی سے نہ بچو بلکہ ہر اس معاملے سے بچو جس میں ربا کا شائبہ بھی پایا جائے اس سے ربا کا جواز نکالنا انتہائی درجے کی نادانی ہے۔

صحیحین، سنن ابی داؤد، نسائی، ترمذی اور موطا میں حرمت ربا کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی بعض روایات ملاحظہ فرمائیں:

((الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ)) [بخاری: کتاب البیوع، باب ما یذکر فی بیع الطعام والحکرۃ]

''سونا سونے کے عوض، گندم گندم کے بدلے، کھجور کھجور کے اور جو جو کے بدلے سود ہے سوائے اس کے کہ برابر برابر اور نقد لین دین ہو۔''

((عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ النَّصْرِيِّ أَنَّهُ الْتَمَسَ صَرْفًا بِمِائَةِ دِينَارٍ قَالَ فَدَعَانِي طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ فَتَرَاوَضْنَا حَتَّى اصْطَرَفَ مِنِّي وَأَخَذَ الذَّهَبَ يُقَلِّبُهَا فِي يَدِهِ ثُمَّ قَالَ حَتَّى يَأْتِيَنِي خَازِنِي مِنَ الْغَابَةِ .وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَسْمَعُ .فَقَالَ عُمَرُ وَاللَّهِ لَا تُفَارِقُهُ حَتَّى تَأْخُذَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم الذَّهَبُ بِالْوَرِقِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ رِبًا إِلَّا

Marfat.com

هَاءَ وَهَاءَ)) [مؤطا امام مالك : باب ماجاء فی الصرف،صحیح بخاری: باب بیع الشعیر بالشعیر]

''مالک بن اوس بن حدثان نصری سے روایت ہے کہ انہوں نے سو دینار بھنانا چاہے کہتے ہیں مجھے طلحہ بن عبیداللہ نے بلایا، ہم متفق ہو گئے یہاں تک کہ انہوں نے مجھ سے بیع صرف کر لی اور وہ دینار پکڑ کر اپنے ہاتھ میں اچھالنے لگے، پھر کہا غابہ سے میرے خزانچی کے آنے تک انتظار کرو۔ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یہ بات سن رہے تھے۔ انہوں نے کہا جب تک اس سے وصول نہ کر لو اس سے جدا نہ ہونا، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سونا چاندی کے بدلے سود ہے مگر یہ کہ نقد بنقد ہو، گندم گندم کے بدلے سود ہے مگر یہ کہ برابر اور نقد ہو۔ کھجور کھجور کے بدلے سود ہے مگر یہ کہ برابر اور نقد ہو، جو، جو کے بدلے سود ہے الا کہ برابر اور نقد ہوں۔''

ان دونوں روایتوں سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ربا کی حرمت اور حقیقت کے متعلق کوئی اشتباہ نہ تھا۔ ان کا اصل شبہہ یہ تھا کہ آیا اس کا دائرہ صرف انہی چیزوں تک محدود ہے جن کا حدیث میں ذکر ہے یا ان کے علاوہ دوسری چیزیں بھی اس میں شامل ہیں؟ اس کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔

((ثَلَاثٌ وَدِدْتُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُفَارِقْنَا حَتَّى يَعْهَدَ إِلَيْنَا عَهْدًا الْجَدُّ وَالْكَلَالَةُ وَأَبْوَابٌ مِنْ أَبْوَابِ الرِّبَا))

[صحیح بخاری: کتاب الاشربة ،باب ماجاء فی ان الخمر ماخامر العقل]

''تین چیزیں ایسی ہیں جن کے متعلق میری خواہش تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تفصیل بیان کرنے سے قبل ہم سے جدا نہ ہوتے۔ (۱) دادا کی وراثت کا مسئلہ (۲) کلالہ کی وراثت کا مسئلہ (۳) ربا کے بعض مسائل۔''

یہاں یہ امر بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ جس طرح سودی لین دین کی قدیم شکلیں حرام ہیں اسی طرح اس کے جدید صورتیں بھی حرام ہیں۔ لہٰذا ہر قسم کے انعامی بانڈز، ڈیفنس سرٹیفکیٹس، سیونگ سرٹیفکیٹس، پاکستان انویسٹمنٹ بانڈز اور کمرشل انشورنس کی تمام قسمیں ناجائز ہیں کیونکہ یہ سودی لین دین کے زمرے میں داخل ہیں۔

Marfat.com

غَرَرُ (uncertainty):

دوسرا اصول یہ ہے کہ معاملہ غرر پر مشتمل نہ ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

((النَّهي عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ فَهُوَ أَصْلٌ عَظِيمٌ مِنْ أُصُوْلِ كِتَابِ الْبُيُوْعِ)) [شرح نووی على مسلم : كتاب البيوع ،باب بطلان بيع الحصاة......]

''بیع غرر سے ممانعت کتاب البیوع کے اصول میں سے ایک عظیم اصول ہے۔''

اس اصول کی بنیاد وہ آیات ہیں جن میں باطل طریقے سے مال کھانے کی ممانعت ہے علامہ ابن العربی رحمہ اللہ باطل کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''اس میں خرید وفروخت کی وہ تمام صورتیں شامل ہیں جو شرعاً حلال نہیں اور مقصود کے لیے مفید نہیں ہیں کیونکہ شریعت نے ان سے منع کیا ہے اوران کے لین دین کو حرام قرار دیا ہے جیسے سود، غرر وغیرہ ہیں۔'' [احكام القرآن : ج ١ ص ١١١]

غرر کے متعلق ذیل کی احادیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْحَصَاةِ وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ)) [صحيح مسلم: كتاب البيوع، باب بطلان بيع الحصاة]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکری کی بیع اور بیع غرر سے منع فرمایا۔''

سعید بن مسیب رحمہ اللہ تابعی کہتے ہیں:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ)) [موطاامام مالك : كتاب البيوع، باب بيع الغرر]

''بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع غرر سے منع فرمایا۔''

Marfat.com

آخری روایت مرسل ہے جو سعید بن مسیّب رحمہ اللہ تابعی براہ راست نبی ﷺ سے نقل کر رہے ہیں جمہور کے نزدیک ایسی روایت کو دلیل بنانا درست نہیں لیکن چونکہ اوپر کی دو روایتیں اس کی تائید کر رہی ہیں اس لیے ہم نے اس کو بھی یہاں بیان کر دیا ہے۔

غرر کا معنی:

مذکورہ بالا روایات میں معاملے کے غرر سے پاک ہونے کو بطور ایک اصول کے بیان کیا گیا ہے احادیث میں جن بیوع کے نام لے کر منع کیا گیا ہے ان میں سے بیشتر کی وجہ غرر ہی ہے۔اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لغت اور علمائے حدیث وفقہ کے حوالے سے غرر کی حقیقت بھی واضح کر دی جائے۔

لغت میں غرر کا معنی دھوکہ دینا، غلط امید دلانا ہے:

جب مالی لین دین کا کوئی معاملہ اس طریقے سے کیا جائے کہ اس میں ابہام یا غیر یقینی کیفیت پائی جائے تو اُس کو شرعی اصطلاح میں غرر کہا جاتا ہے۔چنانچہ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ غرر کی تعریف میں رقم طراز ہیں:

((هُوَ مَا كَانَ لَه ظاهِرٌ يَغُرُّ الْمُشْتَرِىَ وبَاطِنٌ مَجْهُوْلٌ))

[النهاية: ج٣ص ٦٦١]

''جس کا ظاہر خریدار کو دھوکہ دے اور باطن معلوم نہ ہو۔''

المعجم الوسیط میں ہے:

((بيع الغرر بيع ما يجهله المتبايعان او مالا يتوثق بتسلمه))

''وہ بیع جس سے دونوں بیع کرنے والے ناواقف ہوں یا اس کے حوالے کرنے کا یقین نہ ہو، بیع غرر ہے۔''

ازہری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''بیع غرر میں وہ تمام بیوع داخل ہیں جن کی حقیقت سے بیع کرنے والے ناواقف ہوں۔'' [لسان العرب]

Marfat.com

علامہ عینی رحمہ اللہ ابن عرفہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

((الغرر هو ما كان ظاهره يغر و باطنه مجهول))[عمدة القارى شرح صحيح بخارى: ج١٧ص ٤٧١]

''جس کا ظاہر دھوکے میں مبتلا کرے مگر اس کا باطن معلوم نہ ہو۔''

نیز صاحب مشارق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''بیع غرر مخاطرہ کو کہتے ہیں بیع مخاطرہ وہ ہے جس میں قیمت یا چیز یا اس کا سلامت ہونا یا اس کی مدت واضح نہ ہو۔''

نامور محدث امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((كل بيع كا ن المقصود منه مجهو لا غير معلوم و معجوزاعنه غير مقدور عليه فهو غرر و ذلك مثل ان يبيعه سمكا فى الماء او طيرا فى الهواء لؤلؤا فى البحر او عبدا ابقا او جملا شاردا او ثوبا فى جراب لم يره ولم ينشره او طعاما فى بيت لم يفتحه او ولد بهيمة لم تولد او ثمر شجرة لم تثمروفى نحوها من الامور التى لاتعلم ولا يدرى هل تكون ام لا فان البيع فيها مفسوخ وانما نهى صلى الله عليه وسلم عن هذه البيوع تحصينا للاموال ان تضيع وقطعا للخصومة والنزاع ان يقعا بين الناس فيها وابواب الغرر كثيرة وجماعها ما دخل فى المقصود منه الجهل)) [معالم السنن: ج٣ص ٦٧٢]

''ہر وہ بیع جس میں مقصود مجہول، نامعلوم اور دائرہ قدرت سے باہر ہے وہ غرر ہے اس کی مثال پانی میں مچھلی، ہوا میں پرندے سمندر میں لؤلؤ، بھاگے ہوئے غلام، بپھرے ہوئے اونٹ، تھیلی میں بند کپڑے، جنہیں دیکھا نہ گیا ہو یا مقفل کمرے میں غلہ، جانور کا ایسا بچہ جو ابھی پیدا نہ ہوا ہو، درخت کے ایسے پھل جو ابھی وجود میں

Marfat.com

نہ آئے ہوں اور اس طرح کی دوسری چیزیں جو نا معلوم ہوتی ہیں اور جن کے متعلق یہ علم نہیں ہوتا کہ ہوں گی یا نہیں تو اس کی خرید وفروخت منع ہے۔ نبی ﷺ نے ایسی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے تا کہ لوگوں کے مال ضائع ہونے سے محفوظ رہیں اور لوگوں کے درمیان جھگڑا پیدا نہ ہو۔ غرر کے ابواب بہت زیادہ ہیں اور ان کے لب لباب یہ ہے کہ جہاں مقصود میں جہالت آجائے وہ غرر ہے۔''

امام نووی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

((وَيَدْخُلُ فِيهِ مَسَائِل كَثِيْرَة غَيْر مُنْحَصِرَة كَبَيْعِ الْآبِقِ وَالْمَعْدُوْم وَالْمَجْهُوْل وَمَا لَا يَقْدِر عَلَى تَسْلِيْمه وَمَا لَمْ يَتِمّ مِلْك الْبَائِع عَلَيْهِ وَبَيْع السَّمَك فِي الْمَاء الْكَثِيْر وَاللَّبَن فِي الضَّرْع وَبَيْع الْحَمْل فِي الْبَطْن وَبَيْع بَعْض الصُّبْرَة مُبْهَمًا وَبَيْع ثَوْب مِنْ أَثْوَاب وَشَاة مِنْ شِيَاه وَنَظَائِر ذَلِكَ ، وَكُلّ هَذَا بَيْعه بَاطِل لِأَنَّهُ غَرَر مِنْ غَيْر حَاجَة)) [شرح نووی علی مسلم: کتاب البیوع ،باب بطلان بیع الحصاۃ]

''اس بیع غرر میں بہت سے مسائل داخل ہیں جیسے بھاگے ہوئے غلام، معدوم ومجہول اور اس کی فروخت جس کو حوالے کرنے کی قدرت نہ ہو اور جس پر بیچنے والے کی ملکیت نہ ہو کثیر پانی میں مچھلی، جانور کے تھنوں میں دودھ، حمل، ڈھیر کے کچھ حصہ کی، مبہم کپڑوں میں سے کسی ایک کپڑے اور بکریوں میں سے کسی ایک بکری کی اور اس طرح کی دیگر چیزوں کی فروخت تو یہ سب باطل ہیں کیونکہ یہ ایسا غرر ہے جس کی ضرورت نہیں۔''

مزید لکھتے ہیں:

((وَاعْلَمْ أَنَّ بَيْع الْمُلَامَسَة وَبَيْع الْمُنَابَذَة وَبَيْع حَبَل الْحَبَلَة وَبَيْع الْحَصَاة وَعَسْب الْفَحْل وَأَشْبَاهِهَا مِنْ الْبُيُوْع الَّتِيْ جَاءَ فِيْهَا نُصُوْص

Marfat.com

خَاصَّة هِیَ دَاخِلَة فِی النَّهی عَنْ بَیْعِ الْغَرَرِ وَلٰکِنْ أُفْرِدَتْ بِالذِّکْرِ، وَنُهِیَ عَنْهَا لِکَوْنِهَا مِنْ بِیَاعَاتِ الْجَاهِلِیَّةِ الْمَشْهُوْرَةِ وَاللّٰه أَعْلَم))

[شرح نووی علی مسلم: کتاب البیوع ،باب بطلان بیع الحصاة]

''جان لو! بیع ملامسہ ،منابذہ ،حبل الحبلہ ،بیع حصاۃ ،عسب فحل اور اس طرح کی دوسری بیوع جن کے متعلق خاص نصوص وارد ہیں وہ بیع غرر کی ممانعت میں داخل ہیں لیکن اس کا الگ ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ جاہلیت کی مشہور بیوع میں سے ہیں۔''

شارح بخاری علامہ ابن بطال کہتے ہیں:

((وقد ذکرنا ان الغرر هو ما یجوز ان یوجد وان لا یوجد))

[شرح بخاری ابن بطال: ج ۱۱ ص ۲۸۲]

''ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ غرر وہ ہے جس کے ہونے اور نہ ہونے دونوں کا احتمال ہو۔''

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ غرر کی تشریح میں لکھتے ہیں:

((وهذا کبیع العبد الآبق الذی لا یقدر علیٰ تسلیمه والفرس الشارد والطیر فی الهواء...... ونحو ذلك مما لا یعلم حصوله او لا یقدر علی تسلیمه او لا یعرف حقیقته ومقداره ومنه بیع حبل الحبلة ...... ومنه بیع الملامسة والمنابذة)) [زاد المعاد ، بیع الغرر: ج ۵ ص ۷۲۵]

''اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کو حوالے نہ کیا جا سکتا ہو یا جس کی حقیقت اور مقدار معلوم نہ ہو وہ بیع غرر میں شامل ہے۔ بیع حبل الحبلہ ،ملامسہ ،منابذہ اسی نوعیت کی ہے۔''

امام الہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وهو الذی یتیقن انه موجود اولا))[حجة البالغة: ج ۲ ص ۱۹۴]

''جس کے ہونے یا نہ ہونے کا یقین نہ ہو۔''

شارح ترمذی علامہ مبارک پوری رحمہ اللہ غرر کی تشریح میں رقم طراز ہیں:

((مَا لَا یُعْلَمُ عَاقِبَتُهُ مِنَ الْخَطَرِ الَّذِیْ لَا یُدْرَی أَیَکُوْنُ أَمْ

Marfat.com

لَا كَبَيْعِ الْآبِقِ وَالطَّيْرِ فِي الْهَوَاءِ وَالسَّمَكِ فِي الْمَاءِ، وَالْغَائِبِ الْمَجْهُوْلِ وَمُجْمَلُهُ أَنْ يَكُوْنَ الْمَعْقُوْدُ عَلَيْهِ مَجْهُوْلًا أَوْ مَعْجُوْزًا عَنْهُ))[تحفة الاحوذی: ابواب البیوع،باب ماجاء فی کراهیة بیع الغرر]

''اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں مقصود معلوم نہ ہو یا حوالے نہ کیا جا سکتا ہو تو وہ غرر ہے۔''

مذکورہ بالا تفصیل سے تین باتیں واضح ہوتیں ہیں:

۱۔ پہلی بات تو یہ ثابت ہوتی ہے کہ لغت میں علمائے حدیث وفقہ کے ہاں غرر کا لفظ بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ایک حدیث میں پانی میں مچھلی کی بیع کو بھی غرر قرار دیا گیا ہے۔

((لاتشتروا السمك فی الماء فانه غرر)) [مسند احمد]

''پانی میں موجود مچھلی نہ خریدو کیونکہ یہ غرر ہے۔''

۲۔ دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ جو چیز خریدار کے حوالے نہ کی جا سکتی ہو یا جس مالی سودے میں ابہام یا غیر یقینی کیفیت پائی جائے اس کا لین دین درست نہیں۔خواہ ابہام خود اس چیز میں ہو یا اس کی جنس،نوع،صنف،مقدار، قیمت،مدت عقد کے الفاظ میں۔

بیع کی درج ذیل اقسام اس ابہام کی وجہ سے ہی ناجائز ہیں۔

- بیعتین فی بیعة :ایک بیع میں دو بیعیں یعنی فروخت کرنے والا یہ کہے:''یہ چیز نقد سو کی اور ادھار ایک سو دس کی بشرطیکہ کسی ایک قیمت کا تعین نہ ہو۔''اس صورت میں چونکہ قیمت مبہم رہتی اس لیے یہ ناجائز ہے۔
- بیع الحصاة :یہ کہنا کہ:''میں یہ کنکری پھینکتا ہوں یہ جس کپڑے پر پڑے میں وہ کپڑا آپ کو اتنے کا فروخت کرتا ہوں یا یہ کہنا کہ یہ کنکری یہاں سے جہاں تک جائے وہ زمین اتنی قیمت میں فروخت کرتا ہوں۔''یہاں چونکہ کپڑا اور زمین مبہم ہے اس لیے شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔
- بیع مُلامَسَه : صرف خریدار کے چیز کو ہاتھ لگانے سے بیع مکمل ہو جائے دیکھنے کی اجازت نہ ہو۔اس صورت میں فروخت کی جانے والی چیز کی صفات مبہم ہوتی ہیں

اس لیے یہ بھی ممنوع ہے۔

❁ بیع مُنابَذَہ: فریقین میں سے ہر ایک اپنی اپنی چیز پھینکے اور یہ پھینکنا ہی فروخت قرار پائے۔

❁ بیع مُعَلَّق (Contingent Sale) اس میں ملکیت کا ثبوت کسی ایسے واقعہ سے جوڑا گیا ہو جس کے ہونے اور نہ ہونے دونوں کا احتمال ہو۔ اس صورت میں چونکہ بیع غیر یقینی ہوتا ہے اس لیے یہ درست نہیں۔ قمار، لاٹری، اور انشورنس اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔

۳۔ اس تفصیل سے تیسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ تجارت کی نہ معلوم تمام اقسام غرر میں شامل ہیں البتہ بعض علماء جہالت کو غرر سے الگ بھی قرار دیتے ہیں۔

غرر کا دائرہ:

حدیث اور فقہاء کے کلام میں جہاں غرر کی ممانعت آئی ہے وہ اگر چہ خرید و فروخت کے متعلق ہے لیکن فقہاء نے دوسرے مالی معاملات (از قسم معاوضات) کو بھی اس پر قیاس کر کے ان کے غرر سے پاک ہونے کی شرط لگائی ہے۔

مشکوک معاملات سے بھی پرہیز ضروری ہے:

مزید برآں ان معاملات سے بھی بچنے کا حکم ہے جو شریعت کے ایک اصول کی روشنی میں تو جائز مگر کسی دوسرے اصول کی روشنی میں ناجائز ہوتے ہیں۔ اس موضوع کی بعض احادیث ملاحظہ ہوں۔

❁ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

((اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ ، وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ ، فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ ، وَمَنْ

Marfat.com

وَقَعَ فِی الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى ، يُوْشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ))

[صحيح البخاری: كتاب الايمان،باب فضل من استبر ء لدينه]

''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنا دین اور عزت بچالی۔ اور جو شبہات میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو (شاہی) چراگاہ کے قریب اپنے جانور چراتا ہے، قریب ہے جانور اس میں داخل ہو جائیں۔''

❁ حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتَّى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَذَرًا لِمَا بِهِ الْبَأْسُ)) [سنن ترمذی: باب لا يبلغ العبد أن]

''بندہ اس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جب تک حرج والی چیزوں کے خوف سے وہ چیزیں بھی نہ چھوڑ دے جن میں کوئی حرج نہیں۔''

یہ دونوں احادیث اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ صریح حرام کے علاوہ مشتبہ معاملات سے بھی اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح حرام میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا۔ اور یہی تقوی کا تقاضا ہے۔

خلاصہ

❁ جس چیز سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہ ہو یا انسان کی ملکیت و قبضہ میں نہ ہو اس کی خرید و فروخت کرنا جائز نہیں۔

❁ خرید و فروخت کی جس صورت میں سود اور غرر کی آمیزش ہو یا ایک ہی معاملہ میں دو مختلف معاملے جمع ہو رہے ہوں یا شرط فاسد یا دو شرطیں پائی جا رہی ہوں وہ جائز نہیں ہوگی۔

❁ تقوی کا تقاضا یہ ہے کہ مشتبہ معاملات سے بھی بچا جائے۔

❁❁❁

Marfat.com

باب سوم

مروجہ معاملات کی تفصیل

جب ہم پیچھے بیان کردہ اصول کی روشنی میں دورِ حاضر کے مالی معاملات کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کے جواز یا عدم جواز میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ ذیل میں ہم بعض معاملات کا ذکر کرتے ہیں۔

کریڈٹ کارڈ:

ان میں سرفہرست کریڈٹ کارڈ کا استعمال ہے جو عصر حاضر میں ایسی کرنسی کا روپ دھار چکا ہے جو پوری دنیا میں یکساں طور پر استعمال ہو سکتی ہے۔

کریڈٹ کارڈ کی حقیقت:

کریڈٹ کارڈ کو عربی میں ''بطاقة الائتمان'' کہا جاتا ہے۔ جس کا لغوی معنی ہے ''اعتبار، اعتماد اور قرض کا کارڈ'' جدید معاشی ماہرین کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ مخصوص کارڈ ہے جو کسی بینک یا مالیاتی ادارے کی جانب سے کسی شخص یا ادارے کے نام جاری کیا جاتا ہے تا کہ وہ اس کے ذریعے ضروریات زندگی خرید یا نقد رقم بطور قرض حاصل کر سکے۔ اس پر حامل کا نام، تاریخ اجراء واختتام اور کارڈ کا نمبر وغیرہ لکھا ہوتا ہے۔ اور یہ ایسے سائز اور میٹریل کا ہوتا ہے جو آسانی سے جیب میں رکھا جا سکتا ہے۔ جب حامل اس کے ذریعے خریداری کرتا ہے تو اس کا بل خریدار کی بجائے کارڈ جاری کرنے والا ادارہ کرتا ہے۔ جو بعد میں اس سے وصول یا اس کے اکاؤنٹ سے منہا کر لیا جاتا ہے۔ اگر حامل معینہ مدت کے اندر ادائیگی نہ کر سکے تو اس پر سود وصول کیا جاتا ہے۔ جس کا تعین واجب الاداء رقم کے حساب سے کیا جاتا ہے اور اس کی شرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔

Marfat.com

کریڈٹ کارڈ کی تاریخ:

بیسویں صدی کا آغاز کریڈٹ کارڈ کا ابتدائی دور ہے۔کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے کریڈٹ کارڈ کا استعمال ۱۹۱۴ء میں امریکہ میں کیا گیا جو مختلف برانچز (Branches) رکھنے والے ہوٹل اور تیل کمپنیوں نے اپنے گاہکوں کو استعمال کے لیے دیا۔[البطاقات الدائنية للدكتور محمد بن سعود العصيمی: ص٢٦]

لیکن اس کا زیادہ استعمال دوسری جنگ عظیم کے بعد اس وقت بڑھا جب مختلف مالیاتی اداروں نے اس کو جاری کرنا شروع کیا۔

۱۹۴۷ء میں The Flat Bus National Bank پہلا بینک ہے جس نے یہ کارڈ جاری کیا۔۱۹۵۱ء میں Dinners Club نے پہلا عالم گیر سطح کا کارڈ جاری کیا جو نیویارک میں ہوٹلوں اور دوسرے کاروباری مقامات پر یکساں استعمال ہونے لگا اس کے بعد امریکن ایکسپریس اور Blannch Carte کارڈ سامنے آیا۔[الخدمات المصرفية للدكتور علاء الدين الزعترى :ص٥٥٩،٥٦٩]

۱۹۵۸ء میں بینک آف امریکا نے کیلفورنیا میں Bank Americarad کے نام تبدیل کر کے Viza Card رکھ دیا گیا اور اس کے تحت جاری ہونے والے کارڈ کو ویزا کہا جانے لگا جو اس وقت سب سے مشہور کارڈ شمار ہوتا ہے۔اس کے بعد جو کارڈ زیادہ تیزی سے پھیلا وہ ماسٹر کارڈ ہے ان کے علاوہ دیگر کارڈ بھی زیر گردش ہیں مگر زیادہ معروف اور زیر استعمال یہی دو ہیں۔

اسلامی ممالک میں اس کا استعمال بیسویں صدی کے آخر میں یعنی ۱۹۹۰ء کے بعد شروع ہوا۔اس کی بڑھتی ہوئی مانگ کو دیکھتے ہوئے چھوٹے بینک بڑے بینکوں سے تعلقات استوار کرنے لگے تا کہ اس کے استعمال کو وسعت دی جا سکے۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں سود کا عنصر ۱۹۷۰ء میں داخل کیا گیا۔اس سے پہلے صرف سروس چارجز

Marfat.com

(Service Charges) کے نام پر سالانہ فیس وصول کی جاتی تھی۔

کارڈز کی مختلف قسمیں:

مختلف مالیاتی ادارے اور کمپنیاں اپنے صارفین کی سہولت کے لیے جو کارڈز جاری کرتیں ہیں مختلف اعتبار سے ان کی مختلف قسمیں ہیں لیکن بنیادی قسمیں دو ہی ہیں۔

۱۔ سودی

۲۔ غیر سودی

(۱) سودی:

جن پر تاخیر کی صورت میں جرمانہ عائد ہوتا ہے عام کریڈٹ کارڈ اور چارج کارڈ اسی قسم سے ہیں۔ چارج کارڈ کو عربی میں ''بطاقة الائتمان العادية'' یا ''بطاقة الخصم الشهری'' کہا جاتا ہے اس کارڈ اور کریڈٹ کارڈ میں فرق ہے وہ یہ کہ چارج کارڈ میں مقررہ مدت کے اندر مکمل ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ قسط کی سہولت نہیں ہوتی تاخیر کی صورت میں جرمانہ وصول کرنے کے علاوہ کارڈ بھی منسوخ کر دیا جاتا ہے جبکہ کریڈٹ کارڈ میں پوری رقم یک مشت واپس کرنا ضروری نہیں ہوتی قسط کی سہولت بھی ہوتی ہے تاہم اس پر سود ادائیگی لازم ہوتی ہے۔

(۲) غیر سودی:

اس سے مراد "Debit Card" ہے یہ کارڈ صرف اس کو جاری کیا جاتا ہے جس کا اس بینک میں جس سے کارڈ لیا جا رہا ہے بیلنس موجود ہو۔ جب اس کارڈ کے ذریعے خریداری کی جاتی ہے تو اس کے اکاؤنٹ سے اتنی رقم از خود متعلقہ تاجر کے کھاتے میں منتقل ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کارڈ کا حامل اصل میں اپنی رقم ہی استعمال کرتا ہے بینک صرف اس پر سروس چارجز وصول کرتا ہے۔ ڈیبٹ کارڈ کا حامل اپنے بیلنس سے زائد خریداری نہیں کر سکتا الا کہ بینک کی طرف سے پیشگی اجازت ہو۔ یہ کارڈ عموماً ملک کے اندر ہی استعمال ہوتا ہے۔ اس میں ادائیگی میں تاخیر اور جرمانہ کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

Marfat.com

کارڈز کے فوائد:

کارڈز میں تین فریق ہوتے ہیں:

۱۔ مالیاتی ادارہ یا بینک جو کارڈ جاری کرتا ہے

۲۔ خریداری کے وہ مراکز جہاں کارڈ قبول کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کارڈ ہولڈر

کارڈ کے استعمال سے تینوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

بینک کو حاصل ہونے والے فوائد:

❁ ممبر شپ فیس: بینکوں کے درمیان سخت مسابقت اور مقابلے کی وجہ سے بعض بینک یہ فیس وصول نہیں کرتے اور مفت کریڈٹ کارڈ فراہم کرتے ہیں۔

❁ سالانہ فیس: جسے بینک کی طرف سے Service Charges کا نام دیا جاتا ہے۔

❁ تاجر سے وصول ہونے والا کمیشن۔

❁ کارڈ گم یا چوری ہو جائے تو نیا کارڈ جاری کرنے کی فیس۔

❁ ادائیگی میں تاخیر کی بنا پر کارڈ ہولڈر سے وصول کی جانے والی اضافی رقم۔

تاجر کا فائدہ:

❁ تجارت کا فروغ: کیونکہ کارڈ ہولڈر خرایدری کے لیے انہی مراکز کا رخ کرتے ہیں جو کارڈ قبول کرتے ہیں۔

❁ رقم کی وصولی کا اطمینان۔

کارڈ ہولڈر کو پہنچنے والے فوائد:

❁ رقم جیب میں لے کر گھومنے کی ضرورت نہیں رہتی۔اس طرح رقم چوری ہونے یا ضائع ہونے کا خطرہ نہیں ہوتا، کارڈ گم یا چوری ہونے کی صورت میں بینک کو اطلاع کر دی جائے تو کوئی دوسرا استعمال نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

- ادائیگی میں آسانی: ایک ماہ سے لے کر ڈیڑھ ماہ تک مہلت مل جاتی ہے۔
- اگر کارڈ کے ذریعے سفری ٹکٹ خریدا گیا ہو تو حادثے کی صورت میں انشورنس کی سہولت۔

کارڈز کے نقصانات:

کارڈز کے کچھ نقصانات بھی ہیں جو صرف کارڈ ہولڈر کے حصہ میں آتے ہیں۔

- اکثر لوگ بغیر سوچے سمجھے ایسی چیزیں خرید لیتے ہیں جن کی فوری ضرورت نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی آئندہ کچھ عرصہ کے لیے خریدنے کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اس طرح بچت کی عادت ختم ہو جاتی ہے اور لوگ قرض تلے دب جاتے ہیں چنانچہ مجموعی لحاظ سے معیشت پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق امریکی اور یورپی عوام میں شائد ہی کوئی ایسا شہری ہو جس نے بینکوں کی قسطیں ادا نہ کرنی ہوں۔ کریڈٹ کارڈ نے ان ترقی یافتہ اقوام کو مقروض اقوام میں بدل دیا ہے۔
- حامل کارڈ کی خاصی رقم فیس کی نذر ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں ''سٹینڈرڈ چارٹرڈ بینک'' نے ''گولڈن ماسٹر کریڈٹ کارڈ'' کی سالانہ فیس ۴۰۰۰ روپے رکھی ہے۔
- اصل میں یہ ایک سودی معاہدہ ہوتا ہے۔ جس میں شامل ہونا ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں۔
- جن مراکز سے کریڈٹ کارڈ کے ذریعے خریداری کی جاتی ہے وہ عموماً دوسرے کاروباری مراکز سے مہنگے ہوتے ہیں۔

کریڈٹ اور چارج کارڈز کا شرعی حکم:

اگر کریڈٹ اور چارج کارڈز کی حقیقت پر غور کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں درحقیقت قرض کے کارڈز ہیں، کریڈٹ کارڈ میں طویل مدت کا قرض ہے جبکہ چارج

Marfat.com

کارڈ مختصر مدت کا قرض ہوتا ہے۔ چونکہ ان میں تاخیر پر جرمانہ وصول کیا جاتا ہے جو زمانہ جاہلیت کے سود ''اما ان تقفی واما ان تربی'' کے مشابہ ہے۔ جس سے قرآن نے سختی سے روکا ہے۔ لہٰذا ان کا استعمال شرعاً جائز نہیں ہے۔

علامہ بکر بن عبداللہ ابوزید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((ان بطاقة الائتمان بوضعها العام المعروف عالميا والمحتوية على شروط ومواصفات قطعية التحريم، مثل: غرامات التاخير والخصم الذى يقتصه البنك..... المصدر لها..... من فاتورة التاجر الموقعة من العميل، وتوفير قدر من المنافع لحاملها كالتخفيص، والخدمات الاخرى، هذه ((البطاقة الائتمائنية)) محرما شرعا)) [بطاقة الائتمان : ص ٥٦]

''بلاشبہ وہ کریڈٹ کارڈ جو عام صورت میں عالمی سطح پر معروف ہے اور جو قطعی حرام شروط اور صفات پر مشتمل ہوتا ہے مثلاً ادائیگی کی تاخیر پر جرمانہ اور وہ کٹوتی جو کارڈ جاری کرنے والا بینک تاجر کے بل جس پر کارڈ ہولڈر کے دستخط ہوتے ہیں سے کرتا ہے اور وہ فوائد جو حامل کو ملتے ہیں جیسے ڈسکاؤنٹ وغیرہ یہ کارڈ شرعی طور پر حرام ہے۔''

بعض علماء کی رائے میں اگر یہ اطمینان کر لیا جائے کہ مقررہ مدت میں ادائیگی کر دی جائے گی تو اس کے استعمال میں کوئی خرابی نہیں۔ لیکن بعض دوسرے علماء کے خیال میں یہ سودی معاہدہ ہے جس کا حصہ بننا جائز نہیں۔

ڈیبٹ کارڈ (Debit Card) کا استعمال جائز ہے:

ڈیبٹ کارڈ کو عربی میں ''بطاقة الحسم الفورى'' کہا جاتا ہے۔ اس میں چونکہ کارڈ ہولڈر اپنا بیلنس ہی استعمال کرتا ہے اس وجہ سے جرمانے کا اندیشہ نہیں ہوتا لہٰذا اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔

چنانچہ علامہ بکر بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

((ان کل بطاقة لها غطاء کامل من مال حاملها فلاتسمح بالسحب الفوری، ولا التحویل الآلی الا علی حسابه،ورصیده لدی مصدرها،فهی بهذا الوصف جاریة علی الاصل الشرعی:الحل والجواز)) [بطاقة الائتمان:ص ٥٥]

''ہر وہ کارڈ جس کے پیچھے کارڈ ہولڈر کی رقم بینک میں موجود ہو وہ جب بھی رقم نکالے یا خرچ کرے وہ اس کے اپنے کھاتے ہی سے ہوتو یہ شرعی اصول (معاملات میں اصل جواز ہے) کے مطابق جائز ہے۔''

بعض علماء کے نزدیک جب کوئی شخص ڈیبٹ کارڈ کے ذریعے خریداری کرتا ہے تو وہ دُکاندار کو بینک کے حوالے کرتا ہے کہ آپ یہ بل مجھ سے وصول کرنے کی بجائے بینک سے وصول پالیں۔اصطلاح میں اس کو حوالہ کہا جاتا ہے جو جائز ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((اذا اتبع احدکم علی ملی فلیتبع)) [صحیح البخاری کتاب الحوالة]

''جب تم میں سے کسی کو مالدار کے حوالہ کیا جائے تو وہ حوالے ہو جائے''

تاہم بینک کا تاجر سے کمیشن لینا محل نظر ہے۔بظاہر یہ ڈسکاؤنٹ بل آف ایکسچینج کے مشابہ ہے کیونکہ بینک تاجر کو کٹوتی کے بعد ادائیگی کرتا ہے یعنی کارڈ ہولڈر سے زیادہ وصول کرتا ہے مگر تاجر کو کم ادا کرتا ہے یہی سود ہے۔بعض حضرات اس کمیشن کو دلالی کی اجرت قرار دیتے ہیں لیکن یہ درست نہیں۔کیونکہ دلالی کا تصور اس سے مختلف ہے۔دلال کسٹمر کو قائل کرتا ہے بینک یہ کام نہیں کرتا۔

انشورنس (التامین):

عصر حاضر میں جو معاملات کثرت سے رائج ہیں ان میں انشورنس بھی ہے جو انسانی معاشرے کو اس طرح اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے کہ بعض دفعہ انسان نہ چاہتے ہوئے بھی قانوناً اس پر مجبور ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

انشورنس کی ابتدا:

انشورنس اگرچہ اپنی سادہ شکل میں صدیوں سے رائج ہے لیکن اس نے ایک مضبوط نظام کی صورت انیسویں صدی عیسوی میں اختیار کی۔ اس کے بعد بیسویں صدی اس کی ترقی کا دور ہے جس میں اس کی مروجہ صورتیں سامنے آئیں، ذیل میں ہم اس کے ارتقائی دور کا مختصر خاکہ بیان کرتے ہیں۔

- کہا جاتا ہے کہ اس کا ابتدائی تصور بارہویں صدی عیسوی کے آخر میں Bottomry (بحری جہاز پر قرض کا معاہدہ) کے نام سے سامنے آیا، جس کی صورت یہ تھی کہ تاجر کشتی کے مالک کو بحری سفر پر آمادہ کرنے کے لیے اتنا قرض دیتا جو کشتی اور اس پر موجود سامان کی قیمت کے برابر ہوتا۔ اگر کشتی بندرگاہ پر باحفاظت پہنچنے میں کامیاب ہو جاتی تو کشتی کا مالک وہ رقم اضافے کے ساتھ واپس کرتا لیکن اگر سمندر میں غرق ہو جاتی تو تاجر کا قرض رائیگاں ہو جاتا۔
- بحری انشورنس کی پہلی باقاعدہ دستاویز ۲۳ اکتوبر ۱۳۴۷ء میں اٹلی میں لکھی گئی۔
- چودھویں صدی عیسوی کے آخر میں جب اٹلی اور بحر روم کے ساحلی ممالک کے درمیان تجارت کو فروغ ملا تو انشورنس میں بھی وسعت پیدا ہوئی۔
- بری انشورنس کی ابتدا سترھویں صدی عیسوی میں لندن سے ہوئی۔ جس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۶۶۶ء میں لندن میں ایک خوف ناک آگ بھڑک اٹھی، جس سے تیرہ ہزار سے زائد مکانات، سو کے قریب گرجا گھر، بہت سی دُکانیں اور فیکٹریاں جل کر راکھ ہو گئیں۔ مستقبل میں ناگہانی نقصانات سے بچنے کی سوچ نے لوگوں کو انشورنس کی راہ دکھائی، وہ یہودی ساہوکار جو اٹلی سے نکلنے کے بعد لندن کو اپنا مرکز بنائے ہوئے تھے انہوں نے اس واقعے کو غنیمت جانا اور لوگوں کو آتشزدگی سے پہنچنے والے نقصان کا ازالہ کرنے کے لیے انشورنس کی ترغیبات دینا شروع کیں اس طرح اس کی متعدد صورتیں سامنے آئیں۔

- اٹھارویں صدی عیسوی میں انشورنس کا کاروبار پورے یورپ اور امریکی ریاستوں میں پھیل چکا تھا۔
- انیسویں صدی صنعتی ترقی کا دور ہے، اس میں انشورنس کی ایک نئی قسم ''تھرڈ پارٹی انشورنس'' (تامين ضد المسئولية) سامنے آئی۔
- اس کے بعد Mutual (التامين التبادلی) اور گڈز انشورنس متعارف ہوئیں۔
- انیسویں صدی کا آخر لائف انشورنس (تامين الحياة) کے متعارف ہونے کا زمانہ ہے۔
- اسلامی ممالک انیسوی صدی میں یورپی تاجروں کے توسط سے اس سے آشنا ہوئے، شام کے فقیہ علامہ ابن عابدین شامی پہلے عالم ہیں جنہوں نے ''سوکرہ'' کے نام سے اس کا ذکر کیا۔
- بعض مفکرین اس کا ابتدائی دور ۹۱۶ ق م بیان کرتے ہیں، جب روڈس (جزیرہ یونان) میں بحری تاجروں کے نقصان کی تقسیم کا نظام وضع کیا گیا۔
- بعض مفکرین کی رائے میں اس فکر کا بانی رومن ایمپائیر ہے، جس نے اپنی بحری فوجی قوت کو مضبوط کرنے کے لیے اسلحے کے تاجروں سے یہ وعدہ کیا کہ نقصان کی صورت میں حکومت تلافی کرے گی لیکن یہ درست نہیں، کیونکہ اس صورت میں تاجر سے کچھ وصول نہیں کیا جاتا، حکومت کی طرف سے جو کچھ دیا جاتا تھا وہ یک طرفہ ہوتا تھا۔ انشورنس میں یہ بات نہیں ہوتی۔ اس لیے اسے انشورنس کی بجائے ضمان کہنا چاہیے۔

انشورنس کا مفہوم:

انشورنس انگریزی زبان کے لفظ Insure سے ہے جو وثوق دلانے اور ضمانت کے معنی میں آتا ہے۔ انشورنس کا اطلاق ایسے معاملے پر ہوتا ہے جس میں کوئی شخص یا ادارہ

Marfat.com

دوسرے شخص کو یہ ضمانت دیتا ہے کہ مستقبل میں پیش آنے والے فلاں ممکنہ خطرات کے نقصان کی تلافی وہ کرے گا۔ چنانچہ اس شرط پر دوسرا شخص ایک معینہ مدت تک ایک مقرر رقم اقساط کی صورت میں ادا کرتا ہے۔ عربی میں انشورنس کے لیے ''تامین'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے جو ''امن'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی طمانیت قلب اور خطرے سے محفوظ رہنا ہے، انشورنس کے ذریعے بھی انسان مستقبل کے خطرات سے محفوظ رہتا ہے، اس لیے اسے تامین کہتے ہیں۔

انشورنس کی قسمیں:

منتظم اداروں کے لحاظ سے اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) گروپ انشورنس:

حکومت ملازمین کی فلاح و بہبود کے لیے ایک پالیسی ترتیب دیتی ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ملازمین کی تنخواہ سے قانوناً کچھ رقم ہر ماہ ادائیگی سے قبل ہی وضع کر لی جاتی ہے جو ایک فنڈ میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ ملازم کی ریٹائرمنٹ، انتقال یا حادثے کی صورت میں خود ملازم یا اس کے ورثاء کو اضافے کے ساتھ واپس کر دی جاتی ہے پھر آگے اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ انشورنس کی یہ صورت غیر اختیاری ہے جس سے قانونی مجبوری کی وجہ سے بچنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے اس لیے اس پر اتفاق ہے کہ اس قسم کی انشورنس کرانے کی صورت میں انسان عند اللہ بری ہوگا البتہ اضافی رقم کے متعلق دو نقطہ نظر ہیں۔

- اکثر علماء کے خیال میں اس سے حکومت کا مقصد نفع کمانا نہیں بلکہ ملازمین سے تعاون ہوتا ہے اور حکومت کی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ ملازمین کی ضروریات کا خیال رکھے، اس لیے اضافی رقم وصول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔
- دوسری رائے یہ ہے کہ اضافی رقم ذاتی استعمال میں نہ لائی جائے بلکہ غرباء اور مساکین پر خرچ کر دی جائے۔

Marfat.com

(۲) میوچل انشورنس:

اس کا انتظام امداد باہمی کی تنظیمیں کرتی ہیں۔اس کا مقصد نقصان کی صورت میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا ہے نہ کہ تجارت اور دوسروں کے مال سے حصول نفع۔اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی ادارے، جماعت یا قبیلے کے لوگ باہم مل کر ایک فنڈ تشکیل دیتے ہیں اور کسی رکن کو حادثہ پیش آنے کی صورت میں اس فنڈ سے اس کی مدد کی جاتی ہے۔اگر فنڈ میں جمع شدہ رقم کم پڑ جائے تو اراکین سے مزید وصول کی جاتی ہے اور اگر بچ جائے تو آئندہ سال کے لیے جمع کر لی جاتی ہے۔اس کی بنیاد سراسر تعاون پر ہے جس میں کوئی شرعی قباحت نہیں پائی جاتی۔اس لیے انشورنس کی یہ قسم جائز اور مباح ہے۔

(۳) کمرشل انشورنس:

انشورنس کی اس قسم کا انتظام کاروباری کمپنیاں کرتی ہیں جن کے پیش نظر لوگوں سے مالی تعاون کی بجائے مال کمانا ہوتا ہے۔اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ بیمہ ہولڈر کمپنی کو ایک متعین رقم اقساط کی صورت میں مخصوص مدت تک ادا کرتا ہے اس کے عوض بیمہ کمپنی اسے یہ یقین دہانی کرواتی ہے کہ کمپنی اس کے فلاں نوعیت کے نقصان کی تلافی کرے گی، انشورنس کی یہ قسم بطور کاروبار اختیار کی جاتی ہے،اس لیے اسے کمرشل انشورنس کہا جاتا ہے۔

جب انشورنس کا لفظ بغیر کسی اضافی قید کے ذکر کیا جائے تو اس سے یہی قسم مراد ہوتی ہے اور محل نزاع بھی یہی ہے۔اس کی مزید بے شمار قسمیں ہیں اگر ان سب کو مختصراً بیان کیا جائے تو بنیادی طور پر ان کی تین قسمیں بنتی ہیں۔

لائف انشورنس:

انشورنس کمپنی کسی شخص سے یہ معاہدہ کرتی ہے کہ وہ ایک مقرر رقم اقساط کی صورت میں کمپنی کو ادا کرے گا۔اگر معینہ مدت میں اس شخص کا طبعی یا حادثے میں انتقال ہو گیا تو کمپنی طے شدہ رقم اس کے ورثاء کو ادا کرے گی۔اگر وہ شخص معینہ مدت تک زندہ رہے تو

ادا شدہ رقم مع اضافہ کے ساتھ واپس مل جاتی ہے۔اس کی بعض صورتوں میں مدت کا تعین ہوتا ہے اور بعض میں نہیں۔

گڈز انشورنس:

انشورنس کی اس قسم کا مقصد ممکنہ نقصان کے ازالہ کی ضمانت حاصل کرنا ہوتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص معینہ مدت کے لیے مقررہ رقم قسطوں میں کمپنی کو ادا کرتا ہے انشورنس کمپنی اس کو یقین دلاتی ہے کہ اگر حادثے کی وجہ سے انشورنس کروائی گئی چیز کا نقصان ہو گیا تو اس کی تلافی وہ کرے گی بصورت دیگر ادا شدہ رقم واپس نہیں ہوگی۔

انشورنس کی ان دو قسموں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ پہلی میں معینہ مدت میں وفات نہ ہونے پر ادا شدہ رقم اضافے کے ساتھ مل جاتی تھی دوسری صورت میں رقم واپس نہیں ہوتی۔

تھرڈ پارٹی انشورنس:

انسان اپنی غلطی، غفلت یا سستی کی وجہ سے دوسرے شخص کو پہنچنے والے نقصان کی ذمہ داری سے بچنے کے لیے جو انشورنس کرواتا ہے اسے تھرڈ پارٹی انشورنس کہتے ہیں۔مثلاً اس غرض سے گاڑی انشورنس کروانا کہ گاڑی سے نقصان کی صورت میں مالک کی بجائے انشورنس کمپنی اس کا ازالہ کرے۔

کمرشل انشورنس کا شرعی حکم:

درج ذیل خرابیوں کی بنا پر کمرشل انشورنس کی تمام شکلیں ممنوع ہیں۔

- ان میں ربا کی دونوں قسمیں ربا النسیئۃ اور ربا الفضل پائی جاتی ہیں کیونکہ انشورنس ہولڈر نے کمپنی کو متعین رقم اس شرط پر ادا کرنا ہوتی ہے کہ حادثے کی صورت میں کمپنی اس کو طے شدہ رقم ادا کرے گی، وہ رقم یا تو اس کی ادا کی ہوئی رقم سے زیادہ ہوگی یا کم۔اگر زیادہ ہوگی تو اس میں ربا النسیئۃ اور ربا الفضل دونوں کی آمیزش ہوگی اور یہ دونوں حرام ہیں، کم ہونے کی صورت میں ربا النسیئۃ کا معاملہ

Marfat.com

قرار پائے گا۔

- یہ غرر پر مشتمل ہے کیونکہ اس میں ادائیگی ایک ایسے واقعہ پر موقوف ہوتی ہے۔ جس میں دونوں احتمال پائے جاتے ہیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بیمہ ہولڈر نے ابھی کچھ قسطیں ہی ادا کی ہوں اور واقعہ پیش آجائے اس پر کمپنی کے ذمہ مکمل ادائیگی آجائے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ واقعہ پیش نہ آئے اور اس کی تمام اقساط بغیر معاوضے کے کمپنی کے کھاتے میں چلی جائیں۔
- شرعی طور پر کسی پر ضمان لازم ہونے کی ایک ہی صورت ہے نقصان براہ راست اس نے کیا ہو یا کم از کم اس نقصان کا سبب بنا ہو، یہاں نہ تو انشورنس کمپنی نے نقصان کیا ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اس کا سبب ہوتی ہے۔ لہٰذا اس پر ضمان لازم کرنا شرعاً جائز نہیں ،اس کو ''عقد موالات'' پر قیاس کرنا ''قیاس مع الفارق'' ہے۔
- ایک تو اس لیے کہ عقد موالات میں بنیادی شرط یہ ہے کہ عاقد کا کوئی وارث زندہ نہ ہو، اگر کوئی وارث ہو تو یہ باطل قرار پاتا ہے۔
- دوسرا اس لیے کہ انشورنس کا مقصد مادی فائدہ کا حصول ہے جس میں ربا اور غرر کی آمیزش ہے۔ جب کہ عقد موالات میں ہر طرح کے حالات میں تعاون مقصود ہوتا ہے۔
- تیسرا اس لیے کہ فقہاء کے ایک طبقہ کی رائے میں عقد موالات کا حکم اب باقی نہیں رہا بلکہ منسوخ ہو چکا ہے۔

لیزنگ:

مروجہ جدید مالی معاملات میں سے ایک لیزنگ بھی ہے لیز اصل میں عربی کے لفظ الاجارۃ کا ترجمہ ہے جو شرعی اصطلاح ہے لیکن مروجہ لیزنگ شرعی اجارہ سے مختلف ہے۔ شرعی اجارہ کا مفہوم تو صرف اتنا ہے۔

Marfat.com

((بیع منفعة معلومة باجر معلوم))[عمدة القاری شرح صحیح بخاری: ج ۱۸، ص ۲۵۱]

''طے شدہ اجرت کے بدلے طے شدہ منفعت (حق استعمال) فروخت کرنا۔''

اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ معاوضے کے بدلے کسی شخص (انجینئر وغیرہ) کی خدمات حاصل کرنا۔

۲۔ اپنی ذاتی چیز جیسے گاڑی یا مکان کا حقِ استعمال کسی دوسرے کی طرف منتقل کرنا اور اس کے عوض کرایہ وصول کرنا۔

جب لیزنگ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اقتصادی ماہرین کے نزدیک اس سے عموماً اجارہ کی یہ آخری قسم ہی مراد ہوتی ہے۔

صحیح بخاری میں اجارہ کے عنوان کے تحت دونوں قسموں کا بیان ہے اجارہ کی اس قسم میں چونکہ چیز اصل مالک کی ملکیت ہی ہوتی ہے کرایہ دار صرف اس سے فائدا ٹھاتا ہے۔ لہٰذا ملکیتی اخراجات کرایہ دار کے ذمے ہوں گے۔ مثلاً مکان کرائے پر دیا گیا ہے تو اس کا پراپرٹی ٹیکس مالک ادا کرے گا لیکن بجلی، گیس اور پانی کا بل کرایہ دار کے ذمہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کرایہ پر دی گئی چیز کا ایسا نقصان ہو جائے جس میں کرایہ دار کی غلطی، غفلت یا کوتاہی کا عمل دخل نہ ہو تو وہ نقصان بھی مالک ہی برداشت کرے گا۔

لیزنگ کا جدید مفہوم:

اس کے برعکس انیسویں صدی عیسوی سے لیزنگ کی ایک نئی قسم متعارف ہوئی جس کو عربی میں ''البیع الایجاری''، یعنی وہ اجارہ داری جس کی انتہا بیع پر ہوتی ہے (ہائر پرچیز) اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بینک کسی کو کچھ سالوں کے لیے گاڑی خرید کر لیز پر دیتا ہے اس کا کرایہ اقساط میں وصول کیا جاتا ہے۔ بینک کرایہ طے کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھتا ہے کہ اس عرصے میں گاڑی کی قیمت مع اتنے نفع کے جو اس عرصے میں بینک کو اس رقم پر سود کی شکل میں حاصل ہونا تھا وصول ہو جاتے ہیں جب گاہک مکمل

Marfat.com

اقساط ادا کر دیتا ہے تو گاڑی اس کی ملکیت ہو جاتی ہے اس طرح ابتدا میں یہ اجارہ ہوتا ہے جو آخر میں بیع میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس عرصے میں گاڑی کے ہر طرح کے نقصانات کی ذمہ داری گاہک کی ہوتی ہے بعض اہل علم کی رائے میں یہ ایک جدید صورت ہے۔ دین میں اس کے متعلق کوئی ممانعت نہیں ہے اس لیے جائز ہے۔ جب کہ بعض حضرات کے نزدیک یہ ایک عقد (Contract) میں دو عقد جمع ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

ہمارے خیال میں اس میں زیادہ قابلِ اعتراض پہلو سود کی آمیزش کا ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ گاہک جب بینک کے پاس گاڑی لینے جاتا ہے تو وہ اس کی قیمت کا کچھ حصہ ڈاؤن پے منٹ (Down Payment) کے نام سے پہلے ادا کرتا ہے جو زیادہ بھی ہوسکتا ہے اور کم بھی لیکن ایک خاص شرح (گاڑی کی قیمت کا دس فیصد) سے کم نہیں ہوتا اب بینک نے کرائے کے نام پر جو اضافی رقم وصول کرنا ہوتی ہے اس کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ ڈاؤن پے منٹ کی رقم کتنی ہے؟ اگر وہ زیادہ ہے تو اضافی رقم زیادہ وصول کی جائے گی۔ اس بارے میں ہم نے مسلم کمرشل بینک کے ایک ذمہ دار سے جو معلومات حاصل کی ہیں ان کے مطابق اگر آپ بینک سے Baleno گاڑی لیتے ہیں اور ڈاؤن پے منٹ پانچ لاکھ ادا کرتے ہیں تو آپ کو پانچ سال کے لیے ۹۷۳۸ روپے ماہانہ قسط جمع کروانا ہوگی جو ۵۸۴۲۸۰ روپے بنتے ہیں۔ اس میں پانچ لاکھ ڈاؤن پے منٹ جمع کر لیں تو مکمل ۱۰۸۴۲۶۰ روپے بنیں گے۔ اگر آپ ڈاؤن پے منٹ دو لاکھ کرتے ہیں تو آپ پانچ سال تک ۱۶۴۰۸ روپے کی ماہانہ قسط جمع کروائیں گے جو ۹۸۴۴۸۰ روپے بنتے ہیں۔ دو لاکھ ڈاؤن پے منٹ کے نام سے پہلے ادا کیا جا چکا ہے اس طرح کل رقم: ۱۱۸۴۴۸۰ روپے ہوگی۔ پہلی صورت میں ایک لاکھ دو سو روپے کم اور دوسری صورت میں زیادہ کیوں؟ سیدھی سی بات ہے کہ یہ سودی معاملہ ہے پہلی صورت میں بینک کو چونکہ کم پیسے دینے پڑے اس لیے اس کا سود کم اور دوسری صورت میں زیادہ رقم دینا پڑی اس لیے سود بھی زیادہ بنا۔ اگر یہ حقیقی اجارہ ہوتا تو یہ فرق نہ ہوتا!! کیونکہ اجارہ

میں کرائے کا تعلق حق استعمال سے ہوتا ہے جو دونوں صورتوں میں برابر ہے نہ کہ اس بات سے کہ اس میں بینک کے کتنے پیسے استعمال ہوتے ہیں نیز اگر یہ حقیقی اجارہ ہوتا تو بینک اس کے نقصان کا بھی ذمہ دار ہوتا، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصل میں یہ سودی معاملہ ہے جسے اجارہ کا نام دیا گیا ہے۔ حقیقی اجارہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

بظاہر یہ بیع قسط کے مشابہ ہے اس لیے بعض حضرات اسے بیع قسط قرار دے کر اس کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن درج ذیل وجوہ کے باعث یہ درست نہیں:

- سطور بالا میں ہم نے اس کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کے مطابق اسے بیع قسط قرار دینے کی قطعاً گنجائش نہیں۔
- یہ دراصل دو عقدوں (Contracts) پر مشتمل ہے:

(ا) عقد اجارہ۔ (ب) عقد بیع۔

جب کہ بیع قسط میں صرف ایک عقد ہوتا ہے بیع اور اجارہ دو الگ الگ اصطلاحات ہیں اور ہر ایک کے احکام بھی مختلف ہیں۔

- بیع قسط میں قیمت تو ادھار ہوتی ہے مگر ملکیت فوراً خریدار کے نام منتقل ہو جاتی ہے۔ لیکن یہاں ملکیت تمام اقساط کی ادائیگی پر موقوف ہے یہ عقد بیع کے منافی ہے کیونکہ بیع کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ چیز مکمل طور پر فروخت کنندہ کی ملکیت سے نکل کر خریدار کی ملکیت میں آجائے۔

لیزنگ کا متبادل:

اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ نے اپنے اجلاس جو ۱۰ تا ۱۵ دسمبر ۱۹۸۸ء کو کویت میں منعقد ہوا اس میں مروجہ لیزنگ کے درج ذیل دو متبادل تجویز کیے تھے۔

مدت ختم ہونے کے بعد مستاجر (Lessee) کے پاس تین اختیار ہوں۔

ا۔ گاڑی مالک (بنک) کے حوالے کر کے عقد اجارہ ختم کر دے۔

Marfat.com

۲۔ نئے سرے سے عقد اجارہ کر لے۔

۳۔ گاڑی خرید لے۔

[بحوالہ:بحوث فی الاقتصاد الاسلامی للدکتور علی القراہ الداغی]

اگر چہ اس پر بھی بعض علماء کے تحفظات ہیں مثلاً مدت اجارہ پوری ہونے پر کرایہ پر لینے والا تو آزاد ہے مگر موٴجر (Lessor) اس کی پسند کا پابند ہے لیکن یہ اعتراض کوئی زیادہ وزنی نہیں اس لیے یہ صورت شرعی طور پر جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کی عملی تطبیق میں کوئی گڑ بڑ نہ ہو۔

مروجہ لیزنگ کا دوسرا متبادل:

اسلامی فقہ اکیڈمی نے اس کی جگہ دوسرا متبادل بیع قسط تجویز کیا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس میں انتقال ملکیت آخری قسط کی ادائیگی پر موقوف نہ ہو بلکہ دوسری ضمانتیں ہوں۔[حوالہ مذکورہ]

شیئرز (حصص) کی خرید وفروخت:

دورِ حاضر کے مالی معاملات میں سے ایک شیئرز کی تجارت کا مسئلہ بھی ہے۔ جو فی زمانہ تجارت کی سب سے زیادہ مقبول صورت ہے حتیٰ کے کسی ملک کی اقتصادی ترقی اور تجارتی گہما گہمی کا تعین بھی سٹاک ایکسچینج کے اتار چڑھاؤ سے کیا جاتا ہے، گویا سرمایہ کاری کا رخ بتانے میں اس کی حیثیت بیرومیٹر کی ہے۔

شیئرز کی تاریخ:

چند افراد کا باہم مل کر شراکت کے اصولوں کے مطابق کاروبار کرنا زمانہ قدیم سے رائج ہے۔ عصر حاضر میں اس کو پارٹنر شپ کہا جاتا ہے۔ سترھویں صدی عیسوی میں

Marfat.com

مشارکت سے ملتی جلتی کاروبار کی ایک نئی شکل سامنے آئی جس کو جوائنٹ سٹاک کمپنی کہا جاتا ہے۔ مشترکہ کاروبار کا یہ ایک نیا تصور تھا جس سے پہلے لوگ شناسا نہیں تھے اس لیے کتب فقہ میں اس کا ذکر بھی نہیں ملتا۔ اس سے پہلے شخصی کاروبار ہوتا تھا یا پھر شراکت ومضاربت کی بنیاد پر۔ جس جگہ کمپنیوں کے شیئرز کا لین دین ہوتا ہے اس کو سٹاک مارکیٹ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا کی پہلی سٹاک ایکسچینج ایمسٹرڈیم ہالینڈ میں ۱۶۱۱ء میں قائم ہوئی۔ برصغیر میں پہلی سٹاک ایکسچینج اٹھارویں صدی کے آخری نصف میں بمبئی میں قائم ہوئی تھی۔ اس کاروبار میں غیر معمولی وسعت اس وقت پیدا ہوئی جب بیسویں صدی کے آخری نصف میں تجارتی میدان میں اصلاحات کا عمل شروع ہوا اور اس کے نتیجے میں نئی نئی کمپنیاں قائم ہونے لگیں۔ درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے اس پر جمود بھی طاری رہا بالخصوص ان ممالک میں جہاں صنعتوں کو قومیانے (Nationalized) کا رجحان غالب تھا۔

شیئرز کی حقیقت:

شیئرز کے لیے اُردو میں حصص اور عربی میں اَسْہُم کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ شیئر کس چیز کی نمائندگی کرتا ہے اس سلسلے میں علماء کی مختلف آراء ہیں ایک گروہ کے خیال میں حصص دراصل کمپنی میں شیئر ہولڈرز کے متناسب حصہ کی نمائندگی کا نام ہے اس کی توضیح یوں ہے کہ کمپنی کا کل منظور شدہ سرمایہ مساوی اجزاء میں عام طور پر دس دس روپے میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ہر جزء کو حصہ کہا جاتا ہے۔ جو لوگ حصص خریدتے ہیں وہ اس تناسب سے کمپنی کے حصہ دار ہوتے ہیں اگر کوئی شیئر ہولڈر اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو وہ سٹاک مارکیٹ میں فروخت بھی کر سکتا ہے۔

دوسرے گروہ کی رائے میں شیئرز محض کمپنی کو دیے ہوئے قرض کا دستاویزی ثبوت ہیں۔ ان حضرات کا استدلال اس بات سے ہے کہ اگر شیئر ہولڈر دیوالیہ ہو جائے

Marfat.com

تو کمپنی میں اس کے متناسب حصے کی ضبطی نہیں ہوتی جس کی نمائندگی یہ شیئرز کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیئرز ہولڈر کمپنی کا حصہ دار نہیں ہوتا بلکہ اس نے کمپنی کو قرض دیا ہوتا ہے۔ لیکن دو وجہ سے یہ استدلال درست نہیں۔

- دیوالیہ ہونے کی صورت میں کمپنی میں اس کے حصے کی قرقی نہ ہونے کے وجہ یہ نہیں کہ کمپنی میں اس کی ملکیت نہیں بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ کمپنی کا اصول ہے کہ کوئی شخص حصہ دار بننے کے بعد کمپنی کی تحلیل سے قبل اپنا حصہ نہیں نکلوا سکتا، ہاں !ضرورت کے وقت سٹاک مارکیٹ میں فروخت کر سکتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کمپنی میں اس کی ملکیت نہیں تھی۔ جس طرح بعض فقہاء کے نزدیک دیوالیہ ہونے کی صورت میں مکان قرق نہیں ہوتا۔ اس کا یہ معنی تو نہیں کہ وہ مکان کا مالک بھی نہیں تھا۔
- اگر کمپنی تحلیل ہو جائے تو اس کے اثاثوں کی تقسیم سے ہر شیئرز ہولڈر کو اس کے حصے کے تناسب سے حصہ ملے گا جس کی مالیت اس کی لگائی ہوئی رقم سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے اور کم بھی۔ اگر ملکیت نہ ہوتی تو حصہ ملنے کا کیا معنی؟

شرعی حکم:

جن حضرات کی رائے میں شیئر کمپنی کو دیئے گئے قرض کی نمائندگی کرتا ہے ان کے نزدیک شیئرز کا کاروبار حرام ہے بعض علماء تو شیئرز کے لین دین کو قمار اور سٹہ بازی بھی قرار دیتے ہیں لیکن گزشتہ سطور میں ہم نے شیئرز کی حقیقت کے متعلق جو تفصیل بیان کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیئرز کی فروخت درحقیقت کمپنی میں شیئرز ہولڈر کے متناسب حصے کی فروخت ہے۔ جس کی کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ خواہ ڈیویڈنڈ حاصل کرنے کی نیت ہو یا قیمت بڑھنے کی صورت میں آگے فروخت کرنا مقصود ہو۔

Marfat.com

یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ یہ جواز تین پابندیوں کے ساتھ مشروط ہے۔

۱۔ جس کمپنی کے شیئرز خریدے جارہے ہیں اس کا کاروبار حلال ہو سود میں ملوث نہ ہو۔

۲۔ کمپنی کے اثاثہ جات صرف نقد اور قرضوں کی شکل میں ہی نہ ہوں بلکہ جامد اور مال کی شکل میں بھی ہوں۔

۳۔ فروخت اپنی سادہ شکل میں ہو کہ خریدار رقم دے اور فروخت کنندہ حصص اس کے نام منتقل کردے اگر حصص کے کاروبار کی کسی قسم کا شرعی اصول سے ٹکراؤ ہو تو وہ صورت بلاشبہ ناجائز ہوگی۔

سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کی سربراہی میں قائم مستقل فتویٰ کمیٹی نے بھی بعض شرطوں کے ساتھ اس کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ''فتاویٰ اللجنة الدائمة'' میں ہے:

((اذا كانت الاسهم لا تمثل نقودا تمثيلا كليا او غالبا ،وانما تمثل ارضا او سيارات او عمارات ونحو ذلك،وهى معلومة للبائع والمشترى ،جاز بيعها وشراؤها بثمن حال او مؤجل على دفعة او دفعات لعموم أدلة جواز البيع والشراء))

[فتاویٰ اللجنة الدائمة: ج۱۳، ص ۳۲۱]

''جب شیئرز کلیتًا یا غالب طور پر نقدی کی نمائندگی نہ کررہے ہوں بلکہ زمین یا گاڑیوں یا عمارات اور اس قسم کی دوسری چیزوں کی نمائندگی کررہے ہوں اور بائع اور مشتری کو معلوم بھی ہو تو خرید وفروخت کے عمومی دلائل کی بنا پر نقد یا ادھار قیمت پر ان کی خرید وفروخت جائز ہے۔ ادھار کی صورت میں خواہ قیمت ایک ہی قسط میں ادا کی جانی ہو یا متعدد اقساط میں۔''

شیئرز کی خرید وفروخت کی بعض ناجائز صورتیں:

ذیل میں حصص کی خرید وفروخت کی ہم دو ایسی صورتیں بیان کرتے ہیں جن پر سٹاک

ایکسچینج میں بکثرت عمل ہو رہا ہے مگر وہ شرعی اصول کی مخالفت کی وجہ سے ناجائز ہیں۔

فیوچر سیل:

ایک شخص دوسرے سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اتنی مقدار یا تعداد میں فلاں چیز مستقبل کی فلاں تاریخ کو اس قیمت پر جو اس وقت واجب الادا ہوگی اس کو ادا کرے گا یا اس وقت اس کی قیمت کی خرید وفروخت میں جو فرق ہوگا وہ ایڈجسٹ کرے گا یہ صورت ناجائز ہے۔ ایک تو اس لیے کہ اس میں حصص اور قیمت دونوں ادھار ہیں فروخت کنندہ نے حصص بعد میں دینے ہیں اور خریدار نے قیمت بعد میں ادا کرنی ہے۔

دوسرا اس لیے کہ اس میں چیز کو قبضہ میں لینے سے پہلے فروخت کر دیا جاتا ہے جو کہ شرعاً منع ہے۔ بعض حضرات اسے بیع سلم سے قیاس کرتے ہیں جو درست نہیں اس کی تین وجوہ ہیں:

- شیئرز میں بیع سلم نہیں ہو سکتی کیونکہ متعین باغ یا کھیت کی پیداوار میں سلم جائز نہیں جبکہ شیئرز میں کمپنی کا نام ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے اس سے اس کی حیثیت متعین چیز میں بیع سلم کی ہو جاتی ہے جو ناجائز ہے۔
- بیع سلم میں چیز کی مکمل قیمت پہلے ادا کرنا ضروری ہے جو یہاں نہیں۔
- بیع سلم میں چیز قبضہ سے قبل فروخت کرنی منع ہے۔ لیکن فیوچر سیل میں حوالگی کی تاریخ سے قبل کئی سودے ہو چکے ہوتے ہیں۔

پیشگی فروخت میں اگر صرف فرق برابر کرنا مقصود ہو تو یہ سٹہ بازی ہوگی جو حرام ہے۔

شارٹ سیل:

بعض دفعہ فروخت کنندہ ایسے شیئرز بھی بیچ دیتا ہے جو اس کے پاس موجود تو نہیں ہوتے لیکن اسے یہ امید ہوتی ہے کہ وہ کلیئرنگ سے قبل مارکیٹ سے سستے داموں حاصل کر کے خریدار کے حوالے کر دے گا اس کو شارٹ سیل کہا جاتا ہے یہ جائز نہیں ہے کیونکہ

Marfat.com

جو چیز انسان کی ملکیت میں نہ ہو اس کو بیچنا درست نہیں۔

بدلہ:

دو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط سودے جو بیک وقت ہوتے ہیں ایک فریق اپنی موجودہ حیثیت (Position) یعنی وہ خریدے ہوئے حصص جو ابھی فروخت نہیں کیے گئے حالیہ ادائیگی سے اگلی ادائیگی میں منتقل کر رہا ہوتا ہے اور اس کے لیے وہ کچھ اضافی رقم ادا کرتا ہے۔ اسے عام زبان میں بدلہ کہا جاتا ہے۔ جس کا معنی ہے ادائیگی کا دن بدل جانا۔ اس کو سادہ الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ ایک آدمی نے حصص تو خرید لیے لیکن اس کے پاس ادائیگی کے لیے رقم نہیں وہ یہ چاہتا ہے کہ میری یہ حیثیت آئندہ ادائیگی میں منتقل ہو جائے دوسرا آدمی اس شرط پر وہ حصص خرید لیتا ہے کہ اس نے اگلی ادائیگی میں اضافی رقم لے کر واپس کرنے ہوتے ہیں۔ یہ جائز نہیں کیونکہ یہ سودا واپسی مع اضافہ کے ساتھ مشروط ہے جو جائز نہیں۔

❀❀❀

Marfat.com

کاروباری دستاویزات

یہ امر واقع ہے کہ نقد یا کرنسی خواہ کتنی ہی مضبوط قوت خرید کی حامل کیوں نہ ہو، تجارتی ضروریات کے مقابلہ میں ناکافی ہوتی ہے۔ چنانچہ تجارتی حلقوں نے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ایسی دستاویزات متعارف کروائیں ہیں جو کاروباری طبقہ میں نقد کی طرح ہی معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ ان کو بینکاری کی اصطلاح میں ''آلات اعتبار'' انگریزی میں Instruments of credit اور عربی میں ''الاوراق التجارية'' کہا جاتا ہے۔ یہ دستاویزات یا آلات اگرچہ اب تجارتی سرگرمیوں کے علاوہ بھی استعمال ہوتی ہیں لیکن اصل میں ان کا اجراء کاروباری حضرات نے اپنی سہولت کی خاطر کیا تھا اس لیے ان کو ''الاوراق التجاریۃ'' (کمرشل پیپرز) کا نام دیا جاتا ہے۔

کاروباری دستاویزات سے مراد:

جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ ان دستاویزات کے لیے آلات اعتبار کی اصطلاح وضع ہے ماہرین آلہ اعتبار کی تعریف یوں کرتے ہیں:

ایسی دستاویزات جو کاروباری لین دین میں زر کا نعم البدل ہوں اور مستقبل کی ادائیگی کے لیے استعمال ہوتی ہوں آلات اعتبار کہلاتی ہیں۔ جیسے چیک، ہنڈی اور تحریری وعدہ وغیرہ۔ [اصول بنکاری: ص ۱۳۳۸ از قاضی احتشام]

عربی میں ان کی تعریف یوں کی جاتی ہے:

((الاوراق التجارية صكوك ثابتة للتداول تمثل حقا نقديا و تستحق الدفع بمجرد الاطلاع او بعد اجل قصير ويجرى العرف على قبولها كاداة للوفاء)) [البنوك الاسلامية بين النظرية والتطبيق: ص ١٣٤ للدكتور محمد بن عبد الله الطيار]

Marfat.com

''کمرشل پیپرز سے باہمی لین دین کی وہ دستاویزی ثبوت مراد ہیں جو نقدی حق کی نمائندگی کرتے ہیں اور نوٹس موصول ہوتے ہی یا مختصر مدت بعد واجب الادا ہوتے ہیں عرف ان کو ایک آلہ ادائیگی کے طور پر قبول کرتا ہے۔''

چونکہ ان دستاویزات کے حقوق کسی دوسرے شخص کے نام بھی منتقل کیے جاسکتے ہیں اس لیے ماہرین اقتصادیات کی اصطلاح میں ان کو تحویل پذیر دستاویزات یا تحویل پذیر آلات اعتبار (Negotiable instruments) کہا جاتا ہے۔

ان کی تین بڑی قسمیں ہیں:

۱۔ ہنڈی: عربی میں ''الکمبالیة'' انگلش میں (Bill of exchange)۔

۲۔ پرامیسری نوٹ: عربی میں ''السند الاذنی''۔

۳۔ چیک۔

اوراق تجاریہ کی تاریخ ابتداء:

ان کی شروعات کے بارہ میں یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے کیونکہ اس میں کافی اختلاف ہے۔ بعض محققین کی رائے میں ان کے موجد اہل یونان ہیں۔ بعض ان کا تعلق حمورابی کے دور سے جوڑتے ہیں بعض کے نزدیک یہ اہل چین جبکہ بعض دوسرے حضرات کے خیال میں اہل فارس کی ایجاد ہے۔ لیکن یہ سب آراء دلائل کی تائید سے محروم ہیں اس لیے حقیقت یہی ہے کہ ان کا ابتدائی دور متعین کرنا مشکل ہے تاہم اس اختلاف کے باوجود اکثر محققین کی رائے میں ایک بات یقینی ہے کہ ان کا استعمال بارھویں صدی عیسوی میں عام ہوگیا تھا۔ کیونکہ اس صدی کے آغاز میں نقدی کی نقل و حرکت کو محفوظ بنانے کے لیے ہنڈی ایک ذریعہ کے طور پر استعمال ہونا شروع ہوگئی تھی اور کچھ عرصہ بعد ادائیگی کے لیے اور ایک ہی شہر کے اندر بھی استعمال ہونا شروع ہوگئی۔ پرومزری نوٹ کا سترھویں صدی عیسوی میں ہوا۔ اسی صدی کے آخر ۱۶۹۴ء میں انگلینڈ

بینک کے قیام کے بعد چیک کا استعمال شروع ہوا۔[احکام الاوراق التجاریة فی فقه الاسلامی ؛ ص : ۲۲،۲۳ الدکتور سعد بن الترکی]

کاروباری دستاویزات اور کاغذی کرنسی میں فرق:

اگرچہ تجارتی حلقوں میں یہ دستاویزات کرنسی کی طرح ہی معتبر سمجھی جاتی ہیں یہاں تک کہ بعض نے ان کو مجازی طور پر کرنسی بھی کہا ہے لیکن ان دونوں میں کئی اعتبار سے فرق ہے۔ مثلاً:

- قرض کی ادائیگی میں پیپر کرنسی کو قبول کرنا ضروری ہوتا ہے صاحب حق انکار نہیں کر سکتا جب کہ کمرشل پیپرز میں یہ پابندی نہیں ہوتی۔ اگر حق دار کمرشل پیپرز کو قبول کرنے سے انکار کر دے تو اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔
- اگر صاحب حق ہنڈی میں درج رقم میعاد سے قبل وصول کرنا چاہے تو کٹوتی ہوتی ہے کرنسی میں یہ نہیں ہوتا۔
- کمرشل پیپرز میں مدت متعین ہوتی ہے جب کہ کرنسی غیر معینہ عرصہ کے لیے ہوتی ہے بشرطیکہ حکومت رائج کرنسی ختم کر کے نئی جاری نہ کر دے۔
- کاغذی کرنسی حکومت یا اس کی زیرِ نگرانی کوئی ادارہ ہی جاری کر سکتا ہے مگر کاروباری دستاویزات مختلف افراد اور ادارے بھی جاری کرتے ہیں۔
- کاروباری دستاویزات کے حقوق دوسرے کے نام منتقل کرتے وقت تظہیر (پشت پر دستخط) کی ضرورت ہوتی ہے۔ کرنسی اس کی محتاج نہیں ہوتی۔ (ملاحظہ ہو: ابحاث هیئة کبار العلماء بالمملکة العربیة السعودیة:۵/۳۲۵. احکام اوراق التجاریةفی الفقه الاسلامی ‘ص: ۹۰.۴۰ للدکتور سعد بن الترکی)

کمرشل اور فنانشل پیپرز کا باہمی فرق:

فنانشل پیپرز کو عربی میں ”الاوراق المالیة“ کہتے ہیں ان سے مراد کمپنیوں کے

Marfat.com

شیئرز اور بانڈز (جو کمپنی حصول قرض کے لے جاری کرتی ہے) ہیں چنانچہ ڈاکٹر رفیق یونس مصری لکھتے ہیں:

((الاوراق المالية هی الاسهم والسندات))[المصارف الاسلامية: ص :٤٨]

''اوراق مالیہ (فنانشل پیپرز) سے مراد شیئرز اور بانڈز ہیں۔''

ڈاکٹر احمد بن الخلیل کہتے ہیں اوراق مالیہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) شیئرز (۲) بانڈز

مزید لکھتے ہیں:

''کمرشل پیپرز فنانشل پیپرز سے مختلف ہیں اور دونوں کے حاملین کے حقوق بھی الگ الگ ہیں کمرشل پیپرز کا مقصد مالی حقوق کی حفاظت اور دیون (Debt) ادا کرنا ہے جب کہ فنانشل پیپرز کا مقصد منافع کا حصول اور کمپنی میں دوسرے حقوق حاصل کرنا ہے۔''[الاسهم والسندات واحكامها فی الفقه الاسلامی :ص ٣٢،٣٣]

ان دونوں کے باہمی فرق کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

- کمرشل پیپرز عام طور پر دیون کی نمائندگی کرتے ہیں جو نوٹس موصول ہونے پر یا مختصر مدت بعد واجب الادا ہوتے ہیں۔ جب کہ فنانشل پیپرز سرمایہ کاری قرض کی رسید ہوتے ہیں۔
- فنانشل پیپرز کے حاملین کمپنی کے منافع میں حصہ دار ہوتے ہیں جب کہ کمرشل پیپرز میں کوئی اضافی فائدہ نہیں ہوتا۔
- کمرشل پیپرز ہر وہ شخص جاری کر سکتا ہے جو ان کے اجراء کا اہل ہو لیکن فنانشل پیپرز صرف مالیاتی ادارے اور کمپنیاں ہی جاری کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی لحاظ سے فرق ہے۔ تفصیل کے لے ملاحظہ ہوں: احكام الاوراق التجارية فی الفقه الاسلامی ص: ٦١،٦٢ سعد بن الترکی۔

Marfat.com

کمرشل پیپرز کی مختلف قسمیں اور ان میں باہمی فرق:

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کمرشل پیپرز کی تین بڑی قسمیں ہنڈی، پرومزری نوٹ اور چیک ہیں۔اب یہاں ہر ایک کا مفہوم اور ان کا باہمی فرق واضح کیا جاتا ہے۔

ہنڈی:

''ایک ایسی دستاویز ہے جس میں فروخت کرنے والا یا قرض خواہ خریدار یا مقروض کو حکم دیتا ہے کہ وہ ایک مخصوص رقم معینہ عرصہ بعد اسے یا جس کو وہ کہے ادا کر دے۔''

[اصول بینکاری، ص: ۲۲۵، ۲۲۶ از قاضی احتشام]

اس کی توضیح یوں ہے کہ ''الف'' ''ب'' کو مثلاً ایک لاکھ کا سامان بیچتا ہے۔ ''ب'' نقد ادائیگی کرنے کی بجائے ایک مہینہ کی مہلت مانگتا ہے اب ''الف'' مال روانہ کرنے کے ساتھ تحریر شدہ ہنڈی بھی ارسال کرے گا۔ ''ب'' ہنڈی پر قبول ہے کے الفاظ لکھ کر اور اپنے دستخط کر کے واپس ''الف'' کو بھیج دے گا۔ قبولیت اور دستخط کے بغیر ہنڈی کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی۔ طے شدہ میعاد گزرنے پر ''الف'' ''ب'' کو ہنڈی پیش کر کے اپنی رقم وصول کر لے گا۔ عام طور پر فروخت کنندہ یہ کام خود کرنے کی بجائے بینک کی خدمات حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ وہ ہنڈی بینک میں جمع کرواتا ہے بینک اس کی میعاد ختم ہونے سے کچھ دن پہلے خریدار کو نوٹس بھیجتا ہے۔ پھر طے شدہ مدت پوری ہونے پر رقم وصول کر کے فروخت کنندہ کے کھاتے میں جمع کر دیتا ہے۔ بینک اس خدمت کا معاوضہ لیتا ہے۔ اگر فروخت کنندہ کو رقم کی فوری ضرورت ہو تو وہ اس کی پشت پر دستخط کر کے اس کے حقوق بینک یا کسی تیسرے شخص کے نام بھی منتقل کر کے اس سے رقم وصول پا سکتا ہے بینک یا وہ شخص اس پر تحریر شدہ رقم میں ایک خاص شرح کے مطابق بالعموم مروجہ شرح سود کے مساوی کٹوتی بھی کرتا ہے۔ میعاد پوری ہونے پر بینک یا تیسرا شخص وہ رقم ہنڈی جاری کرنے والے سے وصول پا لیتا ہے۔ اس کٹوتی کو بٹہ لگانا کہا جاتا ہے (عربی

Marfat.com

میں ''خصم الکمبیالة ''انگریزی میں (Discount bil of Exchange) پشت پر دستخط کرنے کو تظہیر (Endorsment) کہتے ہیں۔

پرامیسری نوٹ:

''جس میں مقروض اپنے قرض خواہ یا خریدار اپنے فروخت کار کو ایک مقررہ رقم عندالطلب یا ایک خاص عرصے بعد ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔''

[اصول بنکاری: ص ۲۴۱]

ہنڈی میں تین فریق ہوتے ہیں:

۱۔ مرتب کنندہ (الساحب Drawer):

اس سے مراد وہ شخص ہے جو ہنڈی لکھتا ہے اور اس نے دوسرے شخص سے قرض لینا ہوتا ہے۔

۲۔ مرتب الیہ (المسحوب علیه Drawee):

اس سے مراد وہ شخص ہے جو مقروض ہوتا ہے اس کے نام ہنڈی تحریر کی جاتی ہے اور وہ ہنڈی پر دستخط کر کے اس کو قبول کرتا ہے۔

۳۔ وصول کنندہ (المستفید Payee):

یعنی وہ شخص ہنڈی کی رقم وصول پاتا ہے یہ مرتب کنندہ خود بھی ہوسکتا ہے یا وہ شخص جس کے پاس ہنڈی موجود ہو ۔[اصول بنکاری: ص: ۲۲۵۔۲۲۶]

پرامیسری نوٹ میں صرف دو فریق ہوتے ہیں:

۱۔ مرتب کنندہ: یہ وہ شخص ہوتا ہے جس نے قرض لیا یا ادھار مال خرید رکھا ہو۔

۲۔ وصول کنندہ: وہ شخص جس نے تحریری وعدہ کی رقم وصول کرنی ہو اور یہ عموماً قرض خواہ ہوتا ہے۔[اصول بنکاری: ص: ۲۴۱]

چیک:

''یہ کھاتہ دار کی طرف سے بینک کے نام ایک غیر مشروط حکم نامہ ہے جس میں وہ

Marfat.com

بینک کو ہدایت دیتا ہے کہ وہ چیک پر درج شدہ رقم اس یا کسی مخصوص شخص یا حامل چیک کو ادا کرے دوسرے لفظوں میں چیک ایک ایسی دستاویز ہے جو بینک سے رقم نکلوانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔'' [اصول بنکاری: ص:۱۹۵]

اس میں مرتب کنندہ (الساحب) کھاتہ دار ہوتا ہے اور مرتب الیہ (المسحوب علیه) وہ بینک جس کے نام چیک جاری کیا جاتا ہے جب کہ وصول کنندہ (المستفید) وہ شخص ہوتا ہے جو بینک سے رقم وصول پاتا ہے وہ چیک جاری کرنے والا خود بھی ہوسکتا ہے اور کوئی دوسرا بھی ۔علاوہ ازیں چیک جاری کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ اس پر زیادہ سے زیادہ اتنی ہی رقم درج کی جائے جتنی کھاتے میں موجود ہو۔ اس سے تینوں کا باہمی فرق بھی واضح ہوگیا ہے۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

شرعی حکم:

ان دستاویزات کے متعلق تین امور خاص طور پر تنقیح طلب ہیں۔

۱۔ باہمی لین دین کے وقت ان کو لکھنے کا حکم۔

۲۔ بینک کے ذریعے ان کی وصولی اور اس پر بینک کے معاوضے کی شرعی حیثیت۔

۳۔ میعاد پوری ہونے سے قبل ہنڈی پر بٹہ لگانے کا حکم۔

ذیل میں بالترتیب ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ لین دین کے وقت ان کی تحریر میں شرعاً کوئی امر مانع نہیں بلکہ بعض حالات میں تحریر شریعت کا تقاضا ہے جیسا کہ پرامیسری نوٹ کا معاملہ ہے ۔یہ اصل میں دَین (Debt) کی دستاویز ہے جس کو لکھنے کا حکم قرآن نے دیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾ [البقرة :۲۸۲]

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک مقررہ وقت تک ادھار کے ساتھ معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔''

Marfat.com

ڈاکٹر علامہ عمر بن عبدالعزیز المترک رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((فانه لا محذور شرعا في تحرير هذه الاوراق لانها اما وثيقة بدين كمافي السند الاذني وتحريرها مطلوب شرعا للاستيثاق قال تعالى: ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوآ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾ [البقرة:٢٨٢] واما حوالة كما في الكمبالية، واما حوالة و وكالة كمافي الشيك، فالآمر فيه مودع والمصرف مدين والشخص الثالث اما محال على مدين او موكل في الاستيفاء لحقه وهذامشروع في الجملة))

''ان دستاویزات کی تحریر میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ یہ یا تو قرض کی دستاویزات ہیں جیسا کہ پرامیسری نوٹ ہے اطمینان کے لیے شرعاً اس کی تحریر کا مطالبہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک مقررہ وقت تک ادھار کے ساتھ معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔﴾ یا حوالہ [1] ہے جیسا کہ ہنڈی ہے۔ یا حوالہ اور وکالہ ہے جیسا کہ چیک ہے اس میں حکم دینے والا ڈیپازٹر ہوتا ہے اور بینک کی حیثیت مقروض کی ہے۔ اور تیسرے شخص کی حیثیت یا تو محال یا حق کی وصولی کے لیے وکیل کی ہے اور یہ سب جائز ہیں۔''

---

[1] ''حوالہ شریعت کی ایک معروف اصطلاح ہے۔ جس کا معنی ہے ''نقل دين من ذمة الىٰ ذمة'' قرض کی ذمہ داری ایک شخص سے دوسرے کی طرف منتقل کرنا۔'' [فتح الباری:٤/٥٨٥]

یعنی مقروض خود قرض ادا کرنے کی بجائے قرض خواہ کو کسی دوسرے کے سپرد کر دے کہ اس سے وصول کر لینا اکثر کے نزدیک حوالہ صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس کے حوالے کیا جا رہا ہو وہ اس پر رضا مند ہو۔' [فتح الباری:٤/٥٨٥]

اسی طرح حوالہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ جس کے حوالے کیا جا رہا ہے اس کے ذمہ حوالہ کرنے والا کا اتنا قرض ضرور ہو جتنا اس کے ذمہ اس شخص کا ہے۔ جس کو یہ حوالے کر رہا ہے۔ واضح رہے ہنڈی صرف ایک صورت میں حوالہ بنتی ہے وہ ہے جب ہنڈی کے وصول کنندہ نے مرتب کنندہ کو قرض دے رکھا ہو اور مرتب کنندہ اسے مرتب الیہ کے حوالے کرے کہ آپ اس سے وصول پالیں۔

البتہ جن صورتوں میں دونوں طرف سے نقد ہونا شرط ہے جیسے بیع صرف یعنی روپے کا ڈالر وغیرہ سے تبادلہ یا ایک طرف سے مجلس عقد میں مکمل ادائیگی ضروری ہو۔ جیسے بیع سلم ① ہے۔ وہاں ہنڈی کا استعمال درست نہیں۔

بینک کی وساطت سے وصولی کا حکم:

ان کی وصولی میں بینک کی خدمات حاصل کرنے اور اس کے بدلے بینک کو کمیشن دینے میں شرعا کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں بینک وصول کنندہ کا وکیل ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ ڈاکٹر عمر بن عبدالعزیز المترک رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((هذه العملية ظاهر فيها الجواز شرعا لان العمولة التى يا خذها المصرف هى اجرة او جعالة له على التحصيل وما يتطلبه من جهد ويتكلفه من مصاريف انتقال محصيله و ارسال الاخطارات لهم والاشعارات بسدادهم))[الربا والمعاملات المصرفية:ص ٣٩٥]

''یہ کارروائی بظاہر شرعی طور پر جائز ہے کیونکہ بینک جو کمیشن لیتا ہے وہ وصولی کی خدمات سرانجام دینے کی اجرت یا حق محنت ہے۔ علاوہ ازیں وصولی کی کارروائی اور ادائیگی کے نوٹس وغیرہ بھیجنے پر اخراجات بھی آتے ہیں۔''

لہٰذا بینک کو اپنی خدمت کی اجرت اور اخراجات وصول کرنے کا حق ہے۔

ڈاکٹر علی احمد السالوس حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

((والبنك يتعامل فى هذه الاوراق من حيث الحفظ‘والتحصيل لحساب المستفيد كوكيل عنه الوكالة هنا باجر ‘والعمولة التى يأخذ البنك يقابلها منفعةمشروعة ، وخدمة تؤدى هذا من الاعمال المصرفية الجائزة شرعا ومايؤخذ فى نظيرهاليس من الربا))

[المعاملات المالية المعاصرة :ص:١٢٤]

---

① بیع سلم کا مفہوم یہ ہے کہ چیز کی قیمت پیشگی ادا کر دی جائے لیکن چیز بعد میں وصول پائی جائے اس میں مکمل قیمت پیشگی ادا کرنا لازمی شرط ہے۔''

Marfat.com

''ان اوراق میں بینک کا کردار یہ ہے کہ وہ ان کی حفاظت کرتا ہے اور وصول کنندہ کے وکیل کی حیثیت سے وصول کر کے اس کے کھاتے میں جمع کرواتا ہے بینک کی یہ وکالت اجرت کے بدلے ہوتی ہے۔ چنانچہ بینک جو کمیشن لیتا ہے وہ ایک جائز فائدے اور خدمت کا بدلہ ہے بینکاری امور میں یہ عمل شرعا جائز ہے۔اس کے مقابلے میں جو کمیشن لیا جاتا ہے وہ سود نہیں۔''

ایک شبہ کا ازالہ:

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بینک وکیل ہے تو مال بینک کے پاس ضائع ہونے کی صورت میں بینک پر کوئی تاوان نہیں ہونا چاہیے بشرطیکہ اس کی کوتاہی یا غفلت شامل نہ ہو لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے کہ بینک ہر صورت میں ضامن ہوتا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ بینک اجیر مشترک ہے جو متعدد لوگوں کی وکالت کا فرض سرانجام دیتا ہے اور مشترک نقصان کی صورت میں ذمہ دار ہوتا ہے۔شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

شریعت میں اجیر (کارکن) دو قسم کے ہیں:

۱۔ اجیر خاص۔

۲۔ اجیر مشترک۔

مثلاً کسی نے ایک دھوبی خاص اپنے لیے نوکر رکھا ہوا ہے اور دوسری قسم یہ ہے کہ دھوبی بہت سے لوگوں کے کپڑے دھوتا ہے۔قسم اول سے کوئی نقصان اس کی لاپروائی یا بددیانتی کے بغیر ہو جائے تو اس پر تاوان نہیں ہوتا قسم دوم پر ہوتا ہے۔[فتاوی ثنائیہ: ۲/۴۴۶]

ہنڈی بھنانے کا حکم:

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ ہنڈی بھناتے وقت بینک ایک خاص شرح کے مطابق کٹوتی بھی کرتا ہے جب کہ کمیشن اور ڈاک اخراجات اس کے علاوہ ہوتے ہیں۔یہ کٹوتی

Marfat.com

اصل میں وہ سود ہوتا ہے جو بینک کو اس عرصہ میں اس رقم کے عوض حاصل ہونا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بٹہ لگانے کی شرح ہنڈی کی تاریخ ادائیگی کو سامنے رکھ کر مقرر کی جاتی ہے جوں جوں تاریخ ادائیگی قریب آتی جاتی ہے یہ شرح کم ہوتی جاتی ہے۔ جب اس کا سود ہونا ثابت ہو گیا تو اس کے حرام ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں رہتا۔

چنانچہ ڈاکٹر علی احمد السالوس حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

((واسوأ اعمال البنك هنا اتخاذه الاوراق التجارية وسيلة للاقراض الربوى و ذلك عن طريق ما يسمى بالخصم))

[المعاملات المالية المعاصرة ،ص:١٢٤]

''یہاں بینک کا بدترین کردار کاروباری دستاویزات کو سودی قرض کا ذریعہ بنانا ہے اور یہ ڈسکاؤنٹ کی صورت میں ہوتا ہے۔''

ڈاکٹر وہبہ زحیلی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

((وهذه العملية حرام شرعا لانها قرض الربوى يتضمن فائدة ربوية عن المدةالمستقبلية و يدخل تحت مفهوم ربا النساء المحرم شرعا لان البنك يدفع الاقل ليقبض فى نظير ه اكثر منه بعد اجل وهو امر محظور شرعا باتفاق الفقهاء لوجود الربا فيه))

[المعاملات المالية المعاصرة ،ص:٢٣٣]

''یہ عمل شرعی طور پر حرام ہے کیونکہ یہ سودی قرض ہے جو مستقبل کے عوض سودی فائدے پر مشتمل ہے یہ ربا النسیئۃ کے مفہوم میں داخل ہے جو شرعاً حرام ہے۔ کیونکہ بینک نے کم رقم دے کر کچھ مدت بعد اس کے عوض زیادہ حاصل کرنی ہے اس میں ربا کی آمیزش ہونے کی وجہ سے فقہاء شرعی طور پر اس کے حرام ہونے پر متفق ہیں۔''

اسلامی فقہ اکیڈمی نے بھی ایک قرار داد (بمطابق ۱۹۹۲ء) میں اسے حرام قرار دیا ہے۔[حوالہ مذکورہ]

Marfat.com

بعض شبہات کا ازالہ:

بعض حضرات یہ توجیہ کرتے ہیں کہ بینک اصل میں ہنڈی کے وصول کنندہ کا وکیل ہوتا ہے جس نے ہنڈی کے مرتب الیہ سے رقم وصول پا کر اس کے سپرد کرنا ہوتی ہے۔ ڈسکاؤنٹ کے بعد بینک جو رقم دے رہا ہے وہ اصل میں بینک کی طرف سے وصول کنندہ کی خدمت میں قرض ہے جو اس نے ہنڈی کی وصولی پر واپس کرنا ہوتا ہے جب کہ ڈسکاؤنٹ کی رقم بینک کا حق محنت ہے یوں یہ دو مختلف معاملات بن جاتے ہیں۔

۱۔ ہنڈی کے وصول کنندہ کا بینک کو اجرت پر وکیل مقرر کرنا۔

۲۔ بینک کا ہنڈی پر تحریر شدہ رقم کے مساوی قرضہ فراہم کرنا اور وصول کنندہ کا بینک کو وصول ہونے والی رقم سے اپنا قرض واپس لینے کا اختیار دینا۔

شرعی طور پر یہ دونوں معاملے جائز ہیں۔ اجرت پر وکیل بنانا بھی اور مشروط اضافہ کے بغیر قرض دینا بھی۔ یوں اس میں کوئی خرابی نہیں رہتی۔

جواب:

بظاہر یہ توجیہ بڑی دلکش معلوم ہوتی ہے لیکن اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو اس کی کمزوری بالکل عیاں ہے۔

- ایک تو اس لیے کہ بینک جو کٹوتی کرتا ہے وہ ادائیگی کی مدت سے وابستہ ہوتی ہے اگر وہ زیادہ ہوگی تو کٹوتی کی شرح بھی زیادہ۔ اور اگر وہ مدت کم ہوگی تو کٹوتی کی شرح بھی کم جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ اگر یہ حق محنت ہے تو دونوں صورتوں میں فرق کیوں؟ جب کہ حق محنت دونوں صورتوں میں برابر ہے کٹوتی کو ادائیگی کی مدت سے وابستہ کرنا اس کے سود ہونے کی بین دلیل ہے۔
- دوسرا اس لیے کہ بینک جو کٹوتی کرتا ہے وہ ادائیگی کی تاریخ آنے سے پہلے ہوتی ہے اس کا مطلب ہے کہ بینک نے ابھی تک کوئی خدمت سرانجام نہیں دی لیکن حق

Marfat.com

محنت وصول کرلیا ہے حالانکہ حق محنت کام پورا ہونے کے بعد دیا جاتا ہے۔

❁ تیسرا اس لیے کہ یہ قرض وکالت کے معاوضہ کی صورت میں اضافی فائدہ کا باعث بن رہا ہے اور جس قرض سے فائدہ حاصل ہو وہ سود کے زمرے میں آتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((انهم نهوا عن قرض جرّ منفعة)) [ارواء الغليل :٥/٢٣٤]

''انہوں نے اس قرض سے منع کیا جو فائدے کا باعث بن رہا ہو۔''

دوسرا شبہ:

دوسری توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ حامل دستاویز اصل میں بینک کو وہ دستاویز کم قیمت پر فروخت کرتا ہے یعنی جب ہزار کی ہنڈی کے بدلے ۹۵۰ وصول پاتا ہے تو گویا ایک ہزار کو ۹۵۰ کے عوض فروخت کیا اور یہ جائز ہے۔

جواب:

یہ صورت ''بيع الدين على غير من هو عليه'' ''اس شخص کے ساتھ دَیْن (قرض) کی بیع ہے جس پر دین نہیں ہے'' کہلاتی ہے۔ اگرچہ بعض فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس سے ہنڈی کے ڈسکاؤنٹ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں سود کی دونوں قسمیں ربا الفضل اور ربا النسیئۃ پائی جاتی ہیں۔ وہ اس طرح کہ یہاں درحقیقت نقد کی نقد ساتھ بیع ہے جس میں کمی بیشی اور ادھار دونوں سود شمار ہوتے ہیں جب کہ یہاں دونوں چیزیں ہی پائی جارہی ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ جائز نہیں۔

تیسرا شبہ:

بعض حضرات کے خیال میں اگر مرتب الیہ بٹہ لگانے والا بینک خود ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ قرض کی جلد ادائیگی کے بدلے اس کا کچھ حصہ چھوڑا جارہا ہے۔ جیسا کہ

Marfat.com

سعودی کبار علماء کے بورڈ کی رائے ہے۔[ابحاث هيئة كبار العلماء :٥/٣٧٨]

اس کو اصطلاح میں ضَعْ وَتَعَجَّلْ ''چھوڑ دو اور جلد وصول کرلو'' کہا جاتا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابراہیم نخعی اور امام ابوثور رحمہم اللہ کے نزدیک بھی یہ جائز ہے۔[مصنف عبدالرزاق : باب الرجل يضع من حقه و يتعجل ، المغنى :٦/١٠٩]

حضرت عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب اور شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہم اللہ بھی اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔[ابحاث هيئة كبار العلماء :٥/٣٧٩]

علامہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ [الربا و المعاملات المصرفية: ص:٣٩٢]

جواب:

لیکن درج ذیل وجوہ کے باعث یہ رائے درست معلوم نہیں ہوتی۔

❁ ان حضرات کے برعکس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام اور فقہاء محدثین کی غالب اکثریت'' ضَعْ وَتَعَجَّلْ '' کو ناجائز سمجھتی ہے۔چنانچہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

((كرهه زيد بن ثابت ، وابن عمر ، والمقداد ، سعيد بن المسيب ، سالم ، والحسن ، و حماد ، والحكم ، والشافعى ، ومالك، والثورى ، وهشيم ، وابن علية، واسحاق ، وابو حنيفة))

[المغنى:٤/١٠٩]

''حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، مقداد، سعید بن مسیّب، سالم، حسن، حماد، حکم شافعی، مالک، ثوری، ہشیم، ابن علیہ، اسحٰق، ابوحنیفہ رحمہم اللہ اس کو مکروہ سمجھتے ہیں۔''

ابوصالح رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((بِعْتُ بَزًّا لِى مِنْ أَهْلِ دَارِ نَخْلَةَ إِلَى أَجَلٍ ثُمَّ أَرَدْتُ الْخُرُوجَ

Marfat.com

إِلَى الْكُوفَةِ فَعَرَضُوا عَلَيَّ أَنْ أَضَعَ عَنْهُمْ بَعْضَ الثَّمَنِ وَيَنْقُدُونِي فَسَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَقَالَ لَا امْرُكَ أَنْ تَأْكُلَ هَذَا وَلَا تُوكِلَهُ)) [موطا: كتاب البيوع،باب ماجاء فى الربا فى الدين]

''میں نے اہل نخلہ کو ادھار کپڑا فروخت کیا پھر میرا کوفہ جانے کا ارادہ بن گیا انہوں نے مجھے یہ پیشکش کی کہ میں کچھ قیمت کم کر دوں تو وہ باقی قیمت فوری ادا کر دیں گے۔ چنانچہ میں نے اس کے متعلق زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا میں آپ کو یہ مشورہ نہیں دیتا کہ آپ اس کو کھائیں یا دوسرے کو کھلائیں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا:

((عَنِ الرَّجُلِ يَكُونُ لَهُ الدَّيْنُ عَلَى الرَّجُلِ إِلَى أَجَلٍ فَيَضَعُ عَنْهُ صَاحِبُ الْحَقِّ وَيُعَجِّلُهُ الْآخَرُ فَكَرِهَ ذَلِكَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَنَهَى عَنْهُ))[مؤطا امام مالك :باب ما جاء فى الربا فى الدين]

''ایک آدمی نے دوسرے سے ایک عرصہ بعد قرض لینا ہے۔ صاحب حق کچھ چھوڑ دیتا ہے اور دوسرا جلد ادا کر دیتا ہے تو انہوں نے اس کو ناپسند فرمایا اور اس سے منع فرمایا۔''

حضرت معمر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((ولا أعلم أحدا قبلنا إلا وهو يكرهه)) [مصنف عبدالرزاق:باب الرجل يضع من حقه و يتعجل]

''ہم سے پہلے تمام لوگ اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔''

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والامر المكروه الذى لا اختلاف فيه عندنا ان يكون للرجل على الرجل الدين الى اجل فيضع عنه الطالب ويعجله المطلوب وذالك عندنا بمنزلة الذى يؤخر دينه بعدمحله عن غريمه ويزيده الغريم فى حقه قال :فهذا الربا بعينه لا شك فيه))

[مؤطا امام مالك: باب ما جاء فى الربا فى الدين]

Marfat.com

''وہ معاملہ جو مکروہ ہے جس میں ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں وہ یہ ہے کہ آدمی نے دوسرے سے ادھار لینا ہو تو صاحب حق کچھ چھوڑ دے اور دوسرا جلد ادا کر دے یہ ہمارے نزدیک ایسے ہی ہے جیسے کوئی ادائیگی کی تاریخ آنے کے بعد قرض میں تأخیر کرے اور قرض خواہ اپنے حق میں اضافہ کر دے یہ بلاشبہ مبینہ سود ہے۔''

- دوسری وجہ یہ ہے کہ ہنڈی کی ڈسکاؤنٹ پر ''ضَعْ وَ تَعَجَّلْ'' کا اصول منطبق نہیں ہوتا۔ کیونکہ ''ضَعْ وَ تَعَجَّلْ'' میں جو رقم چھوڑی جاتی ہے اس کا انحصار قرض خواہ پر ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف ہنڈی میں ڈسکاؤنٹ کی شرح بینک طے کرتا ہے۔
- ''ضَعْ وَ تَعَجَّلْ'' میں مدت کا خیال نہیں رکھا جاتا جب کہ ڈسکاؤنٹ کی شرح مدت سامنے رکھ کر طے کی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کو ''ضَعْ وَ تَعَجَّلْ'' کی بنیاد پر جائز قرار دینا درست نہیں۔

❁❁❁

Marfat.com

حقوق (Rights) کی بیع

حق تالیف، حق ایجاد، رجسٹرڈ تجارتی نام ونشان کی خرید وفروخت اور پگڑی کا لین دین مالی معاملات کی وہ صورتیں ہیں جن کا قرآن وحدیث میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور ائمہ حدیث وفقہ رحمہم اللہ سے ان کے متعلق کوئی نص مروی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسائل خیر القرون سے کافی عرصہ بعد سامنے آئے۔ البتہ جن علماء کے دور میں یہ مسائل پیدا ہوئے انہوں نے کھل کر ان کے بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ ذیل میں ہم ہر ایک کی مختصر تاریخ، مفہوم اور قرآن وحدیث کی اصولی ہدایات کی روشنی میں ان کا شرعی حکم بیان کرتے ہیں۔

حق التالیف:

ہر مؤلف کو اپنی تالیف سے متعلق دو قسم کے حقوق حاصل ہوتے ہیں:

(۱) ادبی (۲) مالی

ادبی کا اطلاق اس غیر مالی اختیار پر ہوتا ہے جس سے مؤلف کو درج ذیل دائمی اور ابدی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

- تالیف صرف اسی کی طرف منسوب ہوگی، کوئی دوسرا اپنا نام استعمال نہیں کر سکتا حتیٰ کہ خود مؤلف کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی فکری کاوش دوسرے کے نام سے شائع کرے کیونکہ یہ جھوٹ کے زمرہ میں آتا ہے۔
- یہ فیصلہ کرنا بھی مؤلف کا اختیار ہوگا کہ کتاب کب شائع کرنی ہے؟ اور طباعت کا معیار کیا ہوگا۔
- دوبارہ اشاعت کی صورت میں حک واضافہ کرنا۔

- اگر کوئی شخص ان ادبی اور مالی حقوق پر ڈاکہ ڈالے تو اس کا دفاع کرنا مؤلف اور اس کے ورثاء کا حق ہے۔
- اشاعت کے بعد اگر مؤلف یہ سمجھے کہ یہ مضمون اس کی آراء کے مطابق نہیں یا اس کی شخصیت کو نقصان پہنچا سکتا ہے تو بازار سے کتاب واپس لینے کی نگرانی کرنا۔ ایسی صورت میں ناشر کے نقصان کی تلافی کرنا مؤلف کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

مالی حق کا مطلب ہے کہ کتاب کی اشاعت، تقسیم یا دوسرے ذرائع مثلاً سی ڈی یا آڈیو کیسٹ کے ذریعے بیان کرنے سے جو فوائد حاصل ہوں گے وہ بھی مؤلف کا حق ہیں۔ بسا اوقات مؤلف یہ حق فروخت بھی کر دیتا ہے۔ یہی فروخت اس وقت ہمارے زیر بحث ہے کہ آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں۔

حق التالیف کی تاریخ:

اوّل الذکر یعنی ادبی حق تو ہر دور میں معتبر رہا ہے۔ کسی کی فکری کاوش کو اپنی طرف منسوب کرنا ہمیشہ معیوب سمجھا جاتا رہا ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((و کحیل اللصوص و السراق علی أخذ اموال الناس وھم انواع لاتحصی فمنھم السراق بأیدیھم و منھم السراق بأقلامھم))

[اعلام الموقعین: ج٣ ص١٠٧٦]

''حیلوں کے ذریعے لوگوں کا مال چرانے والوں کی بے شمار قسمیں ہیں۔ بعض ہاتھوں سے چوری کرتے ہیں بعض قلموں کے ذریعے لوگوں کا مال چراتے ہیں۔''

علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں امام سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب ''الفارق بین المصنف و السارق'' بھی شامل ہے۔

مالی حق کی شروعات پندرہویں صدی عیسوی کے آخر میں یورپ سے ہوتی ہے اور یہی زمانہ پریس کی ایجاد کا ہے۔ اس کے حق میں اولین قانون ١٧٠٩ء۔١٧١٠ کو برطانیہ

Marfat.com

کے لارڈ ہاؤس نے پاس کیا پھر ۱۹۱۰ء۔۴۔۱۰ کو ملکہ برطانیہ کے دستخطوں سے فکری کاوشوں کے تحفظ کا قانون جاری ہوا۔

۱۷۹۱ء اور ۱۷۹۳ء کو فرانس میں اس کے حق میں قوانین بنائے گئے۔ ۱۷۸۹ء کو امریکا کی ایک ریاست Massachusetts اور ۱۷۹۰ء میں مرکز کی سطح پر اس کے حق میں قانون سازی ہوئی۔[حقوق الاختراع والتأليف فی الفقه الاسلامی ص:۳۳٤]

اسلامی ممالک میں اس کے حق میں پہلی مرتبہ قانون سازی ۱۹۱۰ء میں عہد عثمانی میں ہوئی۔ بین الاقوامی سطح پر اس کے متعلق پہلا معاہدہ سوئٹزرلینڈ کے دارالحکومت برن میں ۱۸۸٦ء میں ہوا۔ بعد میں مختلف کانفرنسوں میں اصلاحات ہوتی رہیں۔ اب تقریباً ہر ملک میں اس حق کو قانونی طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔

حق ایجاد:

کسی شخص کو نئی چیز ایجاد کرنے کے بدلے جو حقوق حاصل ہوتے ہیں ان کو حقوق ایجاد کہا جاتا ہے۔ جیسے یہ حق کہ:

- وہ چیز اس کی ایجاد کردہ کہلائے گی۔ دوسرا شخص نہ تو اس کو اپنی جانب منسوب کر سکتا ہے اور نہ اس کی نقل تیار کر سکتا ہے۔
- اس کے مالی فوائد پر موجد اور پھر متعینہ مدت تک اس کے ورثاء کا حق ہوتا ہے۔

''اس کے حق میں اوّلین قانون ۱۴۷۲ء کو اٹلی میں بنا۔ ۱٦۲۳ء میں انگلینڈ، ۱۷۹۱ء کو فرانس اور ۱۸۱۵ء کو جرمنی کی بعض ریاستوں میں اس کے حق میں قوانین بنائے گئے۔ البتہ پورے جرمنی میں اس کو قانونی تحفظ ۱۸۴۲ء کے بعد ملا۔ اسلامی ممالک میں اس کی تاریخ عثمانی دور سے شروع ہوتی ہے۔''[حقوق الاختراع والتأليف فی الفقه الاسلامی]

Marfat.com

تجارتی نام اور علامات:

کسی کارخانہ کا وہ مخصوص نام جو اسے الگ شناخت دے اس کا تجارتی نام کہلاتا ہے۔ مصنوعات کی پہچان کے لیے مقرر کردہ مخصوص نشان کو تجارتی علامت (ٹریڈ مارک) کہا جاتا ہے۔ یہ متعلقہ تاجر کا حق شمار ہوتا ہے۔ قانوناً دوسرے کے لیے اس کا استعمال ممنوع ہوتا ہے۔ متعلقہ تاجر اگر چاہے تو یہ نام فروخت بھی کرسکتا ہے۔ اس کا ابتدائی دور انقلاب فرانس کا نواں (۹) سال ہے جب پیرس کی اپلیٹ کورٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ جب کوئی شخص دُکان فروخت کرتا ہے تو اس میں مادی ملکیت کے ساتھ ساتھ معنوی ملکیت بھی شامل ہوگی۔ [المعاملات المالية المعاصرة فی الفقه الاسلامی للدکتور محمد عثمان شبیر]

''معنوی'' سے مراد شہرت اور لوگوں کا اعتماد (Good will) ہے۔

معنوی حقوق کی بیع کا شرعی حکم:

ان حقوق کو حقوق معنویہ کہا جاتا ہے یعنی وہ اختیار جن کا تعلق مادی چیز سے نہ ہو ان کی بیع وشراء میں اختلاف ہے۔ علماء کا ایک گروہ اس کے جواز کا فتوی دیتا ہے تو دوسرا عدم جواز کو ترجیح دیتا ہے جب کہ بعض کے نزدیک مؤلف کو یہ حق تو پہنچتا ہے کہ وہ اپنی تالیف یا ایجاد سے مالی فائدہ اٹھائے یا شراکت کی بنیاد پر کسی سرمایہ کار کو اپنے ساتھ شامل کرے لیکن ان حقوق کی بیع درست نہیں۔ ان کا استدلال اس بات سے ہے کہ بیع کا مطلب ہے ہر قسم کے ملکیتی حقوق مشتری کی طرف منتقل ہو جائیں اس طرح کہ وہ چیز اس کی طرف منسوب ہو جائے شرعا یہ جائز نہیں کہ چیز ملکیت کسی اور کی ہو لیکن اس کی نسبت دوسرے کی طرف ہو کیونکہ یہ جھوٹ اور فراڈ ہے۔ اس استدلال کا جواب یہ دیا گیا ہے یہ تب منع ہے جب خریدار ایجاد یا تألیف کی نسبت اپنی طرف منسوب کرے اگر یہ ہو

Marfat.com

کہ کتاب لکھی تو فلاں نے ہے مگر یہ ملکیت فلاں کی ہے تو اس میں کوئی جھوٹ اور فراڈ نہیں ہے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ لوگ ہمیشہ سے اپنی کتب وقف اور ہدیہ کرتے رہے ہیں نام مؤلف کا ہی ہوتا تھا۔ متقدمین میں سے کسی نے اس کو ناجائز قرار نہیں دیا۔

[حقوق الاختراع والتأليف فی الفقه الاسلامی]

شیخ بکر بن عبداللہ ابو زید رحمہ اللہ نے قائلین اور مانعین کے دلائل بڑی تفصیل سے بیان فرمائے ہیں ذیل میں ہم ان کے حوالے سے فریقین کے بعض دلائل نقل کرتے ہیں۔

قائلین کے دلائل:

- یہ ان حقوق کی طرح ہیں جو انسان کو اپنے بدن، حواس اور جذبات سے متعلق تکوینی اور جبلی تصرفات کے بارہ میں حاصل ہیں۔
- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ أَحَقَّ مَاأَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ)) [صحيح بخاری:باب الشَّرْطِ فِی الرُّقْيَةِ بِقَطِيْعٍ مِنَ الْغَنَمِ]

''سب سے زیادہ حق دار جس پر تم اجرت لو اللہ کی کتاب ہے''

جب قرآن کا معاوضہ لینا جائز ہے تو دوسری کتب کا بالاولیٰ جائز ہوگا۔

- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعلیم کو حق مہر مقرر کر کے ایک صحابی کا نکاح پڑھایا۔ جب قرآن کی تعلیم مہر بن سکتی ہے تو اس کی نشر واشاعت کا معاوضہ کیوں نہیں لیا جا سکتا؟
- رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔

((أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ قَالَ عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُوْرٍ))

[مسند احمد :١٧٧٢٨]

''کون سی کمائی بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر مبرور بیع۔''

- علمائے سلف سے بھی کتب کا معاوضہ لینا ثابت ہے۔ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ نے چار (۴۰۰) سو دینار لے کر اپنی کتاب ''الحلیة'' بیچی۔ یہ چار سو دینار ورق اور لکھنے کی قیمت تو نہیں ہو سکتے۔اسی طرح جب مختلف علاقوں کے حکمرانوں نے اپنے علماء کے ذریعے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ سے ان کی کتاب کے نسخے منگوائے تو انہوں نے تین سو (۳۰۰) دینار وصول کر کے دیئے۔
- کتاب مصنف کی ملکیت ہوتی ہے لہٰذا اس کو ہر قسم کا اختیار ہے ہبہ کرے یا وقف کرے یا فروخت۔
- حق تالیف حقوق مقررہ میں سے ہے نہ کہ حقوق مجردہ (Abstract Rights) سے۔ کیونکہ حق مجردوہ ہوتا ہے جس کو شارع نے دفع ضرر کے لے مشروع قرار دیا ہو جیسے حق شفعہ۔

حق مقرر وہ ہوتا ہے جو شروع ہی سے حق دار کے لیے ثابت ہو اس قسم کے حق کا معاوضہ لیا جا سکتا ہے۔حق تالیف اسی قبیل سے ہے۔

مانعین کے دلائل:

جو حضرات ان حقوق کی خرید وفروخت کے مخالف ہیں ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

- علم عبادت ہے، صنعت وتجارت نہیں اور عبادت کا معاوضہ درست نہیں۔
- اس سے کتمان علم لازم آتا ہے جو حرام ہے۔
- یہ حق مجرد ہے اور حق مجرد کا معاوضہ صحیح نہیں۔[فقه النوازل :ج۲ص ۱۷۱، ۱۸۳]

راجح رائے:

اگر فریقین کے دلائل کا تجزیہ کیا جائے تو تین وجوہ کے باعث ان لوگوں کی رائے صائب معلوم ہوتی ہے جو اس کے حق میں ہیں:

۱۔ مانعین نے اپنی تائید میں جو دلائل ذکر کیے ہیں وہ اس ثبوت کے لیے کافی وشافی

Marfat.com

نہیں ہیں مصنف اگر کتاب پر حقوق الطبع محفوظ ہیں لکھ دیتا ہے تو اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہوتا کہ وہ علم چھپانا چاہتا ہے' اس کا مقصد تو صرف ناشر کو اس بات کا پابند بنانا ہوتا ہے کہ وہ تنہا ہی اس سے فائدہ نہ اٹھائے بلکہ مؤلف کا بھی خیال رکھے۔ مانعین کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ یہ طاعت ہے نہ کہ تجارت اس لیے اس کا معاوضہ نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ طاعات کی اجرت کا ثبوت حدیث سے بھی ثابت ہے اور فقہاء سے بھی۔ اس کو حق شفعہ پر بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ حق شفعہ کا مقصد دوسرے کو ضرر سے محفوظ رکھنا ہے جب کوئی یہ حق فروخت کرتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ دوسرے کو بیچنے سے اس کا کوئی نقصان نہیں۔ لہذا اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں۔ جب کہ زیر بحث حق دفع ضرر کے لیے نہیں بلکہ فکری و عملی محنت کا عوض ہے۔

۲۔ جمہور فقہاء کے نزدیک مال کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس سے عام حالات میں فائدہ اٹھایا جائے، اس حق کے قابل انتفاع ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

۳۔ ٹریڈ مارک اور تجارتی نام رجسٹرڈ کروانے میں محنت کے علاوہ اچھا خاصا سرمایہ بھی خرچ کیا جاتا ہے اس لیے ان کو فروخت کرنا جائز ہے۔ اسلامی فقہ اکیڈمی نے اپنے پانچویں اجلاس جو دس سے پندرہ دسمبر ۱۹۸۸ء کو کویت میں منعقد ہوا نے بھی اس کے حق میں رائے دی ہے۔ اجلاس کی قرارداد کے الفاظ یوں ہیں:

اوّلاً: الاسم التجاری و العنوان التجاری و العلامة التجارية و التاليف و الاختراع و الابتكار :هی حقوق خاصة لاصحابها و أصبح لها فی العرف المعاصر قيمة مالية معتبرة لتمول الناس لها و هذه الحقوق يعتد بها شرعا فلايجوز الاعتداء عليها ۔

ثانيا: يجوز التصرف فی الاسم التجاری او العنوان التجاری او العلامة التجارية و نقل ای منها بعوض مالی اذا انتفی الغرر

Marfat.com

والتدليس و الغش باعتبار أن ذالك أصبح حقا ماليا ۔

ثالثا: حقوق التاليف والاختراع او الابتكار مصونة شرعا و لاصحابها حق التصرف فيها ولايجوز الاعتداء عليها))

[بحواله موسوعة القضا ياالفقيهة المعاصرة للدكتور على احمد سالوس :ص٦١٨، ٦١٩]

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تجارتی نام، عنوان اور تجارتی علامت، حق تالیف اور ایجاد وہ حقوق ہیں جو اپنے مالکان کے لیے خاص ہیں۔ دور حاضر کے عرف میں ان کی ایک معتبر مالی قیمت ہے اس لیے ان حقوق کو مالی معاوضہ کے بدلے دوسرے کے نام منتقل کرنا جائز ہے بشرطیکہ غرر، تدلیس اور دھوکے سے پاک ہوں۔ لہٰذا ان کے مالکان کو ان میں تصرف کا حق ہے اور ان حقوق پر زیادتی نہیں ہو سکتی۔

❀❀❀

Marfat.com

پگڑی

پگڑی کا لین دین بھی ان مسائل میں سے ہے جن پر ہر بڑے شہر میں عمل ہو رہا ہے۔عربی میں پگڑی کے لے ''خلو'' کا لفظ آیا ہے۔جس کا معنی ہے خالی ہونا۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے اس کی عمومی تعریف یوں کی ہے:

((هو اسم لما يملكه دافع الد راهم من المنفعة التى دفع فى مقابلتها الدراهم)) [الموسو عة الفقيهة،المادة خلّو]

''درہم ادا کرنے والے کی زیر ملکیت وہ منفعت جس کے بدلے اس نے درہم ادا کیے ہوں۔''

پگڑی جس طرح ذاتی پراپرٹی میں ہوتی ہے اسی طرح وقف اور بیت المال کی اراضی میں بھی ہوتی ہے۔

اراضی وقف میں پگڑی کی صورتیں:

وہ منفعت جو وقف کے کرایہ دار نے ناظر وقف کو تعمیر کی غرض سے کچھ رقم ادا کر کے اس شرط پر حاصل کی ہوتی ہے کہ وہ وقف کی منفعت کے فیصد کے حساب سے ایک متعین حصہ مثلاً نصف یا ثلث کا مالک ہوگا اور باقی حصہ کا کرایہ ادا کرے گا۔

اراضی بیت المال میں پگڑی کی صورت:

سرکاری زمین کے کرایہ دار کا وہ حق جو اسے سرکاری زمین میں درخت لگانے تعمیراتی کام کرنے یا مٹی ڈالنے کی وجہ سے زمین پر قبضہ باقی رکھنے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔بشرطیکہ اس زمین کے حقوق خزانے کو ادا کرتا رہے۔[الموسو عة الفقيهة]

مگر ہمارے پیش نظر یہاں صرف ذاتی پراپرٹی میں پگڑی کا حکم معلوم کرنا ہے۔

Marfat.com

ذاتی پراپرٹی میں پگڑی کا مفہوم:

وہ نا قابل واپسی رقم جو دُکان یا مکان کا مالک کرایہ دار سے ماہانہ کرایہ کے علاوہ یک مشت وصول کرتا ہے۔اس کے بعد مالک برائے نام مالک رہ جاتا ہے وہ دُکان وغیرہ میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرسکتا۔ملکیت نامہ رکھنے کے باوجود نہ دُکان خالی کرواسکتا ہے اور نہ دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے تاوقتیکہ کرایہ دار اس پر آمادہ نہ ہو اور مالک مارکیٹ ریٹ کے مطابق کرایہ دار کو پگڑی ادا نہ کردے۔

پگڑی کی صورت میں دُکان یا مکان کی مرمت وغیرہ حتی کہ اگر کسی وجہ سے دُکان گر جائے اس کو دوبارہ تعمیر کرنا کرایہ دار کی ذمہ داری ہوتی ہے۔اگر کرایہ دار چاہے تو پگڑی بیچ کر قبضہ دوسرے کے حوالے بھی کرسکتا ہے۔اس صورت میں بعض دفعہ مالک سابق کرایہ دار سے پگڑی کا کچھ فیصد بھی وصول کرتا ہے۔پگڑی کی صورت میں کرایہ مارکیٹ ریٹ سے کافی کم ہوتا ہے

پگڑی کا فائدہ:

اس میں مالک اور کرایہ دار ہر دو کا فائدہ ہے۔کرایہ دار کا اس طرح کہ اس کو یہ اندیشہ نہیں رہتا کہ مالک جب چاہے گا دُکان خالی کروالے گا۔مالک کا اس طرح کہ وہ خود کو کرایہ دار کی زیادتی سے محفوظ سمجھتا ہے کیونکہ وہ پگڑی کے نام پر ایک معقول رقم پہلے ہی وصول کرچکا ہوتا ہے جب کہ باقی کرایہ کی صورت میں وصول کررہا ہوتا ہے۔

پگڑی کے مختلف نام:

عربی میں پگڑی کو عام طور پر ''الخلو'' کہا جاتا ہے۔تاہم بعض ممالک میں دوسرے ناموں سے بھی معروف ہے۔عراق میں اس کو ''السر قفلية'' (فارسی لفظ) کہتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کرایہ دار معاوضہ لے کر دوسرے کے حق میں دستبردار ہوجائے۔

شام میں ''الفروغ'' کہتے ہیں یعنی خالی کروانا۔خلو کے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

Marfat.com

مصر میں "المفتاح" یا "الزینة" کہا جاتا ہے۔

مفتاح کا لغوی معنی ہے چابی۔ پگڑی ادا کرنے کے بعد کرایہ دار تصرف کا مالک بن جاتا ہے اس لیے مفتاح کا نام دیا گیا۔

زینة کا معنی ہے ''ڈیکوریشن'' پگڑی ادا کر کے کرایہ دار مستقل رہنے کے لیے دُکان سجاتا ہے اس لیے الزینة کہا جاتا ہے۔

مغرب یعنی تیونس، الجزائر وغیرہ میں ''الجلسة'' کے نام سے معروف ہے جس کا معنی ہے بیٹھنا۔ پگڑی کے بعد کرایہ دار کو رہائش کا مستقل حق مل جاتا ہے اس لیے ''الجلسة'' کا نام دیا جاتا ہے:[المعاملات المالية المعاصرة فی الفقه الاسلامی للدکتور محمد عثمان شبیر]

پگڑی کی تاریخ وارتقاء:

اگر چہ قرآن وحدیث اور ائمہ حدیث وفقہ کے دور میں پگڑی کا ذکر نہیں ملتا لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ یہ عصر حاضر کی پیداوار ہے بلکہ اس کا تصور کئی صدیاں پرانا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی حفظہ اللہ لکھتے ہیں

((واوّل ظهور مسألة الخلو كان فی الاندلس فی أواخر القرن التاسع الهجری فی مجال عقارات الاوقاف التی تحتاج الی ترميم واصلاح وعمارة وبناء وزراعة واستثمار))[المعاملات المالية المعاصرة:ص ٥٦١]

سب سے پہلے پگڑی کا آغاز نویں صدی ہجری میں اندلس میں اوقاف کی ان زمینوں سے ہوا جو ترمیم واصلاح، عمارت وبناء اور زراعت وسرمایہ کاری کی متقاضی تھیں۔

دسویں صدی ہجری کے مالکی فقیہ ابوعبداللہ محمد بن الحسن اللقانی (۸۷۳تا۹۵۸) کا اس موضوع پر ایک فتوی بھی ہے جس کے متعلق علامہ حموی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

((وان نوزع فيه وقد اشتهرت فتياه فى المشارق والمغارب و تلقاها علماء عصره بالقبول و هبت عليها نسيمات الصباوالقبول))

[غمز عيون البصائر فى شرح الاشتباه والنظائر: ج۲ ، ص: ۱۷۳]

''اگر چہ اس کے متعلق ان سے اختلاف کیا گیا ہے لیکن ان کا فتوی مشرق ومغرب میں مقبول ہے اور اس دور کے علماء نے اسے قبولیت بخشی ہے اور اس پر شوق و قبولیت کی ہوا کے جھونکے چلے ہیں۔''

دسویں صدی ہجری کے نصف اول تک قاہرہ کی مارکیٹوں میں اس کا خاصا رواج ہو چکا تھا۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

((فأقول على اعتباره :ينبغى أن يفتى بأ ن مايقع فى بعض أسواق القاهرة من خلو الحوانيت لازم ويصير الخلو فى الحانوت حقا له فلا يملك صاحب الحانوت اخراجه منها ولا اجارتهالغيره ولو كانت وقفا)) [الاشتباه والنظائر مع غمزعيون البصائر: ج۲،ص۱٦۸]

''میں کہتا ہوں کہ عرف خاص کا اعتبار کر کے قاہرہ کے بعض بازاروں میں دُکانوں میں رائج پگڑی کے جواز کا فتوی دینا چاہیے اور یہ فتوی دینا چاہیے کہ پگڑی کرایہ دار کا حق ہے۔ دُکان کا مالک نہ تو اس کو نکال سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے خواہ وہ وقف ہی کیوں نہ ہو۔''

مزید لکھتے ہیں:

((و قد وقع فى حوانيت الجملون بالغورية أن السلطان الغورى لما بناها أسكنهاللتجار بالخلو))[ايضًا۔ ج۲، ص۱٦۸]

''سلطان غوری نے غوریہ میں جب جملون کی دُکانیں تعمیر کیں تو تاجروں کو پگڑی پر دی تھیں۔''

پگڑی کا حکم:

پگڑی کی رقم کس چیز کا معاوضہ ہے، اس بارہ میں علماء کے مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں درست رائے کے مطابق یہ درحقیقت مالک کے اس حق کا معاوضہ ہے جو اسے دُکان خالی کروانے اور دوسرے کو کرایہ پر دینے کی صورت میں حاصل تھا۔ کرایہ دار پگڑی ادا کر کے یہ حق خرید لیتا ہے تاہم اس کا جواز اس امر پر موقوف ہے کہ آیا اس سے کسی شرعی اصول کی خلاف ورزی تو لازم نہیں آتی۔ ہمارے خیال میں درج ذیل وجوہ کے باعث اس کا جواز محل نظر ہے۔

- بنیادی طور پر یہ اجارہ کا معاہدہ ہے جس میں کرایہ پر دی ہوئی چیز کرایہ دار کے پاس امانت ہوتی ہے۔ نقصان کا ذمہ دار خود مالک ہوتا ہے بشرطیکہ اس میں کرایہ دار کی زیادتی یا معاہدے کی خلاف ورزی کا دخل نہ ہو۔ چنانچہ الموسوعة الفقيهة میں ہے۔

((والدار المستأجرة تكون أمانة فی يد المستأجر فلايضمن الابالتعدی أو المخالفة))

''کرایہ پر دیا ہوا گھر کرایہ دار کے پاس امانت ہوتا ہے وہ صرف زیادتی اور معاہدے کی خلاف ورزی کی صورت میں نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔''

پگڑی میں اس بات کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اسی طرح گھر کی ایسی مرمت جس سے رہائش میں خلل واقع ہوتا ہو وہ بھی مالک کی ذمہ داری ہوتی ہے جیسا کہ ''الموسوعة الفقيهه'' میں ہے۔

((كما يلزم الموجر عمارة الدار اصلاح كل ما يخل بالسكنى فان أبى حق المستأجر فسخ العقد الا اذا كان استأجر ها على حالها))

''گھر کی تعمیر اور رہائش میں مخل نقصان کی اصلاح کرایہ پر دینے والے کی ذمہ داری

Marfat.com

ہے، اگر وہ انکار کرے تو کرایہ دار کو عقد فسخ کرنے کا حق ہے الا کہ انھوں نے اجارہ ہی اس حالت پر کیا ہو۔''

پگڑی کی صورت میں مالک بالکل بے تعلق ہو جاتا ہے کرایہ دار جانے اور مکان۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرمت وغیرہ کی ذمہ داری معاہدے میں شرط ہوتی ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ فقہاء کے نزدیک ایسی شرط سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے۔چنانچہ علامہ سرخسی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فان اشترط المرمة على المستأجر فسدت الاجارة لان المرمة على الآجر)) [المبسوط :ج ۱۵ ص ۱۵۷]

''اگر یہ شرط لگائے کہ مرمت کرایہ دار کی ذمہ داری ہوگی تو اجارہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ مرمت کرایہ پر دینے والے کی ذمہ داری ہے۔''

امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا ایک آدمی اس شرط پر مکان کرایہ پر دیتا ہے کہ اس کی لکڑی ٹوٹی یا گھر کو معمولی مرمت کی ضرورت پیش آئی تو یہ کرایہ دار کی ذمہ داری ہوگی؟ تو انہوں نے فرمایا:

((لا خير فى ذلك الا ان يشترط من كرائها))

[المدونة الكبرى: ج ۱۱، ص ۵۰۹]

''اس میں کوئی خیر نہیں الا کہ ان اخراجات کو کرایے سے منہا کرنے کی شرط ہو تو پھر جائز ہے۔''

- اجارہ کی مدت متعین ہونی چاہیے۔الموسوعة الفقيهة میں ہے۔

((وبيان المنفعة فى اجارة الدور ببيان المدة فقط))

''گھروں کے اجارہ میں منفعت کی وضاحت فقط اجارہ کی بیان کرنے سے ہوگی۔''

پگڑی میں اجارہ غیر محدود وقت کے لیے ہوتا ہے۔

بعض حضرات کے خیال میں یہاں مدت مجہول نہیں بلکہ یہ ابدی اجارہ ہے مگر اس پر

Marfat.com

سوال پیدا ہوتا ہے کیا شریعت میں ابدی اجارہ کا تصور پایا جاتا ہے؟ فقہ حنبلی کی معروف کتاب ''زاد المستنقع ''میں بیع کی تعریف میں ''علی التأبید '' کے الفاظ ذکر ہوئے ہیں۔ امام بہوتی رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

((یخرج الاجارة)) [الروض المربع: ص ۲۷۵]

''یہ قید اجارہ کو بیع سے خارج کر رہی ہے۔''

یعنی بیع ابدی ہوتی ہے جبکہ اجارہ محدود مدت کے لیے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

((وعلی واضعی القوانین الایجاریة اعادةالنظر مسألتی تأبید الاجارة وتجمیدالاجرةلان اجارة محدودة المدة وتعتمد علی التراضی بین المالك و المستأجر ولان تجمید الاجرةینافی العدل)) [المعاملات المالیة المعاصرة:ص ٥٦٧]

''اجارۃ کے قوانین وضع کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ ابدی اجارے اور اجرت منجمد کرنے کے مسئلہ پر نظر ثانی کریں کیونکہ اجارہ محدود مدت کے لیے ہوتا ہے مالک اور کرایہ دار کی رضامندی پر منحصر ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ اجرت منجمد کرنا عدل کے منافی ہے۔''

- تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ درج ذیل صورتوں میں عقد اجارہ ختم ہو جاتا ہے۔

۱۔ مدت ختم ہو جائے۔

۲۔ اجارہ پر دی ہوئی چیز تباہ ہو جائے۔

۳۔ اجارہ واپس کرنے کی صورت میں۔

چنانچہ الموسوعة الفقیهة میں ہے:

((اتفق الفقهاء علی ان الاجارة تنتهی بانتهاء المدة أو بهلاك المعقودعلیه المعین أو بالاقالة))

Marfat.com

''فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اجارہ مدت ختم ہونے یا اجارہ پر دی ہوئی چیز تباہ ہو جانے یا اجارہ واپس کرنے کی صورت میں ختم ہو جاتا ہے۔''

پگڑی میں یہ بات نہیں ہوتی بلکہ اگر کسی وجہ سے دُکان گر بھی جائے تو کرایہ دار کو کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے اور دُکان کی دوبارہ تعمیر بھی اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

❁ بعض کی رائے میں پگڑی سے مالک جائیداد اپنے حق تصرف سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ قائلین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ مالک نے یہ شرط از خود قبول کی ہوتی ہے اور اس کا معاوضہ بھی وصول کیا ہوتا ہے۔

ملاحظہ:

بعض دفعہ مالک طے شدہ مدت سے پہلے ہی دُکان خالی کروانا چاہتا ہے کرایہ دار اس وقت تک خالی کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا جب تک مالک کچھ رقم ادا نہ کر دے اس کو بھی پگڑی کہہ دیتے ہیں۔ مگر یہ جائز ہے کیونکہ طے شدہ مدت تک وہاں رہنا کرایہ دار کا حق ہے جو سلب نہیں کیا جا سکتا۔ اگر مالک وقت سے پہلے قبضہ لینا چاہتا ہے تو کرایہ دار کے لیے اس حق کا معاوضہ لینا جائز ہے۔

❁❁❁

Marfat.com

قسطوں پر خرید وفروخت

دور حاضر میں جن معاملات کو وسیع پیمانے پر فروغ حاصل ہوا ہے ان میں قسطوں پر خرید وفروخت بھی شامل ہے اس کو عربی میں ''البیع بالتقسیط'' کہا جاتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ چیز تو فوراً مشتری کے حوالے کر دی جائے مگر اس کی قیمت طے شدہ اقساط میں وصول کی جائے قسط کو نجم بھی کہتے ہیں۔ جس کا معنی ہے ''ستارہ'' شارح بخاری علامہ وحید الزماں رحمہ اللہ اس کی وجہ تسمیہ میں فرماتے ہیں:

''عرب میں تمام معاملات تاروں کے طلوع پر ہوا کرتے تھے کیونکہ وہ حساب نہیں جانتے تھے وہ یوں کہتے تھے کہ جب فلاں تارہ نکلے گا تو یہ معاملہ ہوگا اسی وجہ سے قسط کو نجم کہنے لگے۔'' [تیسیر الباری: ج ۲، ص ٦٢٦]

بعض لوگ اس کو موجودہ دور کی ایجاد سمجھتے ہیں جو درست نہیں اس کا رواج تو عہد رسالت وصحابہ میں بھی موجود تھا جیسا کہ ذیل کے دو واقعات سے ثابت ہوتا ہے

پہلا واقعہ:

((عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِقَالَ وَقَفْتُ عَلٰى سَعْدِبْنِ اَبِىْ وَقَاصٍ فَجَاءَ الْمِسْوَرُبْنُ مَخْرَمَةَ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى اِحْدٰى مَنْكِبَىَّ اِذْجَاءَ اَبُوْ رَافِعٍ مَوْلٰى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا سَعْدُ اِبْتَعْ مِنِّى بَيْتَىَّ فِىْ دَارِكَ فَقَالَ سَعْدُ:وَ اللّٰهِ مَا اَبْتَاعُهُمافَقَالَ الْمِسْوَرُ :وَاللّٰهِ لَتَبْتَاعَنَّهُمافَقَالَ سَعْدُ:وَاللّٰهِ لَا اَزِيْدُكَ عَلٰى اَرْبَعَةِ الَافٍ مُنَجَّمَةٍ اَوْمُقَطَّعَةٍ قَالَ اَبُوْرَافِعٍ:لَقَدْ اُعْطِيْتُ بِهَاخَمْسَ مِائَةِ دِيْنَارٍ وَلَو لَااَنِّىْ سَمِعْتُ

رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی الله علیه وسلم یَقُوْلُ : ((اَلْجَارُ اَحَقُّ بِسَقَبِہ)) مَا اَعْطَیْتُکَھَا بِاَرْبَعَةِ الَافٍ وَاَنَا اُعْطٰی بِھَا خَمْسَ مِائَةِ دِیْنَارٍ))

[صحیح بخاری: باب عرض الشفعة علی صاحبها قبل البیع]

''عمرو بن شرید کہتے ہیں کہ میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑا تھا، اتنے میں مسور بن مخرمہ آئے انھوں نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا۔ اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابو رافع آ گئے۔ انہوں نے کہا: اے سعد آپکے محلے میں میرے جو دو گھر ہیں وہ آپ خرید لیں۔ سعد نے کہا: اللہ کی قسم: میں نہیں خریدتا۔ حضرت مسور نے کہا کہ اللہ کی قسم آپکو ضرور خریدنا ہوں گے۔ تب سعد نے کہا میں چار ہزار درہم سے زائد نہیں دوں گا وہ بھی قسطوں میں۔ ابو رافع نے کہا کہ مجھے ان گھروں کے پانچ سو دینار (نقد) ملتے تھے اور اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہ سنا ہوتا کہ پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے زیادہ حق دار ہے تو میں آپ کو یہ گھر چار ہزار درہم میں بھی نہ دیتا۔ جب کہ مجھے ان کے پانچ سو دینار (نقد) ملتے تھے۔''

دوسرا واقعہ:

((قَالَ عُرْوَۃُ: قَالَتْ عَائِشَةُ رضی الله عنها اِنَّ بَرِیْرَۃَ دَخَلَتْ عَلَیْھَا تَسْتَعِیْنُھَا فِیْ کِتَابَتِھَا وَعَلَیْھَا خَمْسَةُ اَوَاقٍ نُجِّمَتْ عَلَیْھَا فِیْ خَمْسِ سِنِیْنَ)) [صحیح بخاری : کتاب المکاتب]

''عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بریرہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس اپنی مکاتبت میں مدد کے سلسلے میں حاضر ہوئی اس کے ذمہ پانچ اوقیہ چاندی تھی جو اس نے پانچ سالانہ اقساط میں ادا کرنا تھی۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں اس پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے:

((باب المکاتب ونجومه فی کل سنة نجم))

''مکاتب اور اس کی قسطوں کا بیان ہر سال میں ایک قسط۔''

Marfat.com

بیع قسط چونکہ بیع مؤجل ہی کی ایک شکل ہے۔ جس میں چیز کی قیمت بیک مشت ادا کرنے کی بجائے اقساط مقرر کردی جاتی ہیں۔ اس لے ہمارے فقہاء نے اس کو الگ عنوان میں ذکر کرنے کی بجائے عموماً بیع مؤجل کے ضمن میں ہی بیان کیا ہے۔

قسطوں پر خریداری کی مختلف صورتیں:

ادھار یا قسطوں پر خریداری کی دوصورتیں ہیں:

۱۔ نقد اور ادھار دونوں صورتوں میں ایک ہی قیمت ہو۔ ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے تاہم اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔

۲۔ ادھار میں نقد سے زیادہ قیمت وصول کی جائے۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ یہ چیز نقد سو روپے کی اور ادھار ایک سودس کی ہوگی۔ اس کے بارہ میں تین نقطہ نظر ہیں۔

(ا) جمہور فقہاء و محدثین رحمہم اللہ کی رائے میں یہ جائز ہے۔

چنانچہ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَقَالَتْ الشَّافِعِيَّةُ وَالْحَنَفِيَّةُ وَزَيْدُ بْنُ عَلِيٍّ وَالْمُؤَيَّدُ بِاللَّهِ وَالْجُمْهُورُ إِنَّهُ يَجُوزُ)) [نيل الاوطار: ج۸، ص ۲۰۱]

''شافعیہ، حنفیہ، زید بن علی، مؤید باللہ اور جمہور اس کے جواز کے قائل ہیں''

اہل حدیث علماء میں سے سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی، نواب صدیق حسن خان اور حافظ عبد اللہ محدث روپڑی رحمہم اللہ بھی اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔

[فتاویٰ نذيريه: ج ۲، ص ۱۶۲۔ الروضة النديه: ج ۲ ص ۸۹۔ فتاویٰ اهل حديث: ج ۲، ص ۲۶۳، ۲۶۴]

سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم شیخ ابن باز رحمہ اللہ بھی اس کے جواز کے حامی ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''قسطوں کی بیع میں کوئی حرج نہیں جب کہ مدت اور قسطیں معلوم ہوں خواہ قسطوں کی صورت میں قیمت نقد قیمت سے زیادہ ہو کیونکہ قسطوں کی صورت میں بائع اور مشتری دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بائع زیادہ قیمت سے اور مشتری مہلت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔'' [فتاوى اسلامية: ج ۲، ص ٤٤٥]

اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ نے بھی اپنے چھٹے اور ساتویں اجلاس میں جو بالترتیب سترہ تا تیس شعبان ۱۴۱۰ھ اور سات سے بارہ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ کو جدہ میں ہوئے' اس کو جائز قرار دیا ہے۔ چھٹے اجلاس کی قرارد کے متعلقہ الفاظ یہ ہیں:

((تجوز الزيادةفى الثمن المؤجل عن الثمن الحال كمايجوز ذكرثمن المبيع نقدا وثمنه بالاقساط بمدة معلومة))

[موسوعة القضايا الفقهية المعاصرة و الاقتصاد الاسلامى للدكتور على احمد سالوس]

''ادھار میں نقد سے زیادہ قیمت جائز ہے۔ جس طرح چیز کی قیمت نقد اور متعینہ اقساط میں ذکر کرنا جائز ہے۔''

ساتویں اجلاس کے الفاظ یوں ہیں:

((البيع بالتقسيط جائز شرعا ولو زادفيه ثمن المؤجل على المعجل)) [ايضًا]

''بیع قسط شرعا جائز ہے خواہ اس میں ادھار قیمت نقد سے زیادہ ہو۔''

(۲) امام ابن حزم، امام ابن سیرین اور زین العابدین عدم جواز کے قائل ہیں۔ محدث البانی رحمہ اللہ بھی اسی نقطہ نظر کے حامی ہیں۔

[سلسلة الاحاديث الصحيحة: ج٥]

(۳) حضرات طاؤس، ثوری، اور اوزاعی کی رائے میں یہ ہے تو ناجائز لیکن اگر بائع اس طرح سودا ہونے کے بعد دو قیمتوں میں سے کم یعنی نقد والی قیمت وصول کرے تو جائز ورنہ ناجائز۔ [سلسلة الا حاديث الصحيحة :ج٥]

قائلین جواز کے دلائل:

جو حضرات اس کے حق میں ہیں ان کا استدلال ایک تو اس بات سے ہے کہ معاملات میں اصل اباحت ہے۔ یعنی کاروبار کی ہر وہ صورت جائز ہے جس سے شریعت

نے منع نہ کیا ہو۔ قرآن حکیم کی آیت: ﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے'' سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ سوائے ان بیوع کے جن کی حرمت قرآن وحدیث میں واضح کر دی گئی ہے، ہر قسم کی بیع جائز ہے، اور قرآن وحدیث میں کوئی ایسی نص موجود نہیں جس سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہو۔ ان حضرات کی دوسری دلیل ذیل کا واقعہ ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم أَمَرَهُ أَنْ يُجَهِّزَ جَيْشًا فَنَفِدَتِ الإِبِلُ فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ فِي قِلاَصِ الصَّدَقَةِ فَكَانَ يَأْخُذُ الْبَعِيرَ بِالْبَعِيرَيْنِ إِلَى إِبِلِ الصَّدَقَةِ)) [سنن ابی داؤد: كتاب البيوع : باب فی الرخصة فی ذلك]

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جیش تیار کرنے کا حکم دیا تو اونٹ کم پڑ گئے' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقے کے اونٹ آنے تک ادھار لے لو۔ تو انہوں نے لوگوں سے اس شرط پر اونٹ لیے کہ جب صدقے کے اونٹ آئیں گے تو ایک کے بدلے دو دو دیئے جائیں گے۔''

مانعین کے دلائل:

جو حضرات اس کی ممانعت کے قائل ہیں ان کی پہلی دلیل یہ ہے:

- ادھار کی صورت میں اضافی رقم اصل میں مدت کا معاوضہ ہے اور مدت کا معاوضہ لینا سود ہے۔
- اس رائے کے حق میں دوسری دلیل وہ روایات ہیں جن میں ایک بیع میں دو بیعوں کی ممانعت بیان ہوئی ہے۔ مثلا:

((نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ))

[ترمذی: كتاب البيوع، باب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیعوں سے منع کیا ہے۔''

Marfat.com

((نَهٰى رَسُوْ لُ اللهِ صلى الله عليه و سلم عَنْ صَفْقَتَيْنِ فِىْ صَفْقَةٍ وَاحِدَةٍ)) [مسند احمد بن حنبل: ج٨،ص ٣٨٣]

''رسول اللہ ﷺ نے ایک سودے میں دوسودوں سے منع کیا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ انسان یہ کہے:

((وان كان بنقد فبكذا وان كان بنسيئة فبكذا))

[مصنف ابن ابی شیبة :ج٥ص٥٤]

''اگر نقد ہوتو اتنے کی اور ادھار ہوتو اتنے کی۔''

راجح نقطہ نظر:

ہمارے خیال میں حسب ذیل وجوہ کے باعث ان لوگوں کی رائے زیادہ وزنی ہے جو جواز کے حق میں ہیں۔

- ادھار کی صورت میں اضافے کا جواز خود قرآن کی آیت ﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ﴾ سے ثابت ہے۔ کیونکہ یہ آیت ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ ابن جریر طبری، علامہ ابن العربی، اور امام رازی رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے۔ جن کا اعتراض یہ تھا کہ جب عقد بیع کے وقت ادھار کی زیادہ قیمت مقرر کی جاسکتی ہے تو پھر وقت پر ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں اضافہ کیوں نہیں کیا جاسکتا۔ وہ کہتے دونوں صورتیں یکساں ہیں ۔چنانچہ رئیس المفسرین امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وذلك أن الذين كا نوا يأكلون من الرّبا من أهل الجاهلية، كان إذا حلّ مالُ أحدهم على غريمه، يقول الغَريم لغريم الحق زدنى فى الأجل وأزيدك فى مالك فكان يقال لهما إذا فعلا ذلك هذا ربًا لا يحل فإذا قيل لهما ذلك قالاسواء علينا زدنا فى أول البيع، أو عند مَحِلّ المال فكذَّبهم الله فى قيلهم)) [تفسير طَبرى]

''اہل جاہلیت میں سے جولوگ سود کھاتے تھے، اس کی صورت یہ ہوتی کہ جب کسی کا

Marfat.com

دوسرے کے ذمے مال ہوتا جس کی ادائیگی کا وقت آچکا ہوتا وہ صاحب حق سے کہتا آپ مدت میں اضافہ کردیں میں آپ کے مال میں اضافہ کرتا ہوں۔ جب ان سے کہا جاتا کہ یہ تو سود ہے جو حلال نہیں تو کہتے کہ ہم بیع کے آغاز میں اضافہ کریں یا مدت پوری ہونے پر، دونوں صورتیں یکساں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی۔''

مشہور محدث و مفسر علامہ ابن العربی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

((و كانت تقول انما البيع مثل الربا اى انماالزيادةعند حلول الاجل آخراً مثل اصل الثمن من اول العقد ورد الله عليهم قولهم)) [احكام القرآن]

''اہل جاہلیت کہتے تھے بیع سود کی مثل ہی ہے یعنی مدت پوری ہونے پر جو اضافہ کیا جاتا ہے وہ شروع عقد میں اصل قیمت میں اضافہ کی مانند ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا رد فرمایا ہے۔''

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((القوم كانوا فى تحليل الربا على هذه الشبهة وهى ان من اشترىٰ ثوبا بعشرة ثم باع باحد عشر فهذاحلال فكذا اذاباع العشرة باحد عشر يجب ان يكون حلال لانه لا فرق فى العقل بين الامرين فهذا فى ربا النقد واما فى رباالنسيئةفكذلك ايضا لانه لوباع الثوب الذى يساوى عشرة فى الحال باحد عشرالى شهر جاز فكذا اذا اعطى العشرةباحد عشر الى شهر وجب ان يجوز لانه لافرق فى العقل بين الصورتين)) [التفسير الكبير]

''ربا کو حلال قرار دینے کے متعلق لوگوں کا شبہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص ایک کپڑا دس کا خرید کر گیارہ کا بیچے تو یہ جائز ہے اسی طرح جب دس (درہم) گیارہ کے بیچے تو معاملہ بھی جائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں عملاً کوئی فرق نہیں ہے یہ شبہ تو ربا النقد کے متعلق تھا۔ ''ربا النسیئۃ'' کے بارہ میں یہ شبہ تھا کہ وہ کپڑا جس کی نقد

قیمت دس (درہم) ہے اگر وہ ایک مہینہ کے ادھار پر گیارہ کا بیچے تو یہ جائز ہے اسی طرح اگر دس (درہم) دے کر مہینے بعد گیارہ لے تو یہ بھی جائز ہونا چاہیے کیونکہ عقلی اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔"

ان جلیل القدر ائمہ تفسیر کے بیان سے ثابت ہوا کہ اھل جاھلیت کی اصل غلطی یہ تھی کہ وہ وقت پر ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں اصل دین پر اضافہ کو ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت لینے پر قیاس کرتے تھے۔ تو اللہ تعالی نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا، ادھار کی صورت میں قیمت میں اضافہ کرنا بیع میں شامل ہے جو جائز ہے جبکہ بر وقت ادائیگی نہ کرنیکی صورت میں اضافہ سود ہے جو حرام ہے

- ہر مدت کا معاوضہ سود نہیں ہوتا۔ مہلت کا اضافہ تب سود بنتا ہے جب انسان کے ذمہ قرض یا دَین (Debt) کی تاخیر یا اموال ربویہ کے تبادلے کی صورت میں ہو۔

نبی ﷺ نے سونے کے سونے کے ساتھ تبادلے میں دو شرطیں لگائیں ہیں:

۱۔ برابر برابر ہو۔

۲۔ دونوں جانب سے نقد ہو۔

اگر اسلام میں مدت کی قیمت کا اعتبار نہ ہوتا تو دونوں طرف سے نقد کی قید لگانے کی ضرورت نہ تھی۔ نیز ادھار کی صورت میں اضافہ بیع کے ضمن میں ہے اس لیے جائز ہے۔ فقہاء کرام نے بیع کے ضمن میں مدت کے اضافہ کو جائز قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: "المعاملات المالية المعاصرة: للدكتور وهبة زحيلى حفظه الله۔"

- یہ اضافہ ربا کی کسی قسم میں شامل نہیں۔ اس کا اقرار ان لوگوں کو بھی ہے جو اس کے مخالف ہیں۔ چنانچہ مفتی سیاح الدین کا کاخیل رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ادھار کی وجہ سے جو ثمن میں اضافہ کیا جاتا ہے اس کو عین ربا اور ربا حقیقی کی طرح حرام نہیں کہا جا سکتا کیونکہ فقہاء کرام اور حضرات مفسرین نے حقیقی ربا کی جو تعریف کی ہے اس کے مطابق یہ ربا کی تعریف میں داخل نہیں ہے۔ [حکمت قرآن: جنوری ۱۹۹۲، ص ۱۴]

Marfat.com

مزید لکھتے ہیں:

''سود سے اس کا فرق دو وجہوں سے ہے۔ایک تو یہ دَین پر اضافہ نہیں بلکہ شروع ہی سے ثمن مہنگا بتلا دینا ہے وہ اضافہ محض اس کے ذھن میں ہے نیز مدت کے بڑھنے کے ساتھ اس زیادتی میں اضافہ نہیں ہوتا۔'' [ماہنامہ حکمت قرآن: جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۱۶]

❁ محدثین کرام اور فقہائے عظام نے ''بیعتین فی بیعة '' کے مختلف مفاہیم بیان کیے ہیں۔

✳ بائع یہ کہے کہ یہ کپڑا نقد دس کا اور ادھار بیس کا۔مشتری کسی ایک قیمت کا تعین کیے بغیر خرید لے۔

✳ یہ کہا جائے کہ میں اپنا گھر تجھے اتنے میں بیچتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ نے اپنا غلام اتنے میں مجھے بیچنا ہے۔

✳ انسان کسی چیز کا سودا کرے مثلاً ایک قفیز گندم کا اور اس کی قیمت پیشگی ادا کر دے۔ گندم کی ادائیگی کے لیے ایک مہینہ مدت مقرر ہو جائے۔جب مقررہ وقت آئے تو فروخت کنندہ کہے کہ وہ گندم آپ مجھے دو مہینے کی مدت کے لیے دو قفیز کے عوض فروخت کر دیں۔[تحفة الاحوذی]

پہلی صورت کے ناجائز ہونے کی وجہ قیمت کا متعین نہ ہونا ہے۔دوسری صورت میں بیع مستقبل کی شرط پر پینڈنگ ہے اور آخری دو صورتوں میں ربا لازم آتا ہے جبکہ بیع تقسیط ان سب سے مختلف ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے بیع عِینَہ مراد ہے۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

((وفی السنن عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ((من باع بیعتین فی بیعة، فلہ او کسھا او الربا))و فیہ ایضا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اذا تبایعتم بالعینة و اتبعتم اذناب

Marfat.com

البقر وترکتم الجهاد فی سبیل الله ارسل الله علیکم ذلا لا یرفعه عنکم حتی ترجعوا الی دینکم و هذا کله فی بیعة العینة وهو بیعتان فی بیعة)) [مجموع فتاوی:ج:۲۹ص ۴۳۲]

من باع بیعتین اور اذاتبایعتم بالعینة یہ سب بیع عینہ کے متعلق ہیں اور یہی ایک بیع میں دو بیعیں کرنے کا معنی ہے۔

بیع عِینَہ کا مطلب:

بیع عِینَہ یہ ہے کہ فروخت کنندہ کوئی چیز ادھار زائد قیمت پر بیچ کر نقد کم قیمت پر خرید لے۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کو ایک سو دس روپے میں کتاب بیچی اور طے یہ ہوا کہ خریدار ایک مہینہ بعد ادائیگی کرے گا اگر فروخت کنندہ خریدار سے یہی چیز ایک سو روپے کے عوض نقد دوبارہ خرید لے تو یہ بیع عِینَہ ہوگی جو حرام ہے کیونکہ فروخت کنندہ نے دیا تو ایک سو روپیہ ہے مگر وصول ایک سو دس پانے ہیں یہی سود ہے چیز کا لین دین تو ایک حیلہ ہے۔

❁ مانعین کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشریح سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ مشتری ایک قیمت طے کئے بغیر چیز اٹھا کر لے جائے احتمال کی صورت میں جمہور کی تشریح ہی معتبر ہوگی۔ جنہوں نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مشتری نقد یا ادھار کی صراحت کیے بغیر چیز اٹھا کر لے جائے۔

ملاحظہ:

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ یہ جواز صرف اس وقت ہے جب ادائیگی میں تاخیر پر اضافی رقم خواہ وہ جرمانہ کے نام پر ہو وصول نہ کی جائے۔

دونوں صورتوں میں فرق ہے۔ پہلی صورت میں جب چیز کی ایک قیمت طے ہو جاتی ہے پھر اس میں اضافہ ممکن نہیں ہوتا خواہ ادائیگی مدت مقررہ پر کی جائے یا تاخیر کر کے۔

دوسری صورت میں فریقین کے درمیان قیمت طے ہونے کے بعد تاخیر پر جرمانہ

وصول کیا جاتا ہے۔ جو زمانہ جاہلیت کے سود "اما تقضی واما ان تربی" یا ادا کرو یا اضافہ کرو میں داخل ہے جو سراسر ناجائز ہے۔

ہمارے ہاں چونکہ قسطوں کی خرید وفروخت میں عموماً تاخیر پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے لہٰذا اس کو مطلق جائز قرار دینا درست نہیں ہے۔

خلاصہ

- کریڈٹ اور چارج کارڈز سودی ہیں لہٰذا ان کا استعمال حرام ہے۔
- ڈیبٹ کارڈ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔
- کمرشل انشورنس کی تمام قسمیں ناجائز ہیں۔
- روائتی بینکوں میں رائج لیزنگ سودی معاملہ ہے۔
- سٹاک مارکیٹ میں شیئرز کا لین دین درست ہے مگر فیوچر سیل، شارٹ سیل اور بدلہ جائز نہیں۔
- لین دین میں ہنڈی، پرامیسری نوٹ اور چیک کے استعمال میں شرعاً کوئی خرابی نہیں سوائے ان مواقع کے جہاں دونوں یا ایک جانب سے نقد ہونا شرط ہے۔
- بینک کے ذریعے ان کی وصولی اور اس پر معاوضہ دینا بھی جائز ہے۔
- جلد وصولی کی غرض سے بٹہ لگوانا سود میں شامل ہیں۔

پگڑی اجارہ قوانین کے خلاف ہے لہٰذا یہ درست نہیں۔

- ادھار میں نقد سے زیادہ قیمت لگائی جاسکتی ہے۔
- اکثر محدثین عظام نے ایک بیع میں دو بیع کی جو تشریح کی ہے بیع قسط اس میں شامل نہیں۔
- ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ عائد کرنا سود ہے۔

Marfat.com

باب چہارم

اسلامی بینکاری کی حقیقت!

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ روائتی بینکاری کا مکمل نظام خلاف شریعت اور غیر فلاحی ہے۔ مگر دوسری طرف یہ بھی امر واقع ہے کہ آج کے دور میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر تجارت اور لین دین میں بینک کا عمل دخل اس قدر بڑھ چکا ہے کہ اب اس سے پہلو بچانا ممکن نہیں رہا۔ اندریں حالات اسلامی اقتصادی ماہرین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کا قابل عمل اور شافی حل تلاش کریں اور ایسا بینکاری سسٹم متعارف کرائیں جو اسلامی اصولوں کے مطابق ہو۔

اس ضرورت کے پیش نظر بعض حضرات نے اسلامی بنکاری کے نام سے ایک متبادل پیش کیا ہے یقیناً ان حضرات نے اس میدان میں اپنی بہترین توانائیاں صرف کی ہیں مگر بدقسمتی سے ان کی طرف سے متعارف کرایا گیا متبادل اسلام کے مثالی اقتصادی نظام ''نفع ونقصان میں شراکت'' پر مبنی نہیں ہے اس وجہ سے علمی حلقوں میں ہدف تنقید بنا ہوا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ شرعی قواعد وضوابط کی روشنی میں رائج الوقت اسلامی بینکاری کا بے لاگ تجزیہ کر کے دیکھا جائے کہ یہ شریعت سے ہم آہنگ ہے یا نہیں؟

اسلامی بینکاری کا مطلب:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کی شرعی حیثیت پر گفتگو کرنے سے قبل اسلامی اقتصادی ماہرین کے حوالے سے اسلامی بینکاری کا صحیح مفہوم اور موجودہ اسلامی بینکاری کا مختصر خاکہ بیان کر دیا جائے تا کہ اسکی روشنی میں اسلامی بینکوں کے معاملات کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

بلاشبہ اسلامی بینکاری کی اوّلین شرط یہی ہے کہ وہ سود سے پاک ہو لیکن اسلامی

Marfat.com

بینک کہلانے کے لیے محض غیر سودی ہونا کافی نہیں بلکہ معاملات سے متعلق دیگر احکام شرعیہ کی پابندی بھی ضروری ہے۔ چنانچہ ماہرین اسلامی بینکاری کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

(المصرف الاسلامی هو :مؤسسة مالية مصرفية تزاول أعمالها وفق أحكام الشريعة الاسلامية) [المصارف الاسلامية بين النظرية و التطبيق :ص ١٧٤ للدكتور عبدالرزاق رحيم جدى]

''اسلامی بینک سے مراد بینکنگ سے متعلق ایسا مالیاتی ادارہ ہے جو اپنے معاملات شرعی احکام کے مطابق انجام دے۔''

ڈاکٹر رفیق یونس مصری اسلامی بینکاری پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

(أن المصرف لا يصير اسلاميا تماما اذا كف عن المحرمات فحسب ،بل لابد أيضا لكى يكون اسلاميا تماما من أن تكون عقوده مصممة وفق أحكام الشريعة من حيث شروطها وأركانها وخياراتها .....والخلاصة فان المصرف الاسلامى ليس هو المصرف الذى ينتهى عن الربا و سائر المحرمات ،بل هو المصرف الذى يعمل بالأوامر اضافة الى تركه النواهى) [المصارف الاسلامية ص:٨]

''بینک فقط حرام امور کے عدم ارتکاب سے مکمل اسلامی نہیں بن جاتا بلکہ اس کے مکمل اسلامی بننے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے معاملات اپنی شرائط ، ارکان اور اختیارات کے لحاظ سے بھی شریعت کے احکام کے موافق ہوں.....خلاصہ کلام یہ کہ اسلامی بینک وہ نہیں ہے جو صرف سود اور حرام امور سے اجتناب کرے بلکہ اسلامی بینک وہ ہے جو ممنوعہ امور کے ساتھ شرعی احکام کی بھی پابندی کرے۔''

اسلامی بینکاری کی مندرجہ بالا تعریف سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ صرف سود نکال دینے سے بینکاری سسٹم اسلامی نہیں بن جاتا تاوقتیکہ بینک کے تمام

Marfat.com

معاملات ہر پہلو سے شرعی احکام کے مطابق نہ ہو جائیں۔ یعنی غَرَر (Uncertainty) سے پاک ہوں، ایک عقد (Contract) میں دو معاملے یا دو شرطیں جمع نہ ہوں، ایسی شرط پر مشتمل نہ ہوں جو طے شدہ معاملے کے تقاضوں کے خلاف ہو یا ایسی چیز فروخت نہ کی جائے جو عقد بیع کے وقت بینک کے پاس موجود ہی نہ ہو وغیرہ۔

مروجہ اسلامی بینک اس تعریف پر کس حد تک پورا اترتے ہیں اس کا فیصلہ آئندہ صفحات کے مطالعہ سے بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی بینکاری کی تاریخ ابتدا:

بعض حضرات کے خیال میں موجودہ اسلامی بینکاری کا نقطہ آغاز مصر کا مت غمر نامی پراجیکٹ ہے جس نے 1963ء سے 1967ء تک تقریباً چار سال مت غمر نامی قصبے میں کام کیا۔

اس طرح ملائشیا میں ایک ادارہ ''حجاج کا انتظامی فنڈ اور بورڈ'' کے نام سے 1969 میں قائم ہوا تھا جو تبونگ حاجی کے نام سے مشہور ہے اس ادارے کو بھی اسلامی بینکاری کے ابتدائی تجربات میں شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں کیونکہ یہ دونوں ادارے معروف معنوں میں بینک نہیں تھے بلکہ یہ انتہائی محدود مقاصد کے لیے قائم کیے گئے تھے۔ مت غمر پراجیکٹ کا دائرہ عمل دیہی کاشتکاروں جبکہ تبونگ حاجی کے پیش نظر حجاج کو مالیات کی سہولت فراہم کرنا تھا۔ ظاہر ہے یہ مکمل بینکاری نہیں۔

بعض محققین مصر کے ناصر سوشل بینک (قیام 1971ء) کو پہلا باضابطہ اسلامی بینک قرار دیتے ہیں لیکن اسلامی بینکاری کے جدید ماہرین اس کو تسلیم نہیں کرتے ان کی رائے میں مکمل اسلامی بینکاری کا باقاعدہ آغاز 1975ء میں دبی اسلامی بینک سے ہوا۔

دبی اسلامی بینک کے بعد جس ادارے نے اس میدان میں نمایاں کردار ادا کیا وہ کویت فنانس ہاؤس (بیت التمویل الکویتی) کے نام سے 1977 میں وجود میں آیا۔

Marfat.com

اس کے بعد بھی مختلف ادوار میں مختلف اسلامی بینکوں کا قیام عمل میں آتا رہا ہے۔

اسلامی بینکاری کی ترقی وفروغ:

لیکن اسلامی بینکاری کو غیر معمولی ترقی اور فروغ 2002 کے بعد حاصل ہوا ہے۔ اس وقت دنیا کے تقریباً 75 ممالک میں اسلامی بینک کام کر رہے ہیں ان میں بعض غیر مسلم ممالک بھی شامل ہیں ۔صرف پاکستان میں مختلف بینکوں کی پانچ سو سے زائد برانچوں میں اسلامی بینکاری کے نام پر کام ہو رہا ہے۔ان میں سے بعض بینک تو مکمل طور پر اسلامی بینک کہلاتے ہیں جیسے میزان بینک، البرکہ بینک، بینک اسلامی پاکستان اور دبئ اسلامی بینک وغیرہ جبکہ بعض بنیادی طور پر تو سودی ہیں مگر ان میں اسلامی بینکاری کا شعبہ بھی قائم ہے۔اسلامی بینکاری کے حامی یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ نظام نہ صرف کامیابی سے چل رہا ہے بلکہ تیز رفتاری سے ترقی کی منازل بھی طے کر رہا ہے۔سرمایہ کاروں کی بڑی تعداد اس جانب راغب ہو رہی ہے۔اور عام لوگوں کا اعتماد بھی بڑھ رہا ہے۔

اسلامی بینکوں کے معاملات کا اجمالی تذکرہ:

اسلامی بینکوں کے معاملات کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ سرمایہ حاصل کرنے کے ذرائع۔

۲۔ سرمایہ فراہم کرنے (Financing) کے طریقے۔

۳۔ براہ راست سرمایہ کاری کی شکلیں۔

۴۔ بینکاری خدمات۔

سرمایہ حاصل کرنے کے ذرائع:

اسلامی بینکوں میں سرمایہ حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔

۱۔ قرض

۲۔ مضاربہ

کیونکہ عام بینکوں کی طرح اسلامی بینکوں میں بھی دو قسم کے ہی کھاتے کھولے جاتے ہیں۔

(i) جاری کھاتے (Current Accounts)

(ii) سرمایہ کاری کھاتے۔

جاری کھاتوں میں جمع رقوم بینک کے ذمے قرض ہوتی ہیں۔ روائتی بینکوں کی طرح اسلامی بینک بھی ان کھاتوں پر کوئی منافع نہیں دیتے۔ ان کھاتوں کا وہی حکم ہے جو عام بینکوں کے جاری کھاتوں کا ہے۔ جبکہ سرمایہ کاری کھاتوں کی مختلف صورتیں ہیں مگر بنیاد تقریباً سب کی مضاربہ ہی ہے۔

سرمایہ فراہم کرنے کے طریقے:

- مُرابَحہ۔
- اِجارہ۔
- مشارکہ متناقصہ۔
- تَوَرُّق۔
- سَلَم۔
- اِستِصنَاع۔

قرض حسنہ سے بینک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اس لیے اسلامی بینک قرض حسنہ جاری نہیں کرتے۔

شرکت و مضاربت میں نقصان کا بھی اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا اسلامی بینک شرکت و مضاربت کی بنیاد پر بھی سرمایہ فراہم نہیں کرتے۔ چنانچہ مروجہ اسلامی بینکوں کے ایک ترجمان صاحب لکھتے ہیں۔

''عام طور پر اسلامی بینک ڈیپازٹ سائیڈ پر تو مشارکہ و مضاربہ اختیار کرتے ہیں لیکن عام طور بعض مجبوریوں کی وجہ سے کلائنٹ کو مشارکہ و مضاربہ کی بنیاد پر سرمایہ

Marfat.com

فراہم نہیں کیا جاتا بلکہ اکثر مرابحہ، اجارہ، سلم یا ہوم مشارکہ وغیرہ کے ذریعے فنانس دی جاتی ہے۔'' [اسلامی بینکاری اور غرر ص12]

البتہ برآمد میں بعض دفعہ مشارکہ بھی کرلیا جاتا ہے کیونکہ برآمد میں بینک کو نقصان کا خاص خطرہ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ برآمد کنندہ کے پاس پہلے سے متعین آرڈر موجود ہوتا ہے قیمت بھی طے ہوتی ہے، لاگت کا بھی اندازہ ہوتا ہے نیز ایل سی کی وجہ سے ادائیگی بھی یقینی بلکہ خود بینک کے ذریعے ہوتی ہے اس وجہ سے کچھ اسلامی بینکوں میں بعض برآمد کنندگان کو مشارکہ کے ذریعے بھی فنانس دی جاتی ہے۔ تاہم موجودہ اسلامی بینکاری کی ترویج وترقی میں دوسرے طریقوں کی نسبت اس کا حصہ بہت کم ہے۔

براہ راست سرمایہ کاری کی شکلیں:

- مختلف کمپنیوں کے حصص کی خرید وفروخت، صکوک کا اجراء اور لین دین۔
- اہم نوعیت کے منصوبوں پر سرمایہ کاری کرنا۔
- ذیلی کمپنیاں جیسے تکافل کمپنی قائم کرکے کاروبار کرنا۔
- مختلف کرنسیوں کی خرید وفروخت۔

بینکاری خدمات:

- گارنٹی لیٹرز کا اجراء۔
- ایل سی کھولنا۔
- ڈرافٹ۔
- ایجنسی فیس کے عوض ہنڈیوں کی وصولی۔
- اورلاکرز کی سہولت مہیا کرنا۔

اسلامی بینکوں کا پیش کردہ متبادل مثالی نہیں:

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ شرعی اعتبار سے ''مرابحہ'' خرید

Marfat.com

وفروخت کا ایک طریقہ اور ''اجارہ'' کسی چیز کا حق استعمال حاصل کرنے کا ایک معاہدہ تو ہے لیکن یہ فائنانسنگ کے طریقے قطعاً نہیں ہیں اس لیے ''مرابحہ'' اور ''اجارہ'' کی اساس پر فائنانسنگ نہ تو شریعت کو مطلوب ہے اور نہ ہی تقسیم دولت کے حوالے سے سود مند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ اسلامی بینکوں کے حامی بھی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ مرابحہ اور اجارہ پسندیدہ متبادل نہیں۔ چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

''مرابحہ اور اجارہ (لیزنگ) والے فائنانسنگ کے طریقوں پر عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کا آخری نتیجہ سودی قرضے سے مختلف نہیں ہوتا، یہ اعتراض ایک حد تک درست بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی بنکوں اور مالیاتی اداروں کے شریعہ ایڈوائزری بورڈز اس نکتے پر متفق ہے کہ یہ فائنانسنگ کے مثالی طریقے نہیں ہیں اس لیے انہیں صرف ضرورت کے موقع پر ہی استعمال کرنا چاہیے اور وہ بھی شریعت کی طرف سے مقرر کردہ شرائط کا پورا پورا دھیان رکھتے ہوئے۔'' [اسلامی بینکاری کی بنیادیں ص19]

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

''یہ مرابحہ اور لیزنگ (Leasing) مطلوبہ اور پسندیدہ متبادل (Ideal Alternative) نہیں ہیں اور اس سے تقسیم دولت (Distribution Of Wealth) پر کوئی بنیادی اثر نہیں پڑتا۔'' [ج7 ص169]

چونکہ یہ متبادل غیر مثالی، غیر فلاحی اور نتائج کے اعتبار سے سودی نظام کے مماثل ہے اس لیے اسلامی نظریاتی کونسل نے جب یہ تجویز کیا تھا تو اس کو بڑے پیمانے پر اور غیر معینہ مدت کے لیے استعمال کرنے کی مخالفت کی تھی بلکہ کونسل کی رائے یہ تھی

''یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ یہ طریقے بالآخر سودی لین دین اور اس سے متعلقہ برائیوں کے از سر نو رواج کے لیے چور دروازے کے طور پر استعمال ہونے لگیں۔ لہٰذا یہ امر ضروری ہے ان طریقوں کا استعمال کم سے کم حد تک صرف ان صورتوں اور

Marfat.com

خاص حالات میں کیا جائے جہاں یہ ناگزیر ہوں اور اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے کہ یہ طریقے سرمایہ کاری کے عام معمول کی حیثیت اختیار کر لیں۔"

[رپورٹ بلاسود بینکاری ص:13]

یاد رہے کونسل کی یہ رپورٹ جدید اسلامی بینکاری کیلئے خشتِ اول شمار ہوتی ہے اس رپورٹ میں صاف کہا گیا ہے کہ یہ متبادل ناسازگار ماحول کے لیے ہے۔ سودی لین دین کا مثالی نعم البدل نفع ونقصان میں شراکت یا قرض حسنہ کی بنیاد پر سرمایہ کی فراہمی ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کو وسعت دی جائے اور تمام دوسرے متبادل طریقے ختم کر دیئے جائیں۔ مگر افسوس اسلامی بینکوں میں اس جانب خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہو رہی بلکہ غیر پسندیدہ طریقوں کو ہی اصل سمجھ لیا گیا ہے۔

اسلامی بینکوں کا عذر:

مروجہ اسلامی بینک نفع ونقصان میں شراکت کی بنیاد پر سرمایہ فراہم نہ کرنے کا یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ آج کل معاشرے میں بد دیانتی عام ہے جو شخص اس اصول پر بینک سے رقم لے گا وہ ہمیشہ نقصان ہی ظاہر کرے گا یوں بینک بھی خسارے میں رہے گا اور اس کے ذریعے ڈپازیٹر کو بھی نقصان پہنچے گا۔

بلاشبہ شرکت ومضاربت میں یہ عملی مشکل ہے لیکن اسے بہانہ بنا کر غیر پسندیدہ متبادل پر قانع ہو کر بیٹھ جانا اور اس کو شریعت کے عین مطابق قرار دینا بھی قابل ستائش رویہ نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی مشکل بھی نہیں جس کا حل نہ نکالا جا سکے۔ سودی بینکوں کے نادہندگان بھی ناقابل وصول قرضوں کی مشکلات پیدا کرتے رہتے ہیں مگر وہ قرضے دینا بند نہیں کرتے بلکہ احتیاطی تدابیر اختیار کر کے اس کے امکانات کم کرتے ہیں۔ شرکت و مضاربت میں بھی احتیاطی تدابیر، اکاؤنٹس اور آڈٹ کے شفاف نظام سے اس پر بآسانی قابو پایا جا سکتا ہے۔ نیز یہ قانون بھی اس برائی کے سد باب میں ممد ومعاون ثابت ہو سکتا

Marfat.com

ہے کہ جو شخص یا ادارہ ایک مرتبہ بد دیانتی کا مرتکب پایا گیا آئندہ کوئی بینک اسے سرمایہ نہیں دے گا۔ اگر مؤثر طریقے سے اس نظام کو آگے بڑھایا جائے تو اس کے حوصلہ افزاء نتائج سامنے آسکتے ہیں۔

جائنٹ اسٹاک کمپنیوں کی مثال ہمارے سامنے ہے بد دیانتی کے باوجود وہ اپنی بیلنس شیٹ میں نفع ظاہر کرتی ہیں۔ خود اسلامی بینک کھاتہ داروں سے مضاربت کی بنیاد پر سرمایہ حاصل کرتے ہیں مگر آڈٹ اور سنٹرل بینک کی نگرانی کی وجہ سے کھاتہ داروں کی رقوم نہ صرف محفوظ ہوتی ہیں بلکہ منافع بھی ملتا ہے۔

مروجہ اسلامی بینکاری علماء کی نظر میں:

اس میں دوسری رائے نہیں کہ اسلامی مالیاتی نظام کا نفاذ دینی طبقہ کی دیرینہ خواہش ہے مگر اسلام کے نام پر جس قسم کی بینکاری متعارف کرائی گئی ہے علماء اس پر مطمئن نہیں ہیں۔ گنتی کے چند علماء کو چھوڑ کر باقی علماء اسے مسترد کر چکے ہیں۔ ان کی رائے میں یہ بھی سودی نظام ہی ہے کیونکہ عملاً دونوں میں کوئی فرق نہیں سوائے اسکے کہ اسلامی بینک شرعی اصطلاحات مرابحہ، اجارہ اور مشارکہ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ ملک کے معروف علماء کا فتویٰ ہے:

> ''اسلام کی طرف منسوب مروجہ بینکاری قطعی غیر شرعی اور غیر اسلامی ہے لہذا ان بینکوں کے ساتھ اسلامی یا شرعی سمجھ کر جو معاملات کئے جاتے ہیں وہ ناجائز اور حرام ہیں اور ان کا حکم دیگر سودی بینکوں کی طرح ہے۔'' [ماہنامہ ''بیّنات'' کراچی ص82 اکتوبر 2008ء]

بلکہ بعض حلقے تو اسلامی بینکاری کو تشویش کی نظروں سے بھی دیکھ رہے ہیں ان کے خیال میں اسلامی بینکاری ایک سازش ہے جس کا مقصد ان لوگوں کی دولت سے فائدہ اٹھانا ہے جو سود سے نفرت کرتے ہیں اور وہ اپنے اس عقیدہ کی بنیاد پر روایتی بینکوں کے ساتھ کوئی معاملہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

Marfat.com

موجودہ اسلامی بینکوں پر تنقید کی وجوہ:

ہماری رائے میں مروجہ اسلامی بینکوں پر ہونے والی تنقید کے پیچھے یہ سوچ ہرگز کار فرما نہیں کہ ہماری معیشت کے لیے سود ناگزیر ہے یا اس جدید دور میں شرعی احکام قابلِ عمل نہیں رہے" نعوذ باللّٰہ من ذلك "بلکہ اس کی ایک وجہ تو وہی ہے جو اوپر ذکر ہوئی ہے کہ بنیادی طور پر ''مرابحہ اور اجارہ'' فائنانسنگ کے طریقے نہیں ہیں اور نہ ہی تقسیم دولت پر ان کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اس کی دوسری وجہ اسلامی بینکوں کا طریقہ کار ہے جس پر اسلامی کی بجائے روائتی بینکاری کی چھاپ غالب ہے۔ ذیل میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ کا مقصد فائنانسنگ ہے نہ کہ حقیقی اجارہ:

اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ، مشارکہ متناقصہ سے بینک کی اصل غرض ذاتی ضرورت یا تجارتی اور پیداواری مقاصد کے لیے افراد یا اداروں کو سرمایہ مہیا کر کے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ حقیقی اجارہ یا شراکت کا ارادہ نہیں ہوتا۔ جہاں صرف سرمایہ فراہم کر کے فائدہ حاصل کرنا مقصود ہو حقیقی اجارہ اور شراکت کا ارادہ نہ ہو وہ معاملہ رقم پر منافع لینے کے ہی مترادف ہوگا۔ کیونکہ معاملات میں مقصد کو دیکھا جاتا ہے نہ کہ الفاظ کو۔ چنانچہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰى))

[صحیح بخاری : باب کیف کان بدء الوحی]

''اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر شخص کے لیے وہی ہوگا جس کی اس نے نیت کی۔''

قانونِ اسلامی کا معروف قاعدہ ہے:

((العبرة فی العقود للمقاصدو المعانی لا للالفاظ))

''معاملات میں مقاصد و معانی کا خیال رکھا جاتا ہے نہ کہ الفاظ کا۔''

Marfat.com

عظیم محدث امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فعلم ان الا عتبار فی العقود والافعال بحقائقها ومقاصد ها دون ظواهر الفاظها وافعالها)) [اعلام الموقعين: ج٣، ص: ٢٨٠]

''معلوم ہوا کہ معاملات اور افعال میں اصل اعتبار ان کے حقائق اور مقاصد کا ہے۔ظاہری الفاظ اور افعال کا نہیں۔''

اسلامی بینکاری کے معروف سکالر ڈاکٹر رفیق یونس مصری لکھتے ہیں:

((لو ان هذين الاثنين اللذين اشتركا فی ملكية العقار اتفقا منذ الاشتراك فی العقار علىٰ ان يسدد احدهما اقساطا محددة ، يصبح مالكا بعد ها للعقار كله ،سواء كان خلال المدة مستاجرا لحصة شريكه او غير مستاجر لها ،فان هذا بنظر ی غير جائز و كذلك لو اتفقا قبل الدخول فی شركة العقار ان يبيع احدهما للاخر حصته بيع تقسيط فهذا غير جائز لا لان بيع التقسيط غير جائز بل لانه شاركه علىٰ ان يبيعه فعرف ان المراد ليس هو الشركة ولا البيع ولاالايجار انما المراد هو التمويل ،ودخول البيع والا يجار عليه انما الغرض هو الوصول الىٰ فائدة من وراء هذا التمويل))

[المصارف الاسلاميه:ص ٤١]

''اگر یہ دونوں جو رئیل پراپرٹی کی ملکیت میں شراکت دار ہیں شروع ہی سے اس بات پر اتفاق کرلیں کہ ان میں سے ایک متعینہ اقساط ادا کر کے مکمل پراپرٹی کا مالک بن جائے گا خواہ دورانِ مدت شریک کے حصے کا کرایہ ادا کرے یا نہ کرے، تو میری نظر میں یہ معاملہ جائز نہیں۔اسی طرح اگر یہ دونوں رئیل پراپرٹی کی شراکت میں داخل ہونے سے پہلے اس پر متفق ہو جائیں کہ ان میں سے ایک اپنا حصہ قسطوں میں دوسرے کو بیچ دے گا یہ بھی جائز نہیں اس لیے نہیں کہ بیع قسط ناجائز ہے بلکہ اس

Marfat.com

لیے کہ اس نے اس شرط پر شراکت داری کی ہے کہ وہ اپنا حصہ اسے فروخت کر دے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی شراکت، بیع اور اجارہ مقصود نہیں بلکہ مقصود فنانسنگ ہے بیع اور اجارہ کو اس پر داخل کرنے کی غرض فنانسنگ کے پردے میں فائدہ حاصل کرنا ہے۔"

حاصل کلام یہ کہ معاملات میں ظاہری الفاظ کو خاص اہمیت نہیں دی جاتی بلکہ مقصد کو دیکھا جاتا ہے اس اصول کے مطابق اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ اور مشارکہ متناقصہ ناجائز ہیں کیونکہ بینک کا مقصد حقیقی اجارہ یا مشارکہ کی بجائے مالیاتی ثالثی کے ذریعے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ اس میں اور سود پر رقم کے لین دین میں کوئی فرق نہیں ہے۔

شرح سود کو معیار بنانا:

اسلامی بینک مرابحہ اور اجارہ وغیرہ کو جو اپنی اصل کے اعتبار سے طریقہ ہائے تمویل (Modes of Financing) نہیں ہیں کو تمویلی سرگرمیوں کے لیے استعمال کرتے وقت اپنے نفع کا تعین شرح سود کے مطابق کرتے ہیں۔ چنانچہ مروجہ اسلامی بینکاری کے ایک سرگرم حامی لکھتے ہیں۔

"چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ موجودہ حالات میں اسلامی بینک عام طور پر مروجہ بینکوں کے باہمی شرح سود کو معیار (Bench Mark) کے طور پر استعمال کر کے اپنے نفع یا کرایہ کا تعین کرتے ہیں جیسے پاکستان میں کائبور (Karachi inter bank offered :Kibor rate) سود کی وہ شرح جس پر کراچی کے بینک ایک دوسرے سے لین دین کرتے ہیں۔) کو معیار بنایا جاتا ہے اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ [اسلامی بینکاری، ایک حقیقت پسندانہ جائزہ: ص 52]

موصوف نے اس کو جواز بخشنے کے لیے جو تاویل کی ہے اس پر وہ خود بھی مطمئن نہیں یہی وجہ ہے کہ ایک صفحہ بعد ہی "متبادل کی تلاش بھی کرنی چاہیے" کا عنوان قائم کر دیا ہے۔

دوسری جگہ مرابحہ میں نفع کو کائبور کے ساتھ مربوط کرنے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

Marfat.com

''اس صورت میں اس اعتبار سے تو عقد درست ہو جاتا ہے کہ بیچی گئی چیز کی قیمت متعین ہو جاتی ہے لیکن اس اعتبار سے اس میں ناپسندیدگی کا عنصر شامل ہو جاتا ہے کہ اس میں ایک شرح سود کو بطورِ بینچ مارک استعمال کیا گیا ہے۔اس لیے اسلامی بینکوں کو چاہیے کہ کوئی اسلامی بینچ مارک تشکیل دیں تا کہ اس ناپسندیدگی کے عنصر کا بھی خاتمہ ہو سکے۔'' [اسلامی بینکاری اور غرر: ص56]

مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب جو متعدد اسلامی بینکوں کی شرعی رہنمائی کا فرض سرانجام دے رہے ہیں روزنامہ امت کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''مثالی نظام مشارکہ اور مضاربہ معاشی انصاف فراہم کر سکتا ہے وہ وقت ابھی دور ہے کیونکہ مشارکہ اور مضاربہ کا استعمال Assests سائڈ پر بہت کم ہوتا ہے اور استعمال کم ہوئے پھر ان کی بنیاد پر Investment کم ہے لہٰذا اس کی جگہ ثانوی نوعیت کی پراڈکٹ اجارہ، مرابحہ Musharaika, Diminishing وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ان میں مشکل یہ ہے کہ Bench mark وہی رہتا ہے جو سودی نظام میں ہے۔اس کے معانی یہ ہیں کہ آپ کو روپیہ ادھار دینے کی بجائے کتاب بیچ دی کہ چھ مہینے بعد دینا۔کتاب بیچی لیکن نفع Fix کر دیا اور ایک مخصوص مدت بعد وصولی کا معاہدہ کر لیا۔اس منافع کمانے کا بینچ مارک وہی ہے جو سودی نظام کا ہے اس لیے اسلامی نظام کے معاشرے پر جو اثرات ہونے چاہیے تھے وہ ابھی تک نہیں ہو رہے۔'' [روزنامہ امت: 4 دسمبر 2005ء ص 5، 7]

حضرت مفتی صاحب بجا فرماتے ہیں کہ اجارہ، مرابحہ ثانوی نوعیت کے پراڈکٹ ہیں اور معاشرے پر ان کے وہ اثرات بھی مرتب نہیں ہو رہے جو اسلامی نظام کے ہونے چاہیں۔تو کیا ہم یہ پوچھنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ پھر اس کو وقت کی ضرورت قرار دے کر فتووں کے ذریعے اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟

اسلامی بینکوں کا طریقہ بھی سودی بینکوں جیسا ہے:

- سودی بینکوں کا طریقہ ہے کہ وہ مقررہ مدت کے لیے رقم دیتے ہیں اور اس پر زائد

Marfat.com

منافع (انٹرسٹ) کے نام سے وصول کرتے ہیں اس کو سود کہتے ہیں۔ اسلامی بینک بھی براہ راست چیز خریدنے کی بجائے کلائنٹ کو ہی کہتے ہیں کہ وہ اپنی مطلوبہ چیز خود خرید لے پھر مقررہ مدت تک بینک کو منافع کے ساتھ اقساط ادا کرتا رہے۔ اس کو ایجنسی ایگریمنٹ کا نام دیا جاتا ہے یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ بینک نے کلائنٹ کو خریداری کیلئے اپنا وکیل بنا دیا ہے۔ یہ تکنیک سودی قرض کے ہی مشابہ ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی بینکاری کے حامی بھی اس کو جائز نہیں سمجھتے۔ [ملاحظہ فرمایئے: المعاییر الشرعیہ ص 112 اور اسلامی بینکاری کی بنیادیں ص 164]

- سودی بینک کھاتہ داروں کو متعین منافع دیتے ہیں جو سود کے زمرہ میں آتا ہے۔ اسلامی بینک بھی یہی تأثر دیتے ہیں ثبوت کے لیے دیکھیے روزنامہ نوائے وقت 30 جولائی 2008 صفحہ 2 پر ایمیریٹس اسلامی بینک اور الفلاح اسلامی بینک کی طرف سے دیا گیا الگ الگ اشتہار۔ ایمیریٹس اسلامی بینک نے اپنے اشتہار میں 11.75 فیصد سالانہ منافع کا لالچ دیا ہے البتہ سٹار لگا کر ایک جانب باریک سا لکھ دیا ہے:

''پانچ سالہ ڈپازٹس پر گذشتہ ماہ کا اعلان کردہ منافع۔''

جبکہ الفلاح اسلامی بینک نے تین سالہ ٹرم ڈپازٹ پر 10.1 فیصد ''حلال منافع'' دینے کا وعدہ کیا ہے اور سٹار لگا کر باریک سا یہ لکھ دیا ہے:

''یہ مذکورہ منافع جون 2008ء میں دیا گیا آئندہ مختلف ہوسکتا ہے۔''

یہ سٹارنگ بھی دراصل مخالفین کو چپ کروانے کے لیے ہے۔ ورنہ حقیقت میں سودی بینکوں کی طرح پہلے سے متعین منافع دیا جاتا ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ الفلاح اسلامی بینک نے 26 جولائی 2008ء کو اپنے ڈپازیٹرز کے نام جو لیٹر جاری کیا ہے اس میں سٹار کے بغیر صاف لکھا ہے۔

''ہمارے ہاں اکاؤنٹ کھلوا کر ہائی پرافٹ ریٹ حاصل کریں۔''

Marfat.com

اور مختلف مدتوں کے لحاظ سے مختلف ریٹ دیے گئے ہیں۔

- اگر آپ سودی بینک کے ساتھ لیز پر گاڑی لینے کا معاملہ کرتے ہیں تو بینک بکنگ کے لیے رقم جمع کروانے کی تاریخ سے ہی اپنا کرایہ وصول کرنا شروع کر دے گا خواہ آپ کو گاڑی تین ماہ بعد ملے کیوں؟

اس لیے کہ سودی نظام کا تقاضا ہے کہ جو رقم بینک کے کھاتے سے نکل گئی ہے بینک کو اس کا سود وصول ہو۔ کلائنٹ کو گاڑی کب ملتی ہے بینک کو اس سے غرض نہیں۔ اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ میں بھی یہی ہوتا ہے مگر اس ترمیم کے ساتھ کہ اسلامی بینک ان تین ماہ کا کرایہ گاڑی ملنے کے بعد اس طرح وصول کرتا ہے کہ یا تو اس کو تمام اقساط میں ایڈجسٹ کر دیتا ہے یا پہلی قسط زیادہ رکھ کر یکمشت وصول کر لیا جاتا ہے۔ ثبوت کے لیے دیکھیے ماہر اسلامی بینکاری جناب محمد ایوب کی کتاب Under standing Islamic Finance صفحہ:296۔ اسلامی بینک ان تین ماہ کا کرایہ سودی طریقہ کار کے تحت ہی لیتا ہے۔

تاخیر پر جرمانہ:

سودی بینکوں کی طرح اسلامی بینک بھی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ کرتے ہیں جو کہ اسلامی بینک کے زیرِ نگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروایا جاتا ہے۔ یہاں بھی سودی فارمولا اختیار کیا جاتا ہے کہ ایک تو جرمانہ واجب الادا رقم کے تناسب سے عائد کیا جاتا ہے اور دوسرا تاخیر کی مدت بڑھنے کے ساتھ جرمانہ کی رقم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

شریعت میں تاخیر پر جرمانہ کا تصور نہیں ہے:

قرآن وحدیث میں تاخیر پر جرمانہ کا تصور موجود نہیں اور نہ ہی فقہاء اس کی اجازت دیتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((لا يحل ذنب من الذنوب مال انسان وان قتل نفسا))

[الطرق الحكمية:ص ٢٤٧]

''قتل سمیت کوئی گناہ انسان کے مال کو حلال نہیں کرتا۔''

Marfat.com

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((انما العقوبة فی الابدان لا فی الاموال)) [سنن بیهقی: باب مایستدل به علیٰ ترك تضعیف الغرامة:ص۲۸۸]

''سزا صرف جسمانی ہے نہ کہ مالی۔''

فقہ حنبلی کی معروف کتاب المغنی میں ہے:

((والتعزیر یکون بالضرب والحبس والتوبیخ ولا یجوز قطع شیء منه ولا جرحه ولااخذ ماله لان الشرع لم یرد بشیء من ذلك عن احد یقتدی به)) [ایضًا۔ ج ۲۰، ص ۳۶۹]

''تعزیر مارنے، قید کرنے اور ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعے ہوتی ہے اس کا کوئی حصہ کاٹنا یا اسے زخمی کرنا یا اس کا مال لینا جائز نہیں کیونکہ جن لوگوں کی اقتداء کی جاتی ہے ان کے حوالے سے شریعت میں اس طرح کی کوئی چیز بیان نہیں ہوئی۔''

فقہاء حنفیہ کے نزدیک بھی مالی جرمانہ جائز نہیں۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((والحاصل ان المذهب عدم التعزیر بأخذ المال))

[البحر الرائق شرح کنز الدقائق :فصل فی التعزیر ج۱۳ ص۱۶۸]

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ حنفی مذہب کے مطابق مال لے کر تعزیری سزا جائز نہیں۔''

فتاویٰ دارلعلوم دیوبند میں درمختار کے حوالے سے لکھا ہے:

((لا یاخذ المال فی المذهب))

[فتاویٰ دا رالعلوم: ج۱۲، ص۲۵۲]

''حنفی مذہب کے مطابق مالی جرمانہ درست نہیں۔''

نیز اسی صفحہ کے آخر میں ہے کہ جرمانہ مالی شرعاً درست نہیں۔

ماہرین اسلامی بینکاری کی نظر میں بھی جرمانہ جائز نہیں:

چونکہ ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ کے متعلق اسلامی بینکوں کا نقطہ نظر دلائل سے عاری

Marfat.com

ہے اس لیے 1984 تک اسلامی بینکاری کے ماہرین کی بھی یہی رائے تھی کہ جرمانہ خواہ نیکی اور بھلائی کے کاموں پر خرچ کرنے کی نیت سے کیا جائے وہ جائز نہیں۔ چنانچہ جب دوسرے البرکہ سیمینار میں جو 4 تا 8 نومبر 1984 تیونس میں منعقد ہوا یہ سوال پیش کیا گیا:

''اسلامی بینک کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ مقروض کے لیے ضمنی طور پر یہ شرائط طے کرے کہ اگر وہ وقت پر قرض ادا نہیں کرے گا تو اسے اضافی رقم ادا کرنی ہوگی اور بالخصوص جب بینک یہ اضافی رقم نیکی اور بھلائی کے کاموں پر کرچ کرنے کے ارادے سے حاصل کرنا چاہتا ہو؟۔''

اس موقع پر اسلامی بینکاری کے جید علمائے کرام اور ماہرین معاشیات نے جو تحقیقات پیش کیں ان کا لب لباب یہ تھا کہ:

''یہ جائز نہیں ہے۔'' [جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں: ص 43]

امام حطاب رحمہ اللہ کے قول سے غلط استدلال:

اسلامی بینکوں کے بعض حامی جرمانہ کے حق میں امام حطاب رحمہ اللہ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں۔

((اما اذا التزم المدعی علیه للمدعی انه ان لم یوفه حقه فی وقت کذا و کذا فله علیه کذا و کذا فهذا لا یختلف فی بطلانه لانه صریح الربا.....الی قوله و اما اذا التزم انه لم یوفه حقه فی وقت کذا فعلیه کذالفلان او صدقة للمساکین فهذا هو محل الخلاف)) [اسلام اور جدید معیشت وتجارت: ص 145 از تقی عثمانی بحوالہ تحریر الکلام فی مسائل الالتزام]

''جب مدعا علیہ مدعی کے لیے اپنے اوپر یہ لازم کرلے کہ اگر وہ اس کا فلاں وقت پر حق ادا نہیں کرے گا تو وہ اس کو اتنی رقم ادا کرے گا تو اس کے باطل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ یہ صریح سود ہے اور جب یہ پابندی عائد کرلے کہ فلاں وقت

Marfat.com

اس کا حق ادا نہ کیا تو میں اتنے پیسے فلاں کو دوں گا یا مساکین پر صدقہ کروں گا تو اس کے جواز میں (قضاء) اختلاف ہے"

اگر غور کیا جائے تو امام طاب رحمہ اللہ کے اس قول سے اسلامی بینکوں میں رائج مالی جرمانہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

- ایک تو اس لیے کہ اسلامی بینکوں میں تاخیر پر جو جرمانہ وصول کیا جاتا ہے وہ واجب الادا رقم کے تناسب سے ہوتا ہے اور مدت بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ بھی ہوتا جاتا ہے جبکہ امام طاب رحمہ اللہ کا یہ منشا قطعاً نہیں ہے۔
- دوسرا اس لیے کہ امام طاب رحمہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ یہ کہے کہ میں اتنی رقم قرض خواہ کو دوں گا یا اس کی وساطت سے صدقہ کروں گا بلکہ انہوں نے تو فرمایا ہے کہ مدیون (Debtor) یہ کہے کہ میں اتنی رقم فلاں کو یعنی کسی دوسرے کو دوں گا یا مساکین پر صدقہ کروں گا اسلامی بینکوں میں یہ شرط ہوتی ہے کہ وہ اتنا جرمانہ بینک کے زیرنگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروائے گا۔
- تیسرا اس لیے کہ امام طاب رحمہ اللہ نے التزام کا لفظ بولا ہے جس کا مطلب ہے کہ مدیون اپنے ذمہ یہ لے نہ کہ دوسرا شخص یہ شرط لگائے۔ اس کے برعکس اسلامی بینکوں میں بینک کی طرف سے یہ شرط ہوتی ہے۔

اسلامی بینکوں کا نقطہ نظر:

اسلامی بینکاری کے حامی کہتے ہیں ٹھیک ہے شریعت میں تاخیر پر جرمانہ درست نہیں مگر چونکہ اس سے بینک کی آمدن میں اضافہ نہیں ہوتا اس لیے یہ جائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک بینک کی آمدن میں اضافہ نہیں ہوتا مگر مدیون کی جیب سے تو اتنی رقم نکل جاتی ہے شریعت کا یہ منشا تو ہرگز نہیں ہے کہ قرض خواہ کی آمدن میں اضافہ ہو تو جرمانہ ناجائز ہے ورنہ جائز۔ اوپر فقہاء کے حوالے سے ہم نے جو عبارتیں نقل کی ہیں وہ بھی اس تاویل کو قبول کرنے سے اباء کر رہی ہیں۔ نیز خود

Marfat.com

اسلامی بینکاری کے سکالرز بھی اس کی اجازت نہیں دیتے۔

اسلامی بینک نان رسک ہیں:

سودی بینکوں کی طرح اسلامی بینک بھی Non Risk ہیں۔اس کی واضح مثال یہ ہے کہ جب کوئی اسلامی بینک کے ساتھ مرابحہ یا اجارہ کا معاملہ کرنے جاتا ہے تو بینک اس سے اچھی خاصی رقم جو عام طور پر مطلوبہ چیز کی قیمت کا دس فیصد ہوتی ہے ٹوکن منی (حامش جدیہ) کے نام سے وصول کرتا ہے تا کہ اگر بعد میں وہ شخص چیز لینے سے انکار کر دے اور بینک کو وہ چیز دوسری جگہ قیمت لاگت سے کم پر فروخت کرنی پڑے تو بینک اس ٹوکن منی سے اپنا نقصان پورا کر سکے۔سوال پیدا ہوتا ہے کیا اسلامی بینکوں کے نزدیک یہ خطرہ مول لینا Risk میں شامل نہیں؟ ممکن ہے اسلامی بینکنگ کے محققین فرمائیں کہ ہمارے نزدیک اس قسم کے خطرے میں پڑنا Risk میں شامل نہیں اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دوسری جگہ بیچنے پر بینک کو فائدہ ہو کیا وہ یہ نفع خریداری کا آڈر دینے والے شخص کو دینے کے لیے تیار ہے؟ ظاہر ہے بینک اس پر تیار نہیں ہوگا۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بینک نقصان اٹھانے کے لیے تیار نہیں تو نفع کس بنیاد پر لیتا ہے؟

اسلامی بینکاری کے حامیوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بینک کے لیے اس طرح کا خطرہ مول لینا ممکن نہیں کیونکہ بینک بنیادی طور پر تجارتی ادارہ نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ان حضرات کے موقف کی تائید ہے جو کہتے ہیں کہ روائتی بینکوں کی طرح اسلامی بینک بھی صرف مالیاتی ثالث کا کردار ادا کرتے ہیں یعنی بچت کنندگان سے رقمیں جمع کر کے دوسروں کو فراہم کرتے ہیں اور ان سے مقرر شرح سے جو منافع ملتا ہے اس سے اپنا حصہ رکھ کر باقی کھاتہ داروں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔اشیاء کا لین دین تو صرف ایک حیلہ ہوتا ہے جو کاغذات کی حد تک ہوتا ہے عملاً بینک کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اسلامی بینکنگ کے حامی جس کو Risk قرار دیتے ہیں وہاں بھی بینک خود کو

Marfat.com

انشورنس کے ذریعے محفوظ رکھتا ہے اور انشورنس کی رقم بھی لاگت میں شمار کر کے کلائنٹ سے وصول کر لیتا ہے ۔یعنی رسک کی ساری ذمہ داری کلائنٹ کی ہے ۔ اسلام میں حقیقی Risk اٹھائے بغیر نفع لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسلامی بینکوں میں رائج طریقہ ہائے تمویل (Modes of Financing):

علاوہ ازیں اسلامی بینکوں میں سرمایہ کاری اور لوگوں کی مالی ضرورتیں پوری کرنے کے جو طریقے مضاربہ، مرابحہ، مشارکہ، اجارہ اور بیع تورق رائج ہیں وہ اس سادہ صورت میں موجود نہیں جو کتب حدیث وفقہ میں بیان ہوئی ہیں۔جیسا کہ ذیل کی تفصیل سے ثابت ہوتا ہے۔

مضاربہ:

اسلامی بینکوں میں سرمایہ کاری کھاتے تقریبا مضاربہ کی بنیاد پر ہی کھولے جاتے ہیں۔مضاربہ کو قراض اور معاملہ بھی کہا جاتا ہے اس کا اطلاق کاروبار کی اس صورت پر ہوتا ہے جس میں

''ایک سرمایہ کار (جس کو رب المال کہتے ہیں) اپنا سرمایہ کسی تاجر (مضارب یا عامل) کو دیتا ہے تا کہ وہ اس سے تجارت کرے۔اور اس تجارت سے جو نفع حاصل ہو اس میں دونوں آپس میں طے شدہ تناسب سے شریک ہوں۔''

چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((القراض والمضاربة ان يدفع اليه ما لا ليتجر فيه والربح مشترك)) [المنهاج : كتاب القراض ج ۱ ص ۲۲۹]

''قراض اور مضاربہ کا یہ مطلب ہے کہ ایک شخص دوسرے کو مال دے تا کہ وہ اس میں تجارت کرلے اور نفع دونوں میں مشترک ہو۔''

نیل المآرب میں ہے:

((وهي شرعا ان يدفع انسان من ماله الى انسان آخر شيئاً او

Marfat.com

یکون له تحت یده علی سبیل الودیعة او الغصب مال ویاذن له لیتجر فیه ویکون الربح بینهما بحسب ما یتفقان علیه))

[نیل المآرب شرح دلیل الطالب ص ۱۹٤]

''مضاربہ کا شرعی معنی یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اپنے مال میں سے کچھ دے یا اس کا مال پہلے ہی سے بطورِ امانت اس کے پاس پڑا ہو یا اس نے غصب کر رکھا ہو اور وہ اس کو اجازت دے دے کہ وہ اس میں تجارت کرے اور نفع ان دونوں کے درمیان اس تناسب سے ہوگا جس پر وہ متفق ہوں۔''

الملخص الفقهی میں مضاربہ کا مفہوم یوں بیان ہوا ہے:

((دفع مال معلوم لمن یتجربه ببعض ربحه)) [ایضاً۔۲۔ص ۷۱]

''نفع کے کچھ حصے کے بدلے مال اس شخص کے حوالے کرنا جو اس کو تجارت میں لگائے۔''

مضاربہ کی صورت میں اگر تجارت میں خسارہ ہو جائے تو اس کا ذمہ دار صرف سرمایہ کار کا ہوتا ہے۔تاجر اس میں حصہ دار نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ اپنی محنت کے ثمرہ سے محروم رہتا ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

((الوضیعة علی المال والربح علی ما اصطلحوا علیه))

[مصنف عبد الرزاق: ج۸ ص ۲٤۸]

''نقصان سرمایہ کار کا ہوگا اور نفع اس تناسب سے جس پر انہوں نے اتفاق کیا ہو۔''

مضارب کی حیثیت:

امام ابن قیم رحمہ اللہ کے نزدیک مضارب کی چار حیثیتیں ہیں:

(۱) امین (۲) اجیر (۳) وکیل (۴) شریک

وہ فرماتے ہیں کہ امین تو وہ اس اعتبار سے ہے کہ مال اس کے قبضہ میں ہے اور مال میں تصرف کے اعتبار سے وہ وکیل ہے (مال کے مالک کا نمائندہ) اور عملی اعتبار سے اجیر

Marfat.com

ہے جب اس مال میں نفع حاصل ہو جائے تو تب وہ شریک ہوگا۔

[الملخص الفقهی: ج ۲، ص ۷۱]

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں جو مال مضارب کے حوالے کیا گیا ہے وہ اس کے پاس امانت ہے اور وہ اس میں وکیل بھی ہے کیونکہ وہ مال کے مالک کے حکم سے تصرف کرتا ہے جب فائدہ ہو تب وہ شریک بن جاتا ہے کیونکہ اپنے عمل کی بدولت مال کے ایک حصے کا مالک بن چکا ہے۔[هدایه مع البنایه: ج ۱۰، ص ٤٤، ٤٥]

مضاربہ کی شرطیں:

مضاربہ میں جن شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے ان میں سے ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ نفع میں فریقین میں سے ہر ایک کے حصہ کا تناسب پہلے سے طے ہو مثلاً نفع سرمایہ کار اور تاجر میں برابر تقسیم ہوگا یا سرمایہ کار نفع کے ساٹھ فیصد اور تاجر چالیس فیصد کا حقدار ہوگا کیونکہ مضاربہ میں اصل عقد منافع پر ہوتا ہے اگر یہ مجہول ہو تو مضاربہ فاسدہ ہو جائے گا۔ جیسا کہ بدائع الصنائع ج ۱۳ ص ۱۷۱ میں ہے۔ امام مالک کے نزدیک نفع کی تقسیم کے وقت سرمایہ کار کا موقع پر موجود ہونا بھی ضروری ہے چنانچہ مؤطا میں ہے:

((قال مالك: فی رجل دفع الی رجل مالا قراضا فعمل به فربح فارادا ان یاخذ حصته من الربح وصاحب المال غائب قال لاینبغی له ان یاخذ منه شیئا الا بحضرة صاحب المال))

[کتاب القراض: باب المحاسبه فی القراض]

''اس شخص کے بارے میں جو دوسرے کو مضاربہ کی بنیاد پر مال دیتا ہے وہ اسے کام میں لا کر نفع حاصل کرتا ہے اب وہ یہ چاہتا ہے کہ مال کے مالک کی غیر موجودگی میں ہی نفع سے اپنا حصہ لے لے امام مالک نے فرمایا جب تک مال کا مالک موجود نہ ہو اس کو یہ حق نہیں پہنچتا۔''

اسی طرح اگر کسی آدمی نے دوسرے کو مضاربہ کی بنیاد پر مال دیا اس نے تجارت کے

Marfat.com

ذریعے نفع کمایا پھر راس المال کو الگ کر کے نفع سے اپنا حصہ لے لیا اور سرمایہ کار کا حصہ گواہوں کی موجودگی پر مال میں شامل کر دیا، امام مالک فرماتے ہیں کہ جب تک مال کا مالک موجود نہ ہو نفع تقسیم کرنا درست نہیں۔ اگر مضارب نے از خود کوئی چیز لی ہو تو وہ اسے واپس کرے حتیٰ کہ مال کا مالک اپنا مال وصول پالے پھر جو باقی بچے اس کو دونوں آپس میں تقسیم کر لیں۔ [حوالہ مذکورہ]

امام مالک رحمہ اللہ کی بات ہر لحاظ سے عقلی میزان پر پورا اترتی ہے اس لیے کوئی دانشور اس سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ بات تو سیدھی سی ہے کہ جب سرمایہ کار اور تاجر دونوں نفع میں شریک ہیں تو کیا تاجر کا فرض نہیں کہ وہ سرمایہ کار کو اعتماد میں لے اور بتائے کہ میں نے یہ کاروبار کیا اتنے اخراجات آئے باقی یہ نفع ہے نہ کہ سب فیصلے خود ہی کر لے۔

مضاربہ کا میدان:

اکثر فقہاء کے نزدیک مضاربہ کا مال تجارتی سرگرمیوں کے علاوہ استعمال نہیں کیا جا سکتا چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((عقد القراض يقتضى تصرف العامل فى المال بالبيع والشراء ، فإذا قارضه على أن يشترى به نخلا يمسك رقابها ويطلب ثمارها لم يجز لانه قيد تصرفه الكامل بالبيع والشراء، ولان القراض مختص بما يكون النماء فيه نتيجة البيع والشراء وهو فى النخل نتيجة عن غير بيع وشراء فبطل أن يكون قراضا ولا يكون مساقاة، لانه عاقده على جهالة بها قبل وجود ملكها، وهكذا لو قارضه على شراء دواب أو مواشى يحبس رقابها ويطلب نتاجها لم يجز لما ذكرنا))

[المجموع: ج١٤ ص ٣٧١]

''عقد مضاربہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ مضارب مال میں خرید و فروخت کے ذریعے تصرف کرے چنانچہ جب وہ اس طرح مضاربہ کرے کہ وہ اس مال سے کھجوروں

Marfat.com

کے درخت خریدیگا اوران سے پھل حاصل کرے گا تو یہ جائز نہیں کیونکہ قید یہ ہے کہ کامل تصرف خرید وفروخت کے ذریعے ہو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مضاربہ ان معاملات کے ساتھ مختص ہے جہاں مال میں اضافہ خرید وفروخت کے نتیجے میں ہو جبکہ کھجوروں میں یہ اضافہ خرید وفروخت کے نتیجے میں نہیں اس لیے اس کا مضاربہ باطل ٹھہرا اور یہ مساقات کا معاملہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ اس صورت میں یہ کھجوروں کی ملکیت وجود میں آنے سے پہلے مجہول درختوں پر عقد ہوگا اسی طرح اگر اس طرح مضاربہ کرلے کہ وہ جانور یا مویشی خریدے گا جو بذات خود تو اس کے پاس محفوظ ہونگے مگر ان کی پیداوار حاصل کرے گا تو یہ بھی جائز نہیں وجہ وہی ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہے یعنی یہ نفع خرید وفروخت کے نتیجے میں حاصل نہیں ہوا۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

((لو قارضه على أن يشترى الحنطة فيطحنها ويخبزها والطعام ليطبخه ويبيعه والغزال لينسجه والثوب أو ليقصده والدبغ بينهما فهو فاسد.....قارضه على دراهم على أن يشترى نخيلا أو دواب أو مستغلات ويمسك رقابها لثمارها ونتاجها وغلاتها وتكون الفوائد بينهما فهو فاسد لأنه ليس ربحاً بالتجارة بل من عين المال))[روضة الطالبين: ج۲، ص۱۸۸]

''اس کا مطلب یہی ہے کہ مضاربہ کا مال تجارتی سرگرمیوں کے علاوہ دوسری پیداواروں سکیموں میں استعمال نہیں ہوسکتا جیسے کوئی اس بات پر مضاربہ کرلے کہ وہ گندم خرید کر اسے پیسے گا اور روٹی پکا کر اسے بیچے گا اور نفع دونوں میں تقسیم ہوگا تو یہ مضاربہ فاسدہ ہوگا کیونکہ یہ نفع تجارت کے ذریعے حاصل نہیں ہوا بلکہ خود مال سے جنم لیا ہے''

امام ابوالقاسم عبدالکریم الرافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((لو قارضه على ان يشترى الحنطة فيطحنها ويخبزها

Marfat.com

والـطـعـام ليطبخه ويبيع والربح بينهما فهو فاسد ..... أن الـطبـخ والـخبز ونحوهما أعمال مضبوطة يمكن الاستئجار عـليهـا ومـا يمكن الاستئجار عليه فيستغنى عن الفراض إنما الـقـراض لـمـا لا يـجوز الاستئجار عليه وهو التجارة التى لا ينضبط قدرها)) [فتح االعزيز، شرح الوجيز: ج١٢، ص١١]

''یعنی مضاربہ کے مال سے صرف تجارت کی جاسکتی ہے دوسرے نفع بخش کاموں میں لگانے کی اجازت نہیں کیونکہ مضاربہ وہاں ہوتا ہے جہاں اجارہ نہ ہو سکے اور وہ تجارت ہے جہاں اجارہ ہو سکے وہاں مضاربہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

فقہاء حنفیہ کے نزدیک بھی مضاربہ کا مال صرف تجارت اور اس سے متعلقہ سرگرمیوں میں ہی لگایا جاسکتا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

((فينتظم العقد صنوف التجارة وما هو من صنيع التجار))

[هدايه مع البنايه: ج ١٠ ص ٥٢]

''مضاربہ کا عقد تجارتی سرگرمیوں کو ہی شامل ہے جبکہ یہ (خاص مسئلہ کی طرف اشارہ) تاجروں کا کام نہیں ہے''

دوسری جگہ ایک مسئلہ کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ یہ:

''امام محمد اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک اس لیے جائز نہیں کہ یہ تجارت میں شامل نہیں اور عقد مضاربہ کا مقصد صرف تجارت میں کسی کو ایجنٹ بنانا ہے۔''

مزید لکھتے ہیں:

''جب یہ تجارت نہیں تو مضاربہ میں بھی شامل نہیں۔''

[ہدایہ مع البنایہ: ج ۱۰ ص ۸۷]

علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

((لَوْ قَارَضَهُ عَلَى أَنْ يَشْتَرِيَ بِالدَّرَاهِمِ نَخْلًا لِيَسْتَغِلَّهُ ، وَالرِّبْحُ

Marfat.com

بَيْنَهُمَا ؛ لِأَنَّ مَا حَصَلَ لَيْسَ بِتَصَرُّفِ الْعَامِلِ ، وَإِنَّمَا هُوَ مِنْ عَيْنِ الْمَالِ))[البهجة الوردية :باب القراض: ج١١، ص ٤٨٠]

''اگر کوئی یوں مضاربہ کرلے کہ وہ درہموں سے کھجوروں کے درخت خریدے گا تاکہ ان کی آمدن حاصل کرے اور نفع دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں جو نفع حاصل ہوا ہے وہ مضارب کے تصرف کا نتیجہ نہیں ہے وہ تو خود مال کا کمال ہے۔''

مذکورہ بالا عبارتیں اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ ان جلیل القدر فقہاء کے نزدیک مضاربہ کا مال تجارتی سرگرمیوں کے علاوہ دوسرے نفع بخش منصوبوں میں استعمال نہیں ہوسکتا۔

ایک تو اس لیے کہ دوسرے منصوبوں کے ذریعے جو فائدہ حاصل ہوگا وہ مضارب کی محنت کی بجائے خود مال کا نتیجہ ہوگا۔ جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ اور علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

اور دوسرا اس لیے کہ مضاربہ اس چیز میں ہوتا ہے جو غیر منضبط ہو اور وہ صرف تجارت ہے۔ جہاں اجارہ ہو سکے وہاں مضاربہ کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ امام عبد الکریم الرافعی نے ذکر کیا ہے۔

چونکہ دلائل کے اعتبار سے یہ نقطہ نظر قوی ہے اس لیے اسلامی بینکاری کے حامی بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ بنیادی طور پر مضاربہ تجارت میں ہی ہوتا ہے۔ دوسرے زرعی اور صنعتی منصوبوں میں اس کا استعمال اس کے مفہوم میں وسعت پیدا کر کے کیا جانے لگا ہے چنانچہ عالمی سطح پر اسلامی بینکوں کی شرعی رہنمائی کے لیے قائم تنظیم

''هيئة المحاسبة والمراجعة للمئوسات المالية الاسلامية ''

Accounting And Auditing Organization for Islamic Financial Institutions (مخفف:AAOFI) کے شائع کردہ المعايير الشرعية (شریعہ سٹینڈرڈز) میں ہے۔

Marfat.com

((والمضاربة من الصيغ التى تستخدم غالبا فى التجارة ثم توسعت استخداماتها حتى شملت مجالات الاستثمار التجارية والزراعية والصناعية والخدمية وغيرها)) [ايضًا۔ص ۲۳۲]

''مضاربہ ان طریقوں میں سے ہے جو زیادہ تر تجارت میں استعمال کیا جاتا ہے پھر اس کے استعمال میں وسعت پیدا ہوگی یہاں تک کہ تجارتی، زرعی اور صنعتی سرمایہ کاری وغیرہ کو بھی شامل ہوگیا۔''

مضاربہ کے مفہوم میں یہ وسعت کس نے پیدا کی کب کی اور کس بنیاد پر کی؟ ہمیں پورا یقین ہے کہ اسلامی بینکنگ کے حامیوں کے پاس اس کا کوئی ایسا جواب نہیں ہے جو اہل علم کو مطمئن کر سکے یہی وجہ ہے کہ المعايير الشرعية کے قابل احترام علمائے کرام نے اس کے متعلق اس سے زیادہ لب کشائی نہیں فرمائی۔

اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ کی حقیقت:

اگر اسلامی بینکاری کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ میں اوپر بیان کردہ اصولوں اور شرطوں کا پوری طرح خیال نہیں رکھا جاتا اور نہ ہی یہ عدل وانصاف پر مبنی ہے۔ اسکی وضاحت کے لیے ذیل کی سطور ملاحظہ فرمائیں۔

- اگرچہ اسلامی بینکوں میں یہ سہولت موجود ہے کہ اگر کوئی ڈیپازیٹر یہ جاننا چاہے کہ نفع کی تقسیم کس تناسب سے ہوگی تو متعلقہ بینک کے ذمہ دار بتانے کے پابند ہیں یا وہ خود بھی بینک کی ویب سائٹ پر دیکھ سکتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی ہوتا ہے کہ ڈیپازیٹر سے جس فارم پر دستخط کروائے جاتے ہیں اس میں صاف لکھا ہوتا ہے کہ بینک یہ تناسب تبدیل کرنے کا بھی مجاز ہے تاہم اس صورت میں بینک کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ تبدیل شدہ تناسب اپنی ویب سائٹ پر جاری کرے یا لکھ کر نوٹس بورڈ پر

آویزاں کرے۔اب یہ تبدیل شدہ تناسب کتنی مدت کے لیے ہوگا اس کا ذکر نہیں ہوتا حالانکہ اسلامی بینکنگ کے مؤیدین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ صراحت ہونی چاہیے کہ نفع کی تقسیم کا یہ فارمولا کب تک چلے گا۔[:المعاییر الشرعیۃ ص:۲۲۴]

❁ اسلامی بینک منافع کی تقسیم کے لیے مدت اور رقم کی کمی بیشی کی بنیاد پر ڈیپازیٹرز کی رقوم کا الگ الگ ''وزن'' مقرر کرتے ہیں یعنی جس کی رقم اور مدت زیادہ ہو اس کا وزن زیادہ اور جس کی کم ہو اس کا وزن کم رکھا جاتا ہے۔مثلاً میزان بینک کی ویب سائٹ سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق ماہِ اپریل 2008ء کا ویٹج اسائنڈ یوں ہے:اگر رقم 10,000 سے لیکر ایک لاکھ سے کم تک ہو تو ویٹج 0.31 ہوگا اور اگر رقم ایک لاکھ سے لیکر 0.99 ملین تک ہو تو ویٹج 0.36 تک ہوگا۔نفع کی تقسیم کا یہ طریقہ کار بھی سودی ذہنیت کی غمازی کرتا ہے۔

مروجہ اسلامی بینکاری کے محققین اس کی تائید میں سب سے بڑی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ مختلف شرکاء کے لیے منافع کی مختلف شرحیں طے کی جاسکتی ہیں یعنی ایک فریق کے لیے نفع کا تناسب چالیس اور دوسرے کیلئے پچاس فیصد رکھا جاسکتا ہے مگر ہمارے یہ محققین یہ بھول گئے کہ اس کو مدت اور رقم کی کمی بیشی سے جوڑنے میں ربا کا شبہ پایا جاتا ہے لہٰذا اس کو مطلق جائز قرار دینا خطرے سے خالی نہیں۔

یہاں ایک اور زیادتی بھی کی جاتی ہے وہ یہ کہ مضاربہ میں بینک کی اپنی رقم بھی ہوتی ہے لیکن بینک اس کا وزن ڈیپازیٹر کی رقوم سے زیادہ رکھتا ہے۔مثلاً اسی ماہ اپریل میزان بینک نے اپنی رقم کا ویٹج 1.7 رکھا ہے۔یہ فرق خود اس اصول کے بھی خلاف ہے وہ اس طرح کہ اگر بینک نے مضاربہ میں مثلاً ایک ارب روپیہ لگایا ہے اور اس میں نوے کروڑ کھاتہ داروں کا اور دس کروڑ بینک کا تو اس اصول کے مطابق کھاتہ داروں کی رقم کا ویٹج بینک کی رقم سے زیادہ ہو جانا چاہیے کیونکہ مجموعی اعتبار سے کھاتہ

Marfat.com

داروں کی رقم زیادہ ہے لیکن بینک نے الٹا اپنی رقم کا وٹیج زیادہ رکھا ہوتا ہے اگر یہ اصول درست ہے تو بینک اور کھاتہ دار دونوں کے لیے یکساں ہونا چاہیے۔

فائدہ: رقم کی کمی بیشی کی بنیاد پر مختلف وزن دینے کو خود اسٹیٹ بینک غلط کہہ چکا ہے۔ دیکھیے B-C-D کا جاری کردہ سرکیولر نمبر 6 بتاریخ 12-7-1987۔

ممکن ہے یہاں کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب اسٹیٹ بینک نے ۱۹۸۷ء میں اس سے روک دیا تھا پھر اسلامی بینک ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعد میں جب کچھ وجوہ کی بنا پر یہ پابندی اٹھالی گئی تو اسلامی بینکوں نے بھی استفادہ شروع کر دیا مگر سوال یہ ہے کہ کیا اسٹیٹ بینک کی پابندی ختم ہونے سے ایک غلط کام جائز ہو جاتا ہے۔

❁ اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ میں تیسری خرابی یہ ہے کہ ڈیپازیٹر بینک کا شریک ہے۔ اس ناطے بینک پر لازم ہے کہ اس کو اعتماد میں لے جس طرح بینک اپنے شیئر ہولڈرز کے ساتھ معاملہ کرتا ہے اور بورڈ آف ڈرائریکٹر شیئر ہولڈرز کی نمائندگی کرتا ہے۔ بینک سے متعلقہ ہر چیز اس کے علم میں ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ڈیپازیٹر کو کوئی علم نہیں ہوتا کہ بینک کیا کر رہا ہے اور کتنا نفع ہوا ہے جو بینک دے دے کھاتہ دار پر اس کو قبول کرنا فرض ہوتا ہے۔ اسلامی بینکوں کے فارمز میں بھی یہ درج ہوتا ہے کہ بینک نے جو نفع تقسیم کر دیا ڈیپازیٹر اس کو قبول کرنے کا پابند ہوگا کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہوگا۔ ہم اسلامی بینکاری کے حامیوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ شرط قرین انصاف ہے؟

اسلامی بینکاری کے سکالر ڈاکٹر رفیق یونس مصری اسلامی بینکنگ میں حائل موانع اور مشکلات ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((الا ان المودعین یشکون من صعوبة اخری هی انهم شرکاء فیما بینهم بالمال ولکنهم مشتتون لا تجمعهم ای

Marfat.com

جمعية او هيئة لحماية مصالحهم حيال المساهمين فی المصرف الذين تجمعهم جمعية عمومية ويمثلهم مجلس ادارة)) [المصارف الاسلاميه: ص ٢٥]

''بلاشبہ ڈیپازیٹر ایک اور مشکل کا شکوہ کرتے ہیں وہ یہ کہ وہ مال کے ساتھ بینک کے شریک ہیں لیکن بینک میں حصہ دار جن کی نمائندگی بورڈ آف ڈرائیکٹرز کر رہا ہوتا ہے کے مقابلے میں ان کے مفادات کے تحفظ کے لیے کوئی تنظیم یا بورڈ نہیں۔''

- چوتھی بڑی خرابی یہ ہے کہ اسلامی بینک فقہاء کی اکثریت کے نقطہ نظر کے مطابق مضاربہ کا مال صرف تجارت میں ہی نہیں لگاتے بلکہ دوسرے منصوبوں پر بھی لگاتے ہیں۔

مرابحہ (Murabaha):

مروجہ اسلامی بینکوں نے فنانسنگ کے جو مختلف طریقے متعارف کرائے ہیں ان میں سرفہرست مرابحہ ہے۔ جس کو اسلامی بینکنگ کے نام پر وسیع پیمانے پر فروغ حاصل ہوا ہے۔

بیع مرابحہ کا مفہوم یہ ہے۔

''فروخت کنندہ کوئی چیز اس وضاحت کے ساتھ بیچے کہ میں نے یہ اتنے میں خریدی ہے اور اب اتنے منافع کے ساتھ فلاں قیمت پر تمہیں فروخت کرتا ہوں۔''

چنانچہ علامہ موفق الدین ابی محمد عبداللہ بن احمد بن محمد قدامہ حنبلی مقدسی فرماتے ہیں:

((مَعْنَى بَيْعِ الْمُرَابَحَةِ ، هُوَ الْبَيْعُ بِرَأْسِ الْمَالِ وَرِبْحٍ مَعْلُومٍ ، وَيُشْتَرَطُ عِلْمُهُمَا بِرَأْسِ الْمَالِ فَيَقُوْلُ رَأْسُ مَالِيْ فِيْهِ أَوْ هُوَ عَلَيَّ بِمِائَةٍ بِعْتُك بِهَا ، وَرِبْحُ عَشَرَةٍ)) [المغنی:٦ص، ٢٦٦]

''مرابحہ کا معنی ہے اصل لاگت اور متعین نفع کے ساتھ فروخت کرنا اس میں ضرور ہے کہ فروخت کنندہ اور مشتری کو اصل لاگت معلوم ہو، چنانچہ بیچنے والا کہے کہ اس

Marfat.com

میں میرا اصل سرمایہ سو ہے یا یہ مجھے ایک سو کی پڑی ہے میں آپ کو دس نفع لے کر اتنے میں بیچتا ہوں۔''

لغت کی مشہور کتاب ''المعجم الوسیط'' میں ہے:

((هو بيع برأس المال مع زيادة معلومة))

اصل قیمت پر متعین نفع کے ساتھ فروخت کرنا بیع مرابحہ ہے۔ عام بیع اور مرابحہ میں یہ فرق ہے کہ عام بیع میں چیز کی اصل قیمت اور اپنا نفع بتانا ضروری نہیں ہوتا جبکہ مرابحہ میں مشتری کو اصل قیمت سے آگاہ کرنا لازمی شرط ہے۔

مُرابَحہ کی ضرورت اور اس کے بنیادی اصول:

مرابحہ ایک تمدنی اور معاشرتی ضرورت ہے کیونکہ ہر آدمی میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ کسی چیز کو اس کی اصل قیمت پر مناسب نفع کے بدلے خرید سکے بعض دفعہ تو فروخت کنندہ اصل قیمت سے بھی کئی گنا زیادہ نفع مانگ لیتا ہے۔ اس بناء پر انسان سوچتا ہے کہ کوئی ایسا شخص مل جائے جو اپنی لاگت پر معقول نفع لے کر بیچنے پر تیار ہو۔ اس لحاظ سے بیع مرابحہ کی بنیاد امانت داری پر ہے لہٰذا اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ یہ ہر قسم کی خیانت اور غلط بیانی سے مبرا ہو اور مشتری کو اصل قیمت کا علم ہو جیسا کہ ''الموسوعة الفقية الكويتية'' میں ہے۔

((يشترط ان يكون الثمن الاول معلوما للمشترى الثانى لان العلم بالثمن شرط فى صحة البيوع فاذا لم يعلم الثمن الاول فسد العقد))

''اس میں یہ شرط ہے کہ مشتری ثانی کو پہلی قیمت کا علم ہو۔ کیونکہ بیوع کے صحیح ہونے کے لیے قیمت کا علم شرط ہے۔ جب پہلی قیمت کا علم نہیں ہوگا تو عقد فاسد ہو جائے گا۔''

مرابحہ کی مختلف قسمیں اور ان کا شرعی حکم:

نفع کے تعین کے اعتبار سے مرابحہ کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ پوری قیمت پر نفع کی ایک مخصوص مقدار مقرر کر لی جائے۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ اس قیمت سے اتنے روپے زائد میں بیچتا ہوں یہ صورت سب کے نزدیک جائز ہے۔

چنانچہ علامہ موفق الدین ابی محمد عبداللہ بن احمد بن محمد قدامہ حنبلی مقدسی رقم طراز ہیں:

((فَهٰذَا جَائِزٌ لَا خِلَافَ فِیْ صِحَّتِهِ، وَلَا نَعْلَمُ فِیْهِ عِنْدَ أَحَدٍ كَرَاهَةً)) [المغنی: ٦ ص ٢٦٦]

''یہ جائز ہے کہ اس کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہمیں نہیں علم کہ اس کے متعلق کسی سے کراہت منقول ہو۔''

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نفع کا ایک خاص تناسب طے کر لیا جائے مثلاً یوں کہا جائے کہ اصل قیمت پر اتنے فیصد زائد نفع وصول کروں گا۔ صحابہ اور فقہاء کے ہاں یہ صورت بیع دَہ یازْ دَہ'' یا'' دَہ دَوازْ دَہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس چیز میں میرا اصل سرمایہ اتنے روپے ہے اور میں ہر دس کے بدلے ایک روپیہ یا ہر دس کے بدلے دو روپے نفع لوں گا اس کے جواز میں اختلاف ہے۔

قاضی شریح سعید بن مسیّب اور ابراہیم نخعی اس کے جائز ہونے کے قائل ہیں۔

چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں:

((عن شريح وسعيد بن المسيب وابراهيم النخعي انهم كانوا يجيزون بيع ده دوازده)) [السنن الكبرىٰ: كتاب البيوع، باب المرابحه]

''شریح سعید بن مسیّب اور ابراہیم نخعی بیع دہ دوازدہ جائز قرار دیتے ہیں۔''

امام ابن سیرین رحمہ اللہ سے منقول ہے:

((لا باس بيع ده دوازده)) [مصنف عبدالرزاق: كتاب البيوع، باب بيع ده دوازده]

Marfat.com

''بیع دہ دوازدہ میں کوئی حرج نہیں۔''

امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

((لَا بَأْسَ الْعَشَرَةُ بِأَحَدَ عَشَرَ ، وَيَأْخُذُ لِلنَّفَقَةِ رِبْحًا))

[صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب من اجری الامصار علی مایتعارفون بینهم فی البیوع والاجازة]

''اس میں کوئی حرج نہیں کہ دس کو گیارہ کے بدلے بیچے اور اخراجات پر بھی نفع وصول کریں۔''

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

((أَیْ لَا بَأْسَ أَنْ يَبِيْعَ مَا اِشْتَرَاهُ بِمِائَةِ دِيْنَارٍ مَثَلًا كُلُّ عَشَرَةٍ مِنْهُ بِأَحَدَ عَشَرَ فَيَكُوْنُ رَأْسُ الْمَالِ عَشَرَةً وَالرِّبْحُ دِيْنَارًا))

[فتح الباری: ج ٤ ص ٥١٣]

''یعنی اس میں کوئی حرج نہیں کہ جو چیز سو دینار کی خریدی ہے وہ اس طرح بیچے کہ ہر دس کے بدلے گیارہ دینار لوں گا تو اصل مال دس دینار ہوئے اور ایک دینار نفع۔''

امام ثوری رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ اہل الرائے اور ابن منذر کی رائے میں بھی یہ جائز ہے۔[المغنی: ٦ ص ٢٦٦]

اس کے برعکس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے میں مرابحہ کی یہ صورت ناجائز ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((بیع ده دوازده ربا)) [مصنف عبدالرزاق: کتاب البیوع، باب بیع ده دوازده]

''بیع دہ دوازدہ سود ہے۔''

Marfat.com

اور عبداللہ بن ابی یزید کہتے ہیں:

((سمعت ابن عباس یکره بیع ده دوازده قال وَذاك بیع الاعاجم))[السنن الکبریٰ للبیهقی و مصنف عبدالرزاق: کتاب البیوع ،باب المرابحة]

''میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ وہ بیع دہ دوازدہ کو مکروہ سمجھتے تھے فرماتے تھے یہ عجمیوں کی بیع ہے۔امام احمد نے بھی اس کو مکروہ کہا ہے اور امام اسحاق بن راہویہ کے خیال میں بھی یہ ناجائز ہے۔''

راجح رائے:

اگر فریقین کے دلائل کا موازنہ کیا جائے تو حسب ذیل وجوہ کے باعث ان بزرگوں کی رائے راجح معلوم ہوتی ہے جو اس کے حق میں ہیں۔

- قرآن وحدیث میں کوئی ایسی نص نہیں جو اس کی حرمت پر دلالت کرتی ہو۔نیز اس سے کسی شرعی ضابطے کی خلاف ورزی بھی نہیں ہوتی۔
- پہلی قسم کی طرح اس میں بھی ہر چیز واضح ہے اصل لاگت بھی معلوم ہوتی ہے اور نفع بھی متعین ہے۔
- جہاں تک عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آثار کا تعلق ہے انکے بارہ میں امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

((وهذا یحتمل ان یکون انمانهی عنه إذا قال هو لك بده یازده أو قال بده دوازده لم یسم راس المال ثم سماه عند النقد و کذلك ما روی عن ابن عمر فی ذلك))[السنن الکبریٰ : کتاب البیوع،باب المرابحة]

''اس کا مطلب ہے کہ یہ ممانعت تب ہے جب یہ کہے کہ یہ چیز میں تجھے اس طرح فروخت کرتا ہوں کہ ہر دس کے بدلے ایک یا ہر دس کے بدلے دو نفع لوں گا۔اصل

Marfat.com

لاگت کا تذکرہ نہ کرے پھر ادائیگی کے وقت اس کی وضاحت کرے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کا بھی یہی مطلب ہے۔ یاد رہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر سنداً بھی ثابت نہیں کیونکہ اس کو سفیان بن عیینہ صیغہ عن سے بیان کررہے ہیں اور وہ مدلس ہیں۔

مرابحہ میں ضمنی اخراجات کا حکم:

یہاں یہ امر بھی قابل ملاحظہ ہے کہ بیچی جانے والی چیز پر جو اخراجات آتے ہیں فروخت کنندہ ان کو بھی اصل لاگت میں شامل کر کے مجموعی لاگت پر نفع حاصل کرسکتا ہے۔ اوپر صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ فروخت کنندہ اخراجات پر بھی نفع لے سکتا ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

((للبائع ان یحسب فی المرابحة جمیع ما صرفه ویقول قام علی بکذا)) [فتح الباری:٤ ص ٥١٣]

''مرابحہ میں بائع کو یہ بھی حق ہے کہ وہ تمام اخراجات کو شمار کر کے یہ کہے کہ مجھے یہ چیز اتنی رقم (قیمت) میں پڑی ہے۔

بیع مرابحہ اور بینکاری:

مذکورہ بالا تفصیل سے مرابحہ کا شرعی تصور اور اس کے اصول ومبادی نکھر کر سامنے آگئے ہیں اور یہ بھی واضح ہوگیا ہے کہ اس کا بینکاری کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ اسلامی بینکاری کے حامی مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ اصطلاح آج کل معاشی حلقوں میں ایک بینکاری کے طریقے کے طور پر مروج ہے۔ جبکہ مرابحہ کا اصل تصور اس خیال سے مختلف ہے۔ مرابحہ اصل میں اسلامی فقہ کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد ایک قسم کی بیع ہوتی ہے۔ جس کا اپنے اصل تصور کے اعتبار سے تمویل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔'' [اسلامی بینکاری کی بنیادیں: ص ٩٦]

Marfat.com

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''بنیادی طور پر مرابحہ طریقہ تمویل نہیں بلکہ بیع کی ایک خاص قسم ہے۔شریعت کی رو سے تمویل کے مثالی طریقے ''مشارکہ ''اور''مضاربہ ''ہیں۔''

آگے چل کے لکھتے ہیں:

''یہ بات کسی صورت نظر انداز نہیں ہونی چاہیے کہ مرابحہ اصل کے اعتبار سے طریقہ تمویل نہیں۔یہ تو صرف سود سے بچنے کا ایک وسیلہ اور حیلہ ہے۔ایسا مثالی ذریعہ تمویل نہیں جو اسلام کے معاشی مقصد کی تکمیل کرتا ہو۔''[اسلامی بینکاری کی بنیادیں:۱۰۸]

اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ:

اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ اصل میں''المرابحة للآمر بالشراء یا المرابحة للواعد بالشراء یعنی خریداری کا آرڈر دینے یا خریداری کا وعدہ کرنے والے کے ساتھ مرابحہ کا معاملہ کرنا ہے۔اس کو مرابحہ مُرَکَّبہ بھی کہتے ہیں۔

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کلائنٹ بینک سے درخواست کرتا ہے کہ آپ میرے لیے اس کوالٹی کی فلاں فلاں چیز خرید لیں میں وہ مرابحہ کی بنیاد پر آپ سے خرید لوں گا۔شرح منافع کا تعین پہلے ہی ہو جاتا ہے۔اور اس کا تعین شرح سود سے کیا جاتا ہے۔عام طور پر بینک کلائنٹ کی دلچسپی جانچنے کے لیے ٹوکن منی (الحامش الجدی) بھی وصول کرتا ہے پھر جب بینک حسب وعدہ مطلوبہ سامان خرید لیتا ہے تو باقاعدہ بیع کے ذریعے کلائنٹ کو فروخت کرتا ہے اور کلائنٹ عموماً اپنے وعدے کے مطابق خریدنے کا پابند ہوتا ہے۔بعض دفعہ بینک پر بھی وعدے کی پابندی لازم ہوتی ہے لیکن عموما بینک آزاد ہی ہوتا ہے۔اگر بینک کے سامان خریدنے کے بعد کلائنٹ حسب وعدہ خریدنے سے انکار کر دے تو بینک وہ سامان کسی دوسرے کو بیچ دیتا ہے اور اصل لاگت سے جتنا

Marfat.com

خسارہ ہوتا ہے وہ وعدہ کرنے والے سے وصول کرتا ہے۔ بینک چونکہ تجارتی ادارہ نہیں اس لیے وہ خود سامان خریدنے کی بجائے اس کلائنٹ کو ہی خریداری کے لیے وکیل مقرر کر دیتا ہے کہ آپ یہ سامان خود خرید لیں۔ اور اکثر کلائنٹ اپنا سپلائر بھی خود متعین کرتا ہے اور اس کا مطالبہ ہوتا ہے کہ بینک اسی سے مطلوبہ سامان خرید کر اسے فروخت کرے۔ کلائنٹ کا بینک کے ساتھ یہ معاہدہ بھی ہوتا ہے کہ بیع کے بعد اگر اس نے وعدے کے مطابق ادائیگی نہ کی تو وہ اتنی رقم بینک کے زیرنگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروائے گا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ قطعاً وہ نہیں جس کو ہمارے اسلاف نے جائز قرار دیا ہے بلکہ اس میں اور شرعی مرابحہ میں کئی اعتبار سے فرق ہے۔

- شرعی مرابحہ میں بیچا جانے والا سامان تاجر کے پاس پہلے سے موجود ہوتا ہے اس کے برعکس اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ میں مطلوبہ سامان بینک کے پاس موجود نہیں ہوتا۔
- شرعی مرابحہ میں چونکہ تاجر نے سامان خریداری کے آرڈر یا وعدہ کے بغیر خریدا ہوتا ہے اس لیے وہ حالات کے رحم وکرم پر ہوتا ہے ممکن ہے گاہک فوراً آجائے اور یہ فروخت ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کو طویل عرصہ تک انتظار کرنا پڑے اور یہ بھی خدشہ ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں بازار میں چیز کی قیمت کم ہو جائے اور یہ نقصان اٹھا کر بیچنے پر مجبور ہو۔ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ میں بینک کو یہ خطرات درپیش نہیں ہوتے۔
- شرعی مرابحہ ایک ہی مرحلہ میں مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلامی بینکوں میں مروجہ مرابحہ دو مرحلوں میں انجام پاتا ہے۔ پہلے مرحلہ میں وعدہ ہوتا ہے اور دوسرے مرحلہ میں عقد کی رسم ادا ہوتی ہے۔
- شرعی مرابحہ میں ادائیگی نقد بھی ہو سکتی ہے اور ادھار بھی لیکن بینکاری مرابحہ موجل ہی

ہوتا ہے۔ کیونکہ لوگ بینکوں میں جاتے ہی اس لیے ہیں کہ ان کے پاس رقوم نہیں ہوتیں۔

- شرعی مرابحہ کا معاملہ کرتے وقت سود فریقین کے وہم وخیال میں بھی نہیں ہوتا جبکہ اسلامی بینکوں میں نفع کا تعین ہی شرح سود سے ہوتا ہے۔
- شرعی مرابحہ میں صرف دو فریق ہوتے ہیں: (۱) بیچنے والا۔ (۲) خریدنے والا۔ اس کے برعکس یہاں ایک تیسرا فریق بینک بھی ہوتا ہے۔

مروجہ مرابحہ کا شرعی حکم:

یہ صورت چونکہ شرعی مرابحہ سے بالکل مختلف ہے اس لیے اس کو شرعی مرابحہ کی بنیاد پر جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کا جواز اس بات پر موقوف ہے کہ یہ پوری طرح شرعی اصول سے ہم آہنگ ہے یا نہیں؟

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان ہوا کہ مرابحہ کی بنیاد پر بیچی جانے والی چیز نہ تو پہلے سے بینک کے پاس موجود ہوتی ہے اور نہ ہی بینک براہ راست خریدتا ہے بلکہ وہ کلائنٹ سے کہتا ہے کہ آپ میرے ایجنٹ کی حیثیت سے یہ چیز خود خرید لیں۔ لہٰذا مناسب ہو گا کہ مرابحہ کی مختلف صورتوں کا الگ الگ حکم بیان کرنے سے قبل کلائنٹ کو وکیل بنانے کی شرعی حیثیت واضح کر دی جائے۔

کلائنٹ کے ذریعے خریداری کی شرعی حیثیت:

اس امر پر سب متفق ہیں کہ مرابحہ ایک جائز طریقہ تجارت تو ہے مگر یہ طریقہ تمویل نہیں ہے۔ لہٰذا اسے اس طرح انجام دینا کہ یہ عام بیع کی بجائے سودی لین دین کا معاملہ نظر آئے درست نہیں۔ کلائنٹ کو خریداری کا ایجنٹ بنانے میں سودی لین دین کے ساتھ مشابہت بالکل واضح ہے اس لیے موجودہ اسلامی بینکوں کے حامی بھی اس کی اجازت نہیں دیتے۔ چنانچہ "المعايير الشرعية" میں ہے۔

Marfat.com

((الأصل أن تشترى المؤسسة السلعة بنفسها مباشرة من البائع ويجوز لها تنفيذ ذلك عن طريق وكيل غير الآمر بالشراء ولا تلجألتوكيل العميل (الآمر بالشراء)الا عند الحاجة الملحة)) [ص ۱۱۲]

''اصل یہ ہے کہ بینک فروخت کنندہ سے براہ راست خود سامان خریدے۔اور بینک ایجنٹ کے ذریعے بھی خرید سکتا ہے مگر وہ ایجنٹ کلائنٹ کے علاوہ کوئی دوسرا ہونا چاہیے ناگزیر صورت کے علاوہ کلائنٹ کو ایجنٹ نہیں بنانا چاہیے۔''

اسلامی بینکاری کے لیے سرگرم عمل مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

''کلائنٹ کو وکیل بنادینا تا کہ وہ تمویل کار کی طرف سے اس چیز کو خرید لے مرابحہ کو مشتبہ بنادیتا ہے اس وجہ سے بعض شریعہ بورڈز نے اس تکنیک کو ممنوع قرار دے دیا ہے۔'' [اسلامی بینکاری کی بنیادیں:ص164]

طرفہ تماشا یہ ہے کہ تقریباً تمام اسلامی بینک اسی تکنیک کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔

اب ذیل میں شرعی اصول کی روشنی میں اس کی مختلف صورتوں کا الگ الگ حکم بیان کیا جاتا ہے۔

پہلی صورت:

اس معاملہ کی پہلی صورت یہ ہے کہ بینک کیساتھ کیے ہوئے وعدہ کی پابندی فریقین کے لیے لازم ہو کہ بینک ہر صورت سامان دینے اور کلائنٹ خریدنے کا پابند تو یہ صورت عملاً بیع ہی کی ہے جو شرعی اصول سے متصادم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

چنانچہ ڈاکٹر شیخ محمد سلیمان الاشقر لکھتے ہیں:

((واذا تم هذافان الاتفاق فى الحقيقة هو عقد لان ما فيه من اتفاق ارادتين على انشاء حق فهو عقد بلاريب ولوسمى وعداًفهوعقد ايضاًفاذا جرى الاتفاق على هذه الطريقة فهو

Marfat.com

عقد باطل و حرام لاسباب))[بحوث فقيهة فی قضاء اقتصادية معاصره: ج ۱ ص ۸۲]

''جب یہ معاملہ پورا ہو جائے تو یقیناً یہ ایگریمنٹ درحقیقت عقد ہے کیونکہ دو ارادوں کا ایک حق کو وجود میں لانے پر اتفاق بلاشبہ عقد ہے اگرچہ اسے وعدے کا نام بھی دیا جائے پھر بھی یہ عقد ہے جب ایگریمنٹ اس طریقے کے مطابق پورا ہو تو وہ چند اسباب کی بناء پر باطل اور حرام ہے۔''

وہ کون سے شرعی اسباب ہیں جن کی بنیاد پر یہ عقد حرام قرار پاتا ہے اس کی وضاحت میں شیخ اشقر فرماتے ہیں:

- اس کی حرمت کا پہلا سبب یہ ہے کہ بینک کلائنٹ کو ایک ایسی چیز بیچ رہا ہے جو ابھی تک اس کی ملکیت نہیں حالانکہ نبی ﷺ نے اس چیز کی بیع کی ممانعت فرمائی ہے جو قبضے میں نہ ہو۔ اور آپ ﷺ نے اس بیع سے بھی منع فرمایا ہے کہ ایسی چیز آگے بیچی جائے جو انسان کے پاس موجود نہ ہو۔
- بینک نے مُعلَّق (Contingent) بیع کی ہے کیوں کہ کلائنٹ بینک سے یہ کہتا ہے کہ اگر تم اس کو خرید لو تو میں تم سے لے لوں گا جبکہ بیع معلق صحیح نہیں ہے۔
- اس کی حرمت کا تیسرا سبب یہ ہے کہ یہ سود پر قرض دینے کا حیلہ ہے۔
- اگر بیچی جانے والی چیز کا تعلق غذائی اشیاء سے ہو تو اس میں ممانعت کا چوتھا سبب بھی شامل ہو جاتا ہے۔ جس کی طرف ابن عبدالبر نے اشارہ کیا ہے کہ نبی ﷺ نے طعام کی بیع سے منع فرمایا حتی کہ تاجر اسے اٹھا کر اپنے ٹھکانوں پر لے جائیں۔

[بحوث فقيهة فی قضايا اقتصادية معاصرة: ج ۱ ص ۷۲۷۳]

علاوہ ازیں یہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے بھی مخالف ہے۔

((البيعان بالخيار مالم يتفرقا))[صحيح بخاری: كتاب البيوع، باب كم يجوز الخيار]

''الگ ہونے تک بائع مشتری دونوں کو اختیار ہوتا ہے۔''

Marfat.com

لیکن بینک میں مروجہ مرابحہ میں یہ اختیار سلب کرلیا جاتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإذا أرى الرجل الرجل السعلة فقال اشتر هذه وأربحك فيها كذا فاشتراها الرجل فالشراء جائز والذى قال أربحك فيها بالخيار إن شاء أحدث فيها بيعا وإن شاء تركه وهكذا إن قال اشتر لى متاعا ووصفه له أو متاعا أى متاع شئت وأنا أربحك فيه فكل هذا سواء يجوز البيع الاول ويكون هذا فيما أعطى من نفسه بالخيار))[كتاب الام: ج٣ص٣٩]

''جب ایک شخص دوسرے کوکوئی چیز دکھا کر یہ کہے کہ یہ خرید لیں میں آپ کو اتنا منافع دوں گا اس پر وہ شخص وہ چیز خرید لے تو یہ خریداری جائز ہوگی۔تاہم جس نے یہ کہا تھا کہ میں اتنا نفع دے دوں گا اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو بیع کرے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔اور اسی طرح اگر یہ کہے کہ میرے لیے فلاں قسم کا سامان خرید لو یا یہ کہے کہ جو سامان تم چاہو وہ خرید لو میں آپ کو اس میں اتنا نفع دوں گا تو پہلی بیع جائز ہوگی اور آڈر دینے والے کو اختیار ہوگا۔''

مزید لکھتے ہیں:

((وإن تبايعا به على أن ألزما أنفسهما الامر الاول فهو مفسوخ من قبل شيئين أحدهما أنه تبايعاه قبل يملكه البائع والثانى أنه على مخاطرة أنك إن اشتريته على كذا أربحك فيه كذا))

''اگر دونوں اس چیز کی اس طرح بیع کریں کہ وہ دونوں پہلے آڈر کو لازم سمجھیں تو یہ دو وجہ سے فسخ ہوگی۔

(۱) دونوں نے چیز ملکیت میں آنے سے پہلے بیع کی ہے۔

Marfat.com

(۲) اس میں غَرَر ہے کیونکہ اس نے کہا ہے کہ اگر آپ اتنے کی خرید لیں تو میں آپ کو اتنا نفع دوں گا۔'' [حوالہ مذکورہ]

نیز یہ بیع الکالی بالکالی کی قبیل سے ہے کیونکہ بینک نے سامان بعد میں دینا ہے۔اور کلائنٹ نے قیمت بعد میں ادا کرنی ہے۔شرعی طور پر یہ بھی ممنوع ہے۔

((أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنْ بَيْعِ الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ)) [سنن دارقطنی:۳۱۰۵]

''بلاشبہ نبی ﷺ نے ادھار کے بدلے ادھار بیع سے منع فرمایا ہے۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ روایت تو ضعیف ہے لیکن اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ ادھار کی ادھار کے بدلے بیع جائز نہیں۔[نیل الاوطار: ج۸،ص۲۱۳]

مالکی فقہاء نے مکروہ بیع کی ایک صورت یہ بھی ذکر کی ہے کہ آدمی کسی دوسرے سے یہ کہے:

''کیا آپ کے پاس فلاں فلاں چیز ہے جو آپ مجھے ادھار بیچ دیں؟ وہ جواب دے کہ نہیں اس پر یہ کہے کہ آپ یہ خرید لیں میں آپ سے منافع پر ادھار خرید لوں گا اس پر وہ چیز خرید کر اپنے وعدے کے مطابق بیچ دے''۔[الموسوعة الفقيهة الكويتية بحواله مواجب الجليل للحطاب البيان والتحصيل لابن رشد]

اسلامی بینک کاری کے ماہر ڈاکٹر رفیق یونس مصری لکھتے ہیں:

((فاذا لم يكن هناك خيار فانها لا تجوز لان المواعدة الملزمة فى بيع المرابحة تشبه البيع نفسه حيث يشترط عندئذان يكون البائع مالكا للمبيع حتى لا تكون هناك مخالفة لنهى النبى ان يبيع الانسان ما ليس عنده فاالمرابحة ظاهرها البيع وباطنها التمويل فانها لا تجوز))

[المصارف الاسلامية:ص۳۳]

Marfat.com

''جب اختیار نہ ہوتو معاملہ جائز نہیں کیوں کہ بیع مرابحہ میں لازمی وعدہ نفس بیع کے مشابہہ ہے جب بیع میں یہ شرط ہے کہ فروخت کنندہ بیچی جانے والی چیز کا مالک ہو۔تو نبی ﷺ کہ اس فرمان کہ ''جوانسان کے پاس نہیں وہ بیچنا منع ہے۔'' کی مخالفت نہ ہو۔ چنانچہ وعدہ غیر لازمی ہوتو مرابحہ جائز ہے لیکن جب مرابحہ کا ظاہری مطلب بیع ہواور حقیقت میں فنانسگ ہوتو یہ جائز نہیں۔''

شیخ بکر بن عبداللہ ابوزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فكيف يجوز للمصرف ان يبيع ما لم يملك اصلاً و يصافق و يربح فيه فملكه تقديرى لا حقيقى استيلاء ه عليه تقديرى لا حقيقى فالمنع من هذا يكون باب الاولى))

[فقه النوازل : ج٢،ص٩٣]

''بینک کے لیے یہ کیسے جائز ہے کہ وہ ایک ایسی چیز بیچے کہ جس کا وہ بالکل ہی مالک نہیں ہے وہ سودا حاصل کر کے نفع حاصل کرتا ہے حالانکہ وہ چیز اسکی تقدیری ملکیت میں ہے نہ کہ حقیقی۔ چنانچہ اس کی ممانعت بدرجہ اولیٰ ہونی چاہیے۔''

ڈاکٹر احمد ریان لکھتے ہیں:

((هذا العقد تكتنفه مجموعة من المحاذير الفقهية التى من اهمها: ان الوعد من العميل بالشراء ، وموافقة المصرف على ذلك؛ هو عقد حتى وان كتب فى الاوراق انه وعد، لان العبرة بالمعانى وليست بالمبانى كما يقول الفقهاء ، وبما انه عقد فيشترط له توفر كافة شروط عقد البيع ، واكثرها غير متوفرة فيه)) [فقه البيوع المنهى عنها مع تطبيقاتها الحديثة فى المصارف الاسلامية: ص٤٤]

''اس معاملہ کو متعدد فقہی خرابیوں نے گھیرا ہوا ہے ان میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ کلائنٹ کی طرف سے خریداری کا وعدہ اور بینک کی اس پر موافقت معاہدہ

Marfat.com

ہے۔اگر چہ کاغذات میں اس کو وعدہ لکھا جاتا ہے۔کیونکہ فقہاء کے قول کے مطابق حقائق کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ الفاظ کا۔اور جب یہ معاہدہ ہے تو اس میں معاہدہِ بیع کی تمام شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے اوران میں سے اکثر یہاں نہیں پائی جاتیں۔''

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ اس میں منافع کے لیے شرح سود کو معیار بنانے سے یہ معاملہ مزید مشکوک ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی بینکاری کے حامی بھی اس کو پسندیدہ قرار نہیں دیتے چنانچہ مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ حلال منافع کے تعین کے لیے سود کی شرح کا استعمال پسندیدہ نہیں اور اس سے یہ معاملہ کم از کم ظاہری طور پر سودی قرض کے مشابہ بن جاتا ہے اور سود کی شدید حرمت کے پیشِ نظر اس ظاہری مشابہت سے بھی جہاں تک ہو سکے بچنا چاہیے۔'' [اسلامی بینکاری کی بنیادیں: ص ۱۲۴]

مزید لکھتے ہیں:

''البتہ یہ بات درست ہے کہ اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں کو جتنا جلدی ممکن ہو اس طریقہ کار سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔اس طرح کہ اول تو اس میں شرح سود کو حلال کاروبار کے لیے مثالی اور معیاری سمجھ لیا جاتا ہے جو کہ پسندیدہ بات نہیں دوسرا اس لیے کہ اس سے اسلامی معیشت کے بنیادی فلسفے کو فروغ نہیں ملتا۔اس لیے کہ اس سے تقسیم دولت کے نظام پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔'' [اسلامی بینکاری کی بنیادیں: ص: ۱۲۵]

دوسری صورت:

اس معاملے کی دوسری صورت یہ ہے کہ وعدہ یک طرفہ ہو یعنی گاہک اپنے وعدے کا پابند ہو لیکن بینک آزاد ہو یہ صورت بھی درست نہیں کیونکہ نبی ﷺ کے ارشاد ''البیعان باالخیار ''میں بیچنے والے خریدنے والے دونوں کو اختیار دیا گیا ہے ایک کو پابند اور

Marfat.com

دوسرے کو مستثنیٰ رکھنا اس تفریق کی کوئی اصل نہیں چنانچہ ڈاکٹر رفیق یونس مصری لکھتے ہیں:

((انی اری ضرورة الخیار لکلاالمتواعدین اماالخیار لاحدهما فقط فهو تحکم)) [تعلیق مصارف الاسلامیة:ص ۳۲]

''میری رائے میں دونوں کو اختیار ضروری ہے فقط ایک کو اختیار سینہ زوری ہے۔''

تیسری صورت:

اس معاملے کی تیسری صورت یہ ہے کہ کلائنٹ اور بینک دونوں پابند نہ ہوں بینک کے چیز خریدنے کے بعد کلائنٹ کو بیع کرنے اور نہ کرنے دونوں کا اختیار ہو اس طرح بینک بھی اپنے فیصلے میں آزاد ہو تو یہ صورت جائز ہوگی بشرطیکہ بینک نے وہ چیز کلائنٹ کے ذریعے نہ خریدی ہو اور نفع کے لیے شرح سود کو معیار بھی نہ بنایا گیا ہو کیونکہ اس طرح یہ معاملہ سودی قرض کے مشابہ بن جاتا ہے۔

اس موقع پر ڈاکٹر محمد سلیمان اشقر کے فتوی کا ذکر بھی مفید رہے گا۔

((نظام البیع المرابحة کما تجریه بعض البنوك الاسلامیة فی الوقت الرهن نظام غیر جائز وهو تحایل علی الربا او هو بیع السلعة من البنك قبل امتلاکها و کلاهما ممنوع شرعاً والسنة النبویة تمنع هذا البیع وان المذاهب الاربعة کلها تقول بانه ومحرم وخاصة مذهب المالکیة الذی ینص نصا صریحاً علی منعه والذین قالوا فی مؤتمر البنك الاسلامی بدبئ بجوازه غلطوا علی الفقه الاسلامی غلطاً کبیراً وانه لا مستند لهم فی ما قالوا))

[بحوث فقیهة فی قضایا اقتصادیة معاصرة:ج ۱ ص ۱۱۳،۱۱۵]

''بیع مرابحہ کا نظام جس کو دور حاضر میں بعض اسلامی بینک جاری کیے ہوئے ہیں ناجائز ہے اور یہ سود کے حاصل کرنے کا حیلہ ہے یا یہ بینک کی طرف سے ایسی چیز کی

Marfat.com

بیع ہے جو ابھی اس کی ملکیت میں نہیں آئی اور دونوں شرعاً ممنوع ہیں اور سنت نبوی ﷺ اس بیع کی اجازت نہیں دیتی بلاشبہ مذہب اربعہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں خاص طور پر مالکیوں کا مذہب جس نے اس ممانعت کی واضح طور پر صراحت کی ہے اور جنھوں نے دوبئ میں اسلامی بینک کی کانفرنس میں اس کو جائز قرار دیا۔ انھوں نے فقہ اسلامی کے ذمے بہت بڑی غلطی لگائی اور ان کے پاس اپنی تائید میں کوئی دلیل نہیں ہے۔''

اسلامی بینکوں کا نقطہ نظر:

اسلامی بینکوں کی طرف سے اس کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ حقیقی بیع تب ہوتی ہے جب بینک مطلوبہ سامان خرید لیتا ہے اس سے پہلے صرف بیع کا وعدہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے اوپر بیان شدہ خرابیاں لازم نہیں آتیں۔ بیع اور وعدہ میں فرق ہے مثلاً بینک کی طرف سے مطلوبہ چیز خریدنے کے بعد اور کلائنٹ کے حوالے کرنے سے پہلے اگر وہ ضائع ہو جائے تو بینک کا نقصان ہوگا اسی طرح اگر بینک کی طرف سے خریداری کے بعد کلائنٹ انکار کر دے تو بینک اس کو کسی دوسرے شخص کو بیچ کر الگ لاگت سے جتنے پیسے کم ملیں گے وہ وعدہ کرنے والے سے وصول کرے گا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ با قاعدہ بیع نہیں ہے ورنہ نہ تو بینک نقصان کا ضامن ہوتا اور نہ ہی اس کو دوسری جگہ بیچنے کا اختیار ہوتا لیکن اگر غور کیا جائے تو دو وجہ سے یہ دلیل انتہائی کمزور ہے۔

۱۔ ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ لازمی وعدہ بیع ہی کی شکل ہے یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور مالکی فقہاء نے ''مرابحة للامر بالشراء'' کی جس شکل میں اختیار نہ ہو کو ناجائز قرار دیا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔

فقہائے احناف کے سرخیل حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ ''آرڈر دینے والا خریدنے سے انکار نہ کرے کے لیے یہ حیلہ تجویز کیا ہے کہ جس کو آرڈر دیا گیا ہے وہ اس شرط پر خریدے کہ مجھے تین دن بعد واپس کرنے کا

Marfat.com

اختیار ہے اگر آرڈر دینے والا اپنے وعدے کے مطابق خرید لے تو اس کے حوالے کردے۔ اگر اس کو دلچسپی نہ ہو تو اس اختیار کی بناء پر واپس کر کے نقصان سے محفوظ رہے گا۔'' [كتاب الحيل امام محمد بحواله بحوث فقيهة فى قضايا اقتصادية معاصرة : ج ١ ص ١٠٢، ١٠٣]

یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ فقہاء احناف کے ہاں مرابحہ میں وعدہ پورا کرنا قانونی ذمہ داری نہیں ورنہ اس حیلے کی ضروت پیش نہ آتی۔

باقی رہ گیا وہ فرق جو اسلامی بینکوں کی جانب سے بیان کیا جاتا ہے تو اس سے معاملے کی حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہے وہ یہ کہ فریقین وعدے کے مطابق بیع کرنے کے پابند ہیں۔

۲۔ اس دلیل کی کمزوری کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جن آئمہ نے ایفائے وعدہ کو فرض کہا ہے۔ وہ تبرعات کے بارہ میں ہے نہ کہ معاوضات میں۔ بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ مشتری چیز خرید کر بل بینک کے حوالے کرتا ہے بینک کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ اس میں درج رقم ادا کر کے اس پر نفع وصول کرے۔ اس کو مرابحہ کا نام دے دیا جاتا ہے حالانکہ اس کا مرابحہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ سراسر سودی حیلہ ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوا کہ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ شرعی اصول سے متصادم ہونے کیوجہ سے ناجائز ہے۔ اس لیے بیع مرابحہ کی بنیاد پر اسلامی بینکاری کا نظریہ دم توڑ رہا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر رفیق یونس مصری لکھتے ہیں:

((وتجدد الاشارة الى ان نجم بيع المرابحه للامر بالشراء عند الافراد والعلماء والهيئات والمجامع آخذ فى الاضمحلال بل ان بعض العلماء كالشيخ مصطفى الزرقاء قد غير رأيه تغيراً جذريا كما اعلن ذلك يوم الخميس)) [٩١٧-١٤١٤ فى ندوة البركة، ص:٣٣]

Marfat.com

''یہاں اس بات کی طرف اشارہ بھی مناسب رہے گا کہ ماہرین علماء اور مختلف کونسلوں اور اکیڈمیوں کے نزدیک خریداری کا آرڈر دینے والے کیساتھ بیع مرابحہ کا معاملہ کرنے کا ستارہ ڈوب رہا ہے۔ بلکہ بعض علماء نے جیسا کہ شیخ محمد مصطفیٰ زرقاء ہیں کلیتًا اپنی رائے کو تبدیل کرلیا ہے جیسا کہ انہوں نے ۱۴۱۴۔۰۹۔۰۷ بروز جمعرات برکہ سیمینار میں اعلان کیا۔''

اجارہ مُنتَهِيَةٌ بالتَّمْلِيك:

یہ بھی اسلامی بینکوں میں فنانسنگ کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ اجارہ کی یہ صورت اسلامی بینکاری کی ایجاد کردہ ہے۔ ہمارے واجب الاحترام محدثین وفقہاء اس سے واقف نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتب میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ لہٰذا ہم بھی اس کے احکام جاننے کے لیے اسلامی بینکوں کی رہنمائی کے لیے مرتب کردہ شریعہ سٹینڈرڈز پر ہی اعتماد کریں گے۔ چنانچہ شریعہ سٹینڈرڈز کے سکالرز نے اس کی تعریف یوں کی ہے۔

((هی اجارة يقترن بها الوعد بتمليك العين المؤجرة الى المستأجر فی نهاية مدة الاجارة اوفی اثنائها))

[المعايير الشرعية :ص ۱۵۳]

''ایسا اجارہ جس میں یہ وعدہ شامل ہو کر مدت اجارہ کے آخر میں یا اس کے دوران ہی کرائے پر دی گئی چیز کی ملکیت کرایہ دار کی طرف منتقل کردی جائے گی۔''

ڈاکٹر وہبہ زحیلی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

((هی تمليك منفعة بعض الاعيان كالدورو المعدات مدة معينة من الزمن باجرة معلومة تزيد عادة عن اجرة المثل وعلى ان يملك الموجر العين الموجرة للمستاجر بتاء على وعد سابق بتمليكها فی نهاية المدة او فی اثنائها بعد سداد جميع مستحقات الاجرة او اقساطها وذلك بعقد جديد))

[المعاملات المالية المعاصره: ص ۳۹٤]

Marfat.com

''اجارہ منتهية بالتمليك کا مطلب ہے کہ متعین وقت کے لیے طے شدہ کرائے جو عام طور پر اس طرح کی دوسری چیزوں کے کرائے سے زیادہ ہوتا ہے کے بدلے کسی چیز جیسے گھر یا سامان کے فائدے کا دوسرے کو مالک بنا دینا اس شرط پر کہ کرایہ کی تمام قسطیں ادا کرنے کے بعد مدت کرایہ کے اختتام پر یا اس کے دوران ہی مالک سابق وعدے کی بنیاد پر ایک نئے عقد کے ذریعے اس چیز کی ملکیت کرایہ دار کی طرف منتقل کر دے گا۔''

شرعی اجارہ اس سے مختلف ہے۔ اسلامی بینکاری کے حامی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ شریعت نے اجارہ کا جو تصور دیا ہے وہ اس سے مختلف ہے چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی حفظہ اللہ لکھتے ہیں: اجارہ ''منتهية بالتمليك'' عام اجارہ سے دو لحاظ سے مختلف ہے:

۱۔ اجارہ ''منتهية بالتمليك'' دو معاہدوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

- اجارہ کا معاہدہ جو طے شدہ مدت تک جاری رہتا ہے۔
- مدت کے اختتام یا دوانِ مدت اس چیز کا مالک بنانے کا معاہدہ۔

۲۔ اجارہ ''منتهية بالتمليك'' میں بینک کرائے پر دی جانے والی چیز کلائنٹ کی درخواست کے بعد خریدتا ہے اکثر اس کا کرایہ عام کرائے سے زیادہ ہوتا ہے جبکہ عام اجارہ میں وہ چیز پہلے سے موجر کے پاس موجود ہوتی ہے۔ [المعاملات المالية المعاصرة وهبه زحيلي: ص ۳۹۵]

اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ اور سودی بینکوں میں رائج ہائر پرچیز میں فرق:

اسلامی بینکوں کے نقطہ نظر کے مطابق دونوں میں فرق اس طرح ہے کہ ہائر پرچیز میں بیع اور اجارہ دونوں بیک وقت شروع ہوتے ہیں اور آخری قسط کی ادائیگی پر از سر نو معاہدہ کیے بغیر ہی چیز کی ملکیت مستاجر کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جبکہ اجارہ منتهية بالتمليك میں مدت اجارہ کے ختم ہونے تک اجارہ کے احکام نافذ ہوتے ہیں اسکے بعد ملکیت مستاجر کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ [المعايير الشرعية: ۱٤٦]

Marfat.com

اسی طرح اجارہ ''منتهية بالتمليك ''اور بیع قسط میں بھی فرق ہے۔ بیع قسط میں چیز کی ملکیت فوری طور پر خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے صرف قیمت قسطوں میں ادا کی جاتی ہے جبکہ مذکورہ بالا اجارہ میں دو معاملے جمع ہوتے ہیں۔

① اجارہ کا معاہدہ۔

② مدت پوری ہونے پر بیع کا معاملہ۔[المعاملات المالية المعاصرة للدكتور وهبة الزحيلي:٣٩٥،٣٩٦]

ملکیت منتقل ہونے کے طریقے:

''المعايير الشرعية ''میں اس کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں۔

ا۔ رسمی یا حقیقی قیمت کے بدلے بیع کا وعدہ ہو یا مدت اجارہ کے دوران ہی باقی مدت کے کرائے کے بدلے یا مارکیٹ ریٹ کے مطابق بیع کا وعدہ ہو۔

۲۔ ہبہ کا وعدہ ہو۔

۳۔ ہبہ کا معاہدہ ہو جو تمام اقساط کی ادائیگی کے ساتھ مشروط ہو۔[ص ۱۴۱]

البتہ یہ فیصلہ کرنا شروع میں ضروری ہے کہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائیگا۔

المعايير الشرعية میں یہ بھی صراحت ہے کہ یہ وعدہ موجر (بینک) کی طرف سے ہو گا۔ مزید لکھا ہے کہ یہ وعدہ یک طرفہ ہوگا اور مؤجر (بینک) پر اس کی پابندی لازم ہوگی۔[ص ۱۴۲]

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ بینک جس چیز پر اجارہ کرتا ہے وہ پہلے سے بینک کے پاس موجود نہیں ہوتی بلکہ وہ کلائنٹ کی درخواست پر خریدی جاتی ہے۔ اس میں یہ امکان بھی ہوتا ہے کہ بینک جب وہ چیز خرید لے تو کلائنٹ لینے سے انکار کر دے۔ ظاہر ہے بینک اس کا متحمل نہیں ہوسکتا چنانچہ اسلامی بینکوں نے اس خطرے کا یہ حل نکالا ہے کہ کلائنٹ سے متعلقہ چیز کی قیمت کا دس فیصد پہلے وصول کر لیا جائے اس کو ''ضَمانِ جِدّيَه'' کہا جاتا ہے۔ اگر کلائنٹ بینک کی خریداری کے بعد اپنی بات پر قائم

Marfat.com

نہ رہے تو بینک اس کا معاملہ کسی دوسرے کے ساتھ کرے گا اور جتنا نقصان ہوگا وہ "ضَمانِ جِدِّیَه" سے پورا کرے گا۔ اگر ضمان جدیہ نقصان کی تلافی کے لیے ناکافی ہو تو وہ کلائنٹ سے مزید مطالبہ بھی کرسکتا ہے کیونکہ بینک کو یہ نقصان اس کی وجہ سے ہوا ہے اگر ضمان جدیہ سے نقصان پورا کرنے کے بعد کچھ رقم بچ جائے (جو ممکن نہیں) تو وہ کلائنٹ کی ہوگی۔ شرعی اجارہ میں یہ نہیں ہوتا۔ شرعی اجارہ میں مالک نے چونکہ وہ چیز کسی درخواست کے بغیر خریدی ہوتی ہے اس لیے اس میں دونوں احتمال ہوتے ہیں کہ کوئی کرایہ پر لینے کے لیے آجائے یا نہ آئے۔ اس سے بھی ہمارے اس موقف کو تقویت ملتی ہے کہ اسلامی بینک نان رسک ادارہ ہے۔

ضَمَانِ جِدِّیَه کی شرعی حیثیت:

"المعايير الشرعية" کے نقطہ نظر کے مطابق یہ رقم یا تو بینک کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھی گئی امانت تصور ہوگی بینک اس میں تصرف کا مجاز نہیں ہوگا یا اسکی حیثیت اس امانت کی ہوگی جو سرمایہ کاری کے لیے دی جاتی ہے یعنی کلائنٹ بینک کو اجازت دے گا کہ وہ اس رقم سے مضاربہ کی بنیاد پر سرمایہ کاری کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ جب اجارہ کا باقاعدہ عقد ہو اس وقت یہ طے کرلیا جائے کہ یہ رقم اجرت کی قسطوں میں شمار ہوگی۔ [ص ۱۳۴]

ہماری ناقص رائے میں "ضمان جديه" کو امانت قرار دینا درست نہیں کیونکہ امانت تصرف میں نہیں لائی جاسکتی اور مالک جب چاہے اپنی امانت واپس لے سکتا ہے اس کے برعکس اسلامی بینک اس رقم کو استعمال بھی کرتے ہیں اور مالک کی حسب منشاء واپسی کی پابندی بھی قبول نہیں کرتے۔

اگر چیز تباہ ہوجائے یا قابل استعمال نہ رہے؟

اس بارے میں شریعہ سٹینڈرڈز کا موقف بڑا واضح ہے کہ اگر اس میں مستاجر کا عمل دخل نہ ہو تو دونوں حالتوں میں اجرتِ مثل (مارکیٹ کرایہ) کی طرف لوٹا جائے

Marfat.com

گا۔اور عقد میں طے شدہ کرایہ کے مطابق بینک نے اجرت مثل سے جتنا زیادہ لیا ہوگا وہ مستاجر کو واپس کرنے کا پابند ہوگا۔[ص۱۴۲]

اجارہ ''منتهية بالتمليك'' کا شرعی حکم:

ڈاکٹر احمد ریان اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ کی مروّجہ صورتوں میں پائی جانے والی خرابیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

- اس میں بیع معلق (Contingent) ہوتی ہے یہ ایسی خرابی ہے جس کی ممانعت پر تمام فقہاء متفق ہیں۔
- اس میں شرط پائی جارہی ہے بعض فقہاء کے نزدیک یہ بھی ممنوع ہے۔
- ایک Contract میں دو معاملے جمع ہو رہے ہیں یعنی ایک بیع میں دو بیعوں کی ممانعت داخل ہے۔[فقه البيوع المنهى عنها مع تطبيقاتها الحديثة فى المصارف الاسلامية]

علاوہ ازیں اس میں حسبِ ذیل خرابیاں بھی پائی جاتی ہیں:

- جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ معاہدے کے شروع میں بینک یہ وعدہ کرتا ہے کہ مدت اجارہ ختم ہونے پر رسمی یا حقیقی قیمت کے عوض یا مدت اجارہ کے دوران ہی باقی قسطوں کے بدلے یا بازاری قیمت پر یہ چیز مستاجر کی ملکیت میں دے دے گا۔

ڈاکٹر محمد زحیلی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

((اما ان كان الوعد ملزما فيدخل فى معاملات محرمة شرعا وهى بيع ما لا يملك والبيع قبل القبض بل قبل الشراء))

[المصارف الاسلامية:ص۷۷،۷۸]

''اگر وعدہ لازمی ہو تو یہ شرعی طور پر حرام معاملات میں داخل ہو جائے گا۔وہ ہے غیر ملکیتی چیز اور قبضہ سے پہلے بلکہ خریدنے سے پہلے ہی بیع کا معاملہ۔''

Marfat.com

یا یہ ہبہ کا وعدہ ہوتا ہے۔ یا پھر ہبہ کا ایسا معاہدہ ہوتا ہے جو تمام اقساط کی ادائیگی کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔ جو صورت بھی ہو وہ غرر سے خالی نہیں۔ کیونکہ ایسا وعدہ بیع جس کی پابندی لازم ہو عملاً بیع ہی ہے۔ اسلامی بینکنگ کے حامیوں کا یہ کہنا کہ یہ یکطرفہ وعدہ ہے جس میں ایک فریق کو اختیار ہے تو بقول ڈاکٹر رفیق یونس مصری کے صرف ایک کو اختیار دینا سینہ زوری ہے۔ جب یہ بیع ہی ہے تو بیع کا معاہدہ طے پاتے وقت قیمت مجہول ہوئی کیا علم پانچ سال بعد حقیقی قیمت کیا ہوگی یا رسمی قیمت کیا مقرر ہوگی۔

اور یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ مستاجر مکمل قسطیں ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے اس کے ملکیتی حقوق حاصل نہ کر سکے۔

اس کو ہبہ کہنا بھی درست نہیں کیونکہ مستقبل کی شرط پر موقوف ہبہ درست نہیں ہوتا جیسا کہ شیخ صالح بن فوزان حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

((ولا تصح الهبة المعلقة على شرط مستقبل كان يقول اذا حصل كذافقد وهبتك كذا)) [الملخص الفقهی:۲ص، ۱۱۵]

"مستقبل کی شرط پر موقوف ہبہ صحیح نہیں ہے جیسے یہ کہے کہ جب اس قسم کی چیز حاصل ہوگی تو میں فلاں چیز آپ کو ہبہ کر دوں گا۔"

ایسے ہی اس کو ہبہ کا وعدہ کہنا بھی درست نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ ایسا ہبہ ہوگا کہ مارکیٹ ریٹ سے زیادہ کرایہ وصول کرنے کی صورت میں جس کا بدلہ لیا جانا ہے۔ اس قسم کا ہبہ بھی بیع ہی کے حکم میں ہوتا ہے سوائے اس کے کہ اس میں معاوضہ اور اس کی مقدار طے نہیں ہوتی۔

- اس کی عملی تطبیق میں بھی گڑبڑ ہوتی ہے وہ یوں کہ بینک اس مدت کا کرایہ بھی قسطوں میں ایڈجسٹ کرتا ہے جس میں گاڑی تو کلائنٹ کو نہیں ملی ہوتی لیکن بینک رقم جمع کروا چکا ہوتا ہے جیسا کہ ہم پیچھے اسلامی بینکاری کے سکالر جناب محمد ایوب کے حوالے سے لکھ آئے ہیں۔

Marfat.com

- اس میں شریعہ سٹینڈرڈز کے احکام کی بھی خلاف ورزی پائی جاتی ہے۔
- شریعہ سٹینڈرڈز کے مطابق بیع کا وعدہ بینک کی جانب سے ہونا چاہیے جبکہ اسلامی بینک کلائنٹ سے وعدہ لیتے ہیں۔
- شریعہ سٹینڈرڈز کے مطابق بینک ''ضمان جدیه '' سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا جبکہ اسلامی بینک اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔
- شریعہ سٹینڈرڈز کی رائے میں اجارہ پر دی ہوئی چیز اگر تباہ ہو جائے یا وہ باقی ماندہ مدت کے لیے قابل استعمال نہ رہے بشرطیکہ اس میں مستاجر کا عمل دخل نہ ہو تو بازاری قیمت سے زائد لیا ہوا کرایہ مستاجر کو واپس کیا جانا چاہیے لیکن اسلامی بینکوں میں اس پر عمل نہیں ہوتا بلکہ ان کا طریقہ یہ ہے کہ انشورنس یا تکافل کمپنی سے جو رقم ملتی ہے اس میں سے پہلے اپنی باقی ماندہ رقم پوری کرتے ہیں۔ اگر کچھ بچ جائے تو مستاجر کو دیتے ہیں ورنہ اللہ اللہ خیر سلا۔

اسلامی بینکوں کا یہ عمل سراسر غیر اسلامی اور انکے اپنے ہی شریعہ سٹینڈرڈز کے خلاف ہے۔

مشارکہ متناقصہ (Diminishing Musharakah):

اس کو شرکہ متناقصہ بھی کہتے ہیں اس کا معنی ہے تخفیف پذیر مشارکہ یعنی وہ مشارکہ جس میں ایک فریق اپنا حصہ وقفے وقفے سے دوسرے فریق کو بیچتا جاتا ہے بالآخر دوسرا فریق کلی طور پر اثاثے کا مالک بن جاتا ہے۔ اسلامی بینکوں میں اس پر بھی بکثرت عمل ہوتا ہے اس کو زیادہ تر ہاؤس فنانسنگ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اجارہ ''منتهية بالتمليك '' کی طرح یہ اصطلاح بھی اسلامی بینکاری نے ہی متعارف کروائی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا سب سے پہلے استعمال مصر میں شروع ہوا۔ [المعاملات المالية المعاصرة للدكتور محمد عثمان شبير:ص ۳۳۹]

ظاہر ہے جب ذخیرہ حدیث وفقہ میں اس اصطلاح کا ذکر ہی نہیں تو ہمیں اسکی

Marfat.com

حقیقت جاننے کے لیے اسلامی بینکنگ کے ماہرین کی طرف ہی رجوع کرنا پڑے گا۔ چنانچہ المعاییر الشرعیۃ میں اسکی تعریف یوں بیان ہوئی ہے۔

((المشاركة المتناقصة عبارة من شركة يتعهد فيها احد الشركاء بشراء حصة الآخر تدريجا الى ان يتملك المشترى المشروع بكامله)) [ايضًا۔ ص٢٠٦]

''مشارکہ متناقصہ ایسی شرکت سے عبارت ہے جس میں ایک شریک یہ عہد کرتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ دوسرے شریک کا حصہ خرید لے گا یہاں تک کہ مشتری پورے منصوبے کا مالک ہو جائے۔''

اسکی عملی تطبیق کیا ہوتی ہے؟ یہ سمجھنے کے لیے ہم جناب مولانا تقی عثمانی صاحب کی کتاب ''اسلامی بینکاری کی بنیادیں'' سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''مشارکہ کی ایک اور شکل جسے ماضی قریب میں ترقی دی گئی ہے ''مشارکہ متناقصہ'' ہے۔ اس تصور کے مطابق ایک تمویل کار اور اس کا عمیل کسی جائیداد ،سامان یا کاروباری ادارے کی مشترکہ ملکیت حاصل کرتے ہیں۔ تمویل کار کا حصہ کئی یونٹس میں تقسیم کرلیا جاتا ہے اور یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عمیل تمویل کار کے حصے کے کئی یونٹس ایک ایک کر کے کچھ وقفوں کے بعد خرید لے گا جسکے نتیجے میں اس کا حصہ کم ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اس کے تمام یونٹس عمیل خرید لے گا اور جائیداد یا کاروباری ادارے کا تنہا مالک بن جائے گا۔''

شرکت متناقصہ کے اس تصور کو مختلف معاملوں میں مختلف طریقوں سے اختیار کیا جاتا ہے۔ چند نمونے ذیل میں دیے جاتے ہیں۔

اسے عام طور پر ھاؤس فنانسنگ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ عمیل ایک گھر خریدنا چاہتا ہے جس کے لیے اس کے پاس کافی رقم موجود نہیں ہے۔ یہ ایک تمویل کار

Marfat.com

کے پاس جاتا ہے جو اس کے ساتھ مل کر ایک گھر خریدنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ قیمت کا بیس فیصد عمیل ادا کرتا ہے اور اسّی فیصد تمویل کار، لہٰذا گھر کے اسّی فیصد حصے کا مالک تمویل کار ہے اور بیس فیصد کا عمیل، جائیداد کو مشترکہ خریدنے کے بعد عمیل گھر کو اپنی رہائشی ضرورتوں کے لیے استعمال کرتا ہے اور تمویل کار کو جائیداد میں اس کا حصہ استعمال کرنے کی وجہ سے کرایہ ادا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمویل کار کے حصے کو آٹھ برابر یونٹس میں تقسیم کر لیا جاتا ہے۔ ہر یونٹ گھر کے دس فیصد ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ (کیونکہ اس کی کل ملکیت اسی فیصد تھی) عمیل تمویل کار سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ ہر تین ماہ بعد ایک یونٹ خریدے گا۔ چنانچہ تین ماہ کی پہلی مدت پوری ہونے پر وہ گھر کی قیمت کا دس فیصد حصہ ادا کر کے ایک یونٹ خرید لیتا ہے۔ اس سے تمویل کار کا ایک حصہ اسی فیصد سے کم ہو کر ستر فیصد ہو جائے گا۔ تمویل کار کا ادا کیا جانے والا کرایہ بھی اس قدر کم ہو جائے گا۔ دوسری مدت کے پورا ہونے کے بعد ایک اور یونٹ خریدے گا جس سے جائیداد میں اس کا حصہ بڑھ کر چالیس فیصد ہو جائیگا اور تمویل کار کا کم ہو کر ساٹھ فیصد رہ جائے گا اور اسی تناسب سے کرایہ بھی کم ہو جائے گا۔ یہ ترتیب اسی طریقے سے چلتی رہے گی یہاں تک کہ دو سال کے اختتام پر عمیل تمویل کار کا سارا حصہ خرید لے گا جس سے اس کا حصہ ''صفر'' رہ جائے گا۔ اور عمیل کا حصہ سو فیصد ہو جائیگا۔

یہ طریقہ کار تمویل کار کو یہ اجازت دیتا ہے کہ جائیداد میں اپنی ملکیت کے تناسب سے کرایہ کا دعویٰ کرے اور اسی کے ساتھ اپنے حصے کے یونٹس کی بیع کے ذریعے سے اپنا اصل سرمایہ وقفے وقفے سے واپس حاصل کرے۔'' [ایضاً۔ ص: ۸۵، ۸۶، ۸۷]

یہ اقتباس ہے تو طویل مگر اس سے مشارکہ متناقصہ کی عملی صورت پوری طرح نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اس اقتباس میں کوئی ایسی بات نہیں جو قابل تشریح ہو۔ اس حوالے سے یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بینک اپنے حصے کا کرایہ مارکیٹ ریٹ کی بجائے شرح سود کے مطابق وصول کرتا ہے۔

Marfat.com

مشارکہ متناقصہ شراکت کی کس قسم میں داخل ہے:

''المعايير الشرعية'' کے مطابق شرکت کی یہ جدید قسم ''شِرْكَةُ الْعِنان'' کی ذیلی شاخ ہے۔ لہٰذا اس پر وہ تمام احکام نافذ ہوں گے جو عام شرکت پر ہوتے ہیں۔ خصوصاً شرکۃ العنان کے۔ علامہ وہبہ زحیلی حفظہ اللہ نے بھی اس کو شرکۃ العنان ہی قرار دیا ہے۔ [المعاملات المالية المعاصرة:ص ٤٣٦]

''شركة العنان'' کیا ہے؟

شراکت کی بنیادی قسمیں دو ہیں:

۱۔ شِرْكَةُ الْاَمْلاك۔

۲۔ شِرْكَةُ الْعُقُود۔

شرکہ املاک کسی چیز کے استحقاق میں شراکت کا نام ہے جیسے کسی اثاثے، کارخانے یا گاڑی وغیرہ کی ملکیت میں اشتراک۔ جبکہ تصرف میں اشتراک کو شرکۃ العقود کہا جاتا ہے۔ جیسے خرید وفروخت میں اشتراک، یہ اشتراک یا تو مال وعمل دونوں میں ہوگا یا صرف عمل میں۔ اسکی پانچ قسمیں ہیں۔

''اگر مال وعمل دونوں میں شراکت ہو تو اس کو شرکۃ العنان کہا جاتا ہے۔''

[الملخص الفقهی:۲ ص ٦٨]

چونکہ ہمارے زیرِ بحث یہی قسم ہے اس لیے ہم صرف اسی کے متعلق گفتگو کریں گے۔ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اسکی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

((ان يشترك رجلان بماليهما على ان يعملا فيهما بابدانهما والربح بينهما)) [المغنی:۷ ص ۱۲۳]

''دو شخص اپنے اپنے مال کے ساتھ اس شرط پر اشتراک کریں کہ دونوں جسمانی محنت کریں گے اور نفع ان دونوں میں تقسیم ہوگا۔

شیخ صالح بن فوزان حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

((فحقيقة شركة العنان ان يشترك شخصان فاكثر بماليهما بحيث يصيران مالا واحدا يعملان فيه بيديهما او يعمل فيه احدهما ويكون له الربح اكثر من نصيب الآخر))

[الملخص الفقهی:۲ص۷۱]

''شركة العنان'' کی حقیقت یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ افراد اپنے مالوں کے ساتھ شراکت داری کریں اس طرح کہ دونوں کا مال ایک ہی بن جائے۔ دونوں اس میں جسمانی محنت کریں یا ان میں سے صرف ایک کرے (دوسری صورت میں) کام کرنے والے کے نفع کا حصہ دوسرے سے زیادہ ہوگا۔''

''المعايير الشرعية'' میں ہے:

''شرکہ عنان اس چیز کا نام ہے کہ دو یا دو سے زیادہ متعین مال کے ساتھ شراکت داری کریں اس طرح دونوں میں سے ہر ایک کو شراکت کے مال میں تصرف کا حق ہو اور نفع ان دونوں کے درمیان طے شدہ اصول کے مطابق تقسیم ہوگا اور خسارہ اپنے اپنے حصے کے مطابق برداشت کریں گے۔''[ص۱۹۵]

ان عبارتوں سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ شركة العنان میں فریقین کا مقصد چیز کو فروخت کر کے نفع کمانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شركة العنان کی شرطوں میں ایک شرط یہ ہے کہ نفع میں فریقین میں سے ہر ایک کا حصہ طے ہو۔ ملاحظہ ہو:

[نيل المآرب بشرح دليل الطالب: ص۱۹۳، الملخص الفقهی:۲ص۷۰۔]

لیکن جب ہم بینکوں میں رائج مشارکہ متناقصہ کو دیکھتے ہیں تو اس میں یہ چیز نظر نہیں آتی یہاں نہ تو نفع کا تناسب طے ہوتا ہے اور نہ ہی کلائنٹ کا مقصد اسکو فروخت کر کے نفع کمانا بلکہ وہ تو اپنی رہائش کے لیے یہ معاملہ کرتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مشارکہ متناقصہ شرکہ عنان میں داخل نہیں ہے۔

مشارکہ متناقصہ میں بینک اپنے حصے کے یونٹ کس قیمت پر بیچے گا:

یہاں چار صورتیں ہی ممکن ہیں:

Marfat.com

۱۔ بینک نے جتنی رقم لگائی ہے اس سے زیادہ کے بدلے بیچے۔

۲۔ اتنے ہی کا بیچے۔

۳۔ اس سے کم پر بیچے۔

۴۔ بازاری قیمت کے مطابق فروخت کرے۔

تیسری صورت ممکن نہیں کیونکہ اس میں بینک راضی نہیں ہوگا۔ باقی تین صورتیں شرعاً جائز نہیں۔ پہلی صورت اس لیے کہ اس میں گویا بینک نے ضمانت لی ہے کہ اس کا رأس المال مع نفع اسے لوٹایا جائیگا۔ یہ شراکت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ شرکت کی تو بنیاد ہی اس پر ہے کہ نفع اور نقصان میں دونوں شریک ہوں گے گویا یہ حصول سود کا ایک حیلہ ہے۔

دوسری صورت (یعنی اتنے ہی کا بیچے) کو خود اسلامی بینکنگ کے ماہرین ناجائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ المعايير الشرعية میں ہے:

((ولا يجوز اشتراط البيع بالقيمة الاسمية)) [ص ۲۰۷]

''قیمت اسمیہ (Face Value) پر بیع کی شرط لگانا جائز نہیں۔''

دوسری جگہ ہے:

((ولا يجوز الوعد بالشراء بالقيمة الاسمية)) [ص ۱۹۹]

''قیمت اسمیہ (Face Value) پر خریدنے کا وعدہ کرنا ناجائز ہے۔''

اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ گویا بینک نے یہ گارنٹی حاصل کر لی ہے اس کا رأس المال بہر صورت واپس کیا جائے گا۔ یہ شراکت کے اصول کے منافی ہے۔

آخری صورت اس لیے جائز نہیں کہ اس میں غرر پایا جاتا ہے کیونکہ کلائنٹ کی طرف سے خریدنے کا وعدہ لازمی ہوتا ہے جس سے وہ منحرف نہیں ہوسکتا۔ اس کے متعلق ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ بیع میں لازمی وعدہ بیع ہی کی ایک شکل ہے۔ جب بیع اس شرط پر ہو کہ مستقبل میں جو بازاری قیمت ہوگی اس پر میں خرید لوں گا تو اس میں غرر واضح ہے۔

Marfat.com

بینک اپنا حصہ کس قیمت پر فروخت کرتا ہے:

اس تحقیق کی غرض سے جب ہم نے اسلامی بینکاری کے ریسرچ سکالر جناب محمد ایوب جو اسٹیٹ بینک شعبہ اسلامی بینکاری کے اسسٹنٹ رہے ہیں اور انہوں نے اس موضوع پر انگریزی میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جو لندن سے شائع ہو چکی ہے، سے پوچھا تو ان کے بقول بینک اپنے یونٹس قیمت اسمیہ پر فروخت کرتا ہے۔ کیونکہ بینک کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے لگائے ہوئے سرمایہ کو مختلف یونٹس میں تقسیم کر لیتا ہے۔ مثلاً اگر بینک نے دس لاکھ روپیہ لگایا ہے تو وہ اس کو پچاس پچاس ہزار کے بیس یونٹس میں تقسیم کرے گا۔ جو کلائنٹ نے وقفے وقفے سے اتنی ہی قیمت میں خریدنے ہوتے ہیں۔ ہمارے اس سوال پر کہ یہ تو شریعہ سٹینڈرز کے مطابق جائز نہیں، انہوں نے کہا کہ شریعہ سٹینڈرز مشارکہ متناقصہ کو شرکۃ العنان جو کہ شرکہ عقد کی قسم ہے کے تناظر میں دیکھتا ہے جبکہ اسلامی بینک اس کو شرکہ ملک میں شمار کرتے ہیں۔ شرکہ عقد میں تو قیمت اسمیہ پر فروخت کرنے کا معاہدہ نہیں ہو سکتا البتہ شرکہ ملک میں جائز ہے۔ لیکن یہ رائے دو وجہ سے درست نہیں۔

۱۔ بقول ڈاکٹر رفیق یونس مشارکہ متناقصہ میں بینک کی غرض شراکت داری نہیں ہوتی نہ ہی اس کے پیش نظر بیع اور اجارہ ہوتا ہے بلکہ اصل مقصد فنانسنگ ہے۔ اس میں بیع اور اجارہ کو گھسیٹنے کا مقصد تو صرف فنانسنگ کے ذریعے فائدہ حاصل کرنا ہے۔ جیسا کہ ہم پیچھے ان کے حوالے سے بیان کر آئے ہیں۔

۲۔ شرکہ ملک میں کوئی فریق دوسرے کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ ضرور اس کا حصہ خریدے جبکہ یہاں شروع ہی میں یہ معاہدہ ہو جاتا ہے کہ کلائنٹ بینک کا حصہ خریدنے کا پابند ہوگا۔ ڈاکٹر رفیق یونس مصری بینکوں میں رائج مشارکہ متناقصہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

Marfat.com

((ولا شك ان المشروعية تكون حيث يكون الوعد غير ملزم والتناقص بالقيمة السوقية،والتنازل عن الملكية تدريجيا مع كل قسط.....وقل من يفعل ذلك كله من المصارف الاسلامية ، سبب ذلك ان هذه العملية ظاهرها المشاركة وحقيقتها التمويل المصرفى)) [المصارف الاسلامية:ص ٤٢]

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ تب جائز ہوسکتا ہے جب وعدہ لازمی نہ ہواور بازاری قیمت پر فروخت ہواور بینک اپنی ملکیت سے ہر قسط سے تدریجاً دست کش ہو۔ شاذ ونادر ہی کوئی اسلامی بینک ایسا ہوگا جو یہ تمام شرطیں پوری کرتا ہو۔اس کا سبب یہ ہے بظاہر یہ کاروائی مشارکہ اور حقیقت میں بینکنگ فنانسنگ ہے۔

تَوَرُّق:

مروجہ اسلامی بینکوں میں فنانسنگ کا چوتھا ذریعہ تورق ہے۔اس کا مطلب ایسی بیع ہے جس کا مقصد چیز کو ذاتی استعمال میں لانا یا نفع کمانا نہیں بلکہ محض نقدی حاصل کرنا ہوتا ہے۔مثلاً ایک شخص کو نقدی کی ضرورت ہے تو وہ کوئی چیز ادھار زیادہ قیمت پر خرید کر نقد کم پر فروخت کردے۔اس میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ چیز کسی تیسرے شخص کو فروخت کرے نہ کہ اسی کو جس سے خریدی ہے۔چنانچہ الموسوعة الفقية الكويتية میں بیع تورق کا اصطلاحی معنی یوں لکھا ہے:

((والتورق فى الاصطلاح ان يشترى سلعة نسيئة ثم يبيعها نقدا بغير البائع باقل مما اشتراها به ليحصل بذلك على النقد))

''اصطلاح میں تورق کا معنی ہے کہ آدمی کوئی چیز ادھار خریدے پھر بیچنے والے کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس قیمت خرید سے کم قیمت پر فروخت کردے تا کہ اس طریقہ سے نقد رقم حاصل کرسکے۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ولو كان مقصود المشترى الدرهم وابتاع السلعة الى اجل

Marfat.com

لیبیعها ویاخذ ثمنها فهذا یسمی التورق)) [مجموعه فتاویٰ: ۲۹، ص ۳۰]

''اگر خریدار کا مقصد درہم ہو اور وہ ادھار سودا خریدے تا کہ اسے بیچ کر پیسے حاصل کر سکے تو اسے تورق کہتے ہیں۔''

دوسری جگہ بیع عینہ اور تورق میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((واماالذی لم یعد الی البائع بحال بل باعها المشتری من مکان اٰخر لجاره فهذا یسمی التورق))

[مجموعه فتاویٰ: ۲۹ ص ۴۳]

''جب چیز کسی بھی حالت میں بائع کی طرف نہ لوٹے بلکہ مشتری اس کو دوسری جگہ فروخت کر دے تو اسکو تورق کہا جاتا ہے۔''

تورق اور بیع عِینَہ میں فرق:

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فهذا المضطر ان اعاد السلعة الی بائعها فهی العینة وان باعها لغیره فهو التورق)) [اعلام الموقعین: ج ۳ ص ۹۴۹]

''مجبور شخص اگر چیز کو بیچنے والے کے پاس فروخت کرے تو اسکو عینہ کہتے ہیں اگر وہی چیز کسی دوسرے کے پاس فروخت کرے تو اس کو تورق کہتے ہیں۔''

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

((فَأَحْمَد رَحِمَهُ اللّٰه تَعَالَی أَشَارَ إِلَی أَنَّ الْعِیْنَة إِنَّمَا تَقَع مِنْ رَجُل مُضْطَرّ إِلَی نَقْدلِأَنَّ الْمُوْسِر یَضَنّ عَلَیْهِ بِالْقَرْضِ فَیَضْطَرّ إِلَی أَنْ یَشْتَرِیَ مِنْهُ سِلْعَة ثُمَّ یَبِیْعهَافَإِنْ اِشْتَرَاهَا مِنْهُ بَائِعهَا کَانَتْ عِیْنَة وَإِنْ بَاعَهَا مِنْ غَیْره فَهِیَ التَّوَرُّق))

[تهذیب السنن: ج ۵، ص ۱۰۸]

Marfat.com

''امام احمد رحمہ اللہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ بیع عینہ کا معاملہ اس شخص سے .....ہوتا ہے جو نقدی کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ خوشحال شخص اسکو قرض دینے میں بخل سے کام لیتا ہے تو وہ اس پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس سے کوئی چیز خرید کر پھر اس کو بیچ دے۔ اگر اس چیز کو وہ بیچنے والا ہی خریدے تو یہ بیع عینہ ہوتی ہے اور اگر وہ کسی دوسرے کے پاس بیچے تو اس کو تورق کہتے ہیں۔''

قطر کے معروف عالم ڈاکٹر علی احمد سالوس حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

((والتورق بهذا المعنى هو العينة عند الائمة الاربعة ومن جاء بعدهم ببضعة قرون ولعل شيخ الاسلام ابن تيمية هو اول من ذكر هذا التورق ثم جاء اقوال الحنابلة من بعده))

[موسوعة القضايا الفقيهة المعاصرة:ص۸۹۸]

''آئمہ اربعہ اور ان کے بعد کئی صدیوں تک جو آئے ان کے نزدیک اس معنی میں تورق بیع عینہ ہی ہے۔ شاید شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس تورق کا ذکر کیا پھر ان کے بعد فقہاء حنابلہ کے اقوال میں اس کا تذکرہ آیا ہے۔''

"الموسوعة الفقية" کے مطابق اس اصطلاح کا ذکر صرف فقہاء حنابلہ کے ہاں ملتا ہے دوسرے فقہاء اسکو بیع عینہ کے تحت زیر بحث لاتے ہیں۔

((يذكر الفقهاء التورق فى بحث بيع العينة والبيوع المنهى عنها والربا))

''فقہاء بیع تورق کو بیع عینہ ممنوعہ بیوع اور سود کی بحث میں ذکر کرتے ہیں۔''

تورق کا شرعی حکم:

اس کے شرعی حکم میں تین آراء ہیں:

۱۔ سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کی رائے میں یہ جائز

Marfat.com

ہے۔[فتاویٰ اسلامیہ: ج ۲۔ص ۴۴۳] بعض دوسرے علماء کی بھی یہی رائے ہے۔

۲۔ شیخ عثیمین رحمہ اللہ کی رائے میں اگر انسان کو رقم کی ضرورت ہو اور یہ جائز طریقہ سے ممکن نہ ہو اور عقد میں سود کی مشابہت نہ پائی جائے اور آدمی چیز کو قبضے کے بعد ہی فروخت کرے تو اس کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔[رسائل فقیهة:ص ۱۰۷]

۳۔ یہ کسی بھی صورت جائز نہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسکو مکروہ کہا ہے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں:

((التورق اخية الربا ای اصل الربا وهذا القول اقوی))

[مجموعه فتاویٰ:۲۹ ص ۴۳۱]

''تورق ربا کی جڑ ہے یعنی ربا میں ملوث کرنے کا باعث ہے یہ قول زیادہ قوی ہے۔''

عظیم محدث امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((و كان شيخنا رحمه الله يمنع من مسالة التورق وروجع فيها مرارا وانا حاضر فلم يرخص فيها وقال المعنى الذى لاجله حرم الربا موجود فيها بعينة من زيادة الكلفة بشراء السلعة وبيعها والخسارة فيها فالشريعة لاتحرم الضرر الادنیٰ وتبيح ما هو اعلى منه)) [اعلام الوقعين: ج۳ص ۹۵۰]

''ہمارے استاد (امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ) تورق سے منع کرتے تھے۔ان سے میری موجودگی میں متعدد مرتبہ پوچھا گیا مگر انہوں نے اس کی اجازت نہ دی وہ فرماتے تھے جس وجہ سے سود کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ اس (تورق) میں بعینہ موجود ہے۔اس کے ساتھ چیز خریدنے اور بیچنے کی تکلیف الگ ہے۔یہ کیسے ممکن ہے کہ شریعت کم تر ضرر کو تو حرام قرار دے مگر بڑے ضرر کو جائز قرار دے۔''

Marfat.com

الموسوعة الفقية الكويتية میں لکھا ہے کہ جمہور علماء اس کو جائز سمجھتے ہیں۔لیکن ڈاکٹر علی احمد سالوس حفظہ اللہ موسوعہ کے اس دعویٰ سے متفق نہیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ جمہور فقہاء بھی اس کو غلط ہی قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ بیع عینہ ہی میں شامل ہے۔تفصیل کے لیے دیکھیے انکی کتاب ''موسوعة القضايا الفقيهة المعاصرة''

راجح رائے:

اگر قائلین اور مانعین کے دلائل کا موازنہ کیا جائے تو ان حضرات کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے جو اس کے حق میں نہیں ہیں۔ نتیجے کے اعتبار سے تورق اور سود میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ جب تورق میں اصل غرض نقدی حاصل کرنا ہے نہ کہ کسی بھی لحاظ سے چیز سے فائدہ اٹھانا تو ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت لینے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔اسی لیے تو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جس وجہ سے سود حرام ہے وہ اس میں بعینہ موجود ہے۔ بلکہ خرید وفروخت کی تکلیف اضافی ہے۔

بینکوں میں تورق کا استعمال:

ہماری معلومات کے مطابق پاکستان میں ابھی تک اسلامی بینکوں نے اس پر عمل شروع نہیں کیا۔البتہ ملائشیا اور بعض عرب ممالک میں کچھ سالوں سے اس کا استعمال جاری ہے۔زیادہ تر یہ معاملہ عالمی مارکیٹ میں میٹل جیسے زنک ، برونز،نکل اور تانبے وغیرہ کے سودوں میں کیا جاتا ہے۔اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ایسا گاہک جس کو نقدی کی ضرورت ہوتی ہے۔اسلامی بینک سے یہ کہتا ہے کہ کہ وہ اس نوع کا میٹل جو عام طور پر دوسرے ملک میں ہوتا ہے،ادھار قسطوں پر خریدنے کے لیے تیار ہے۔ یہ سودا میٹل کے یونٹ کے حساب سے ہوتا ہے۔جس کا وزن اور قیمت طے ہوتی ہے اور یہ بھی پہلے ہی طے ہوتا ہے کہ سودا مکمل ہونے کے بعد بینک گاہک کے وکیل کی حیثیت سے اس

کو آگے فروخت کر کے رقم اس کے کھاتے میں جمع کر دے گا۔ جو وہ نکلوا کر اپنی ضرورت پوری کر سکے گا۔ ظاہر ہے کہ بینک نے ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت لگانی ہے اور آگے کم قیمت پر فروخت کرنا ہے۔ دونوں سودوں کے درمیان جو فرق ہوگا وہ بینک کا نفع ہوگا۔ مثلاً بینک نے ایک لاکھ ڈالر کا ایک سودا ادھار قسطوں پر بیچا ہے تو وہ اس کے وکیل کی حیثیت سے آگے اس کو پچانوے ہزار ڈالر میں فروخت کر کے رقم اس کے کھاتے میں جمع کروا دے گا۔ جس سے وہ اپنی مالی ضرورت پوری کر لے گا۔ بینک ایک لاکھ ڈالر قسطوں میں وصول کرے گا۔ اس طرح بینک کو پانچ ہزار ڈالر کا فائدہ ہو جائے گا۔ تورق کی یہ قسم کئی لحاظ سے سطور بالا میں بیان ہونے والی قسم سے مختلف ہے۔

- اس میں فروخت کنندہ یعنی بینک خریدار اور فروخت کنندہ کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ جبکہ پہلی قسم میں فروخت کنندہ کا درمیان میں کوئی کردار نہیں ہوتا۔
- تورق کی اس نوع میں نقدی کا ضرورتمند خود بینک سے جس کا اب وہ مدیون (مقروض) ہو چکا ہے رقم وصول پاتا ہے۔ جبکہ تورق کی اول الذکر قسم میں وہ آخری خریدار سے خود وصول پاتا ہے۔ اس میں پہلے فروخت کنندہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔
- اسلامی بینکوں میں رائج تورق ادھار اور نقد دو بیعوں کو مجموعہ ہوتی ہے۔ جو حقیقت میں ایک دوسرے کے ساتھ مشروط ہوتی ہے۔ فقہی تورق میں یہ چیز نہیں ہوتی۔
- فقہی تورق میں وہ چیز زیادہ یا قیمتِ خرید پر بکنے کا احتمال بھی ہوتا ہے لیکن بینکوں میں رائج تورق میں اس کا کم قیمت پر بیچنا طے ہوتا ہے۔

شرعی حیثیت:

- جب راجح رائے مطابق تورق بذات خود منع ہے تو یہ صورت بدرجہ اتم ممنوع ہونی چاہیے کیونکہ یہ کئی لحاظ ہے اس سے مختلف ہے اور پھر سب کام بینک کے کرنے کی وجہ سے اس کی مشابہت سود اور بیع عینہ سے ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

❁ نبی ﷺ کا فرمان ہے ایک بیع میں دو شرطیں درست نہیں۔اس میں تو کئی شرطیں پائی جاتی ہیں مثلاً:

* یہ شرط کہ مشتری بینک کو وکیل بنائے گا۔
* مشتری وکالت منسوخ نہیں کر سکتا۔
* بینک کی قیمت خرید سے زیادہ پیسے دے گا۔
* آگے کم قیمت پر فروخت کرے گا۔

❁ جس چیز پر سودا ہوتا ہے وہ بینک کے پاس پہلے سے موجود نہیں ہوتی بلکہ بینک بعد میں خریدتا ہے۔اس طرح یہ "مرابحة للآمر بالشراء" ہے جو بذات خود جائز نہیں۔

بَیع سَلَمْ:

بعض اسلامی بینکوں میں تمویلی سرگرمیوں کے لے بیع سلم کا استعمال بھی جاری ہے سلم ایک معروف شرعی اصطلاح ہے جس سے مراد لین دین اور خرید وفروخت کی وہ قسم ہے جس میں ایک شخص یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے کہ وہ مستقبل کی فلاں تاریخ پر خریدار کو ان صفات کی حامل فلاں چیز مہیا کرے گا۔شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَالسَّلَمُ شَرْعًا بَيْعٌ مَوْصُوْفٌ فِی الذِّمَّةِ))

[فتح الباری: ج٤ ، ص ٥٤٠]

''سلم کا شرعی معنی ہے ایسی چیز بیچنے کی ذمہ داری اٹھانا جس کی صفات بیان کر دی گئی ہوں۔''

اس کو سلف بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں بیچی گئی چیز کی قیمت معاہدے کے وقت ہی ادا کر دی جاتی ہے۔یعنی یہ بیع کی وہ قسم ہے جس میں قیمت تو فوری ادا کر دی جاتی ہے مگر چیز بعد میں فراہم کی جاتی ہے۔

Marfat.com

نبی ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو یہاں بیع کی یہ صورت بھی رائج تھی آپ ﷺ نے اس سے کلیۃً منع کرنے کی بجائے بنیادی اصلاحات کر کے اس کو باقی رکھا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((قَدِمَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم الْمَدِیْنَةَ ، وَهُمْ یُسْلِفُوْنَ بِالتَّمْرِ السَّنَتَیْنِ وَالثَّلَاثَ ، فَقَالَ مَنْ أَسْلَفَ فِیْ شَیْءٍ فَفِیْ کَیْلٍ مَعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ ، إِلٰی أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ)) [صحیح بخاری:باب السلم فی وزن معلوم]

''نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ کھجوروں میں دو اور تین سال کے لیے بیع سلم کرتے تھے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بیع سلم کرنا چاہتا ہے وہ متعین پیمانے اور وزن میں متعین مدت کے لیے کرے۔''

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

((أَشْهَدُ أَنَّ السَّلَفَ الْمَضْمُوْنَ إِلٰی أَجَلٍ مُسَمًّی قَدْ أَحَلَّهُ اللّٰهُ فِیْ کِتَابِهٖ وَأَذِنَ فِیْهِ ثُمَّ قَرَأَ ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا إِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ إِلٰی أَجَلٍ مُسَمًّی فَاکْتُبُوْهُ ﴾)) [مصنف ابن ابی شیبة: ج٥، ص٢٧٧، مستدرك حاکم: ج٧ص٢٥٨]

''میں گواہی دیتا ہوں کہ مقررہ مدت تک ضمانت دی گئی سلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جائز قرار دیا ہے اور اس کی اجازت دی ہے۔ پھر انہوں نے قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔''

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا إِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ إِلٰی أَجَلٍ مُسَمًّی فَاکْتُبُوْهُ ﴾ [البقرة:٢٨٢]

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں مقررہ وقت تک ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔''

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((إِنَّا كُنَّا نُسْلِفُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فِي الْحِنْطَةِ، وَالشَّعِيْرِ وَالزَّبِيْبِ، وَالتَّمْرِ))

[صحيح بخاری: باب السلم فی وزن معلوم]

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں گندم، جو، کھجور اور منقہ میں بیع سلم کرتے تھے۔''

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى مَشْرُوْعِيَّتِهِ إِلَّا مَا حُكِيَ عَنْ اِبْنِ الْمُسَيِّبِ))

[فتح الباری: ج٤ ص٥٤٠]

''سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کے علاوہ تمام علماء اس کے جواز پر متفق ہیں۔''

سلم کی اجازت کا فلسفہ:

بعض کسانوں اور مینوفیکچررز کے پاس ضرورت کے مطابق مثلاً بیج، کھادوں، آلات، خام مال خریدنے اور لیبر کے لیے رقم نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کو اسلام نے یہ سہولت دی ہے کہ وہ حصول رقم کی خاطر اپنی فصل یا پیداوار قبل از وقت فروخت کر سکتے ہیں تاکہ قرض کے لیے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچے رہیں۔ اضافی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی چیز بیچنے کے لیے کسٹمر تلاش کرنے کی فکر سے آزاد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا سودا پہلے ہی ہو چکا ہوتا ہے۔ اس سے خریدار کو بھی فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ سلم میں قیمت ان چیزوں کی نقد قیمت سے کم ہوتی ہے جو نقد ادا کی جانی ہو۔ مزید برآں اگر چیز آگے بیچنا چاہتا ہو تو مارکیٹنگ کے لیے مناسب وقت مل جاتا ہے۔

کیا سلم خلافِ قیاس ہے؟

شرعی اصول کے مطابق انسان کو وہی چیز بیچنے کی اجازت ہے جو نہ صرف وجود میں آچکی ہو بلکہ اس کی ملکیت اور قبضہ میں ہو جبکہ سلم میں عقد کے وقت چیز کا وجود ہی نہیں

ہوتا۔اس بنا پر بعض فقہاء نے کہا ہے کہ سلم بیع معدوم کی ایک استثنائی صورت ہے۔مگر امام ابن قیم رحمہ اللہ اس سے متفق نہیں ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

((وأما السلم فمن ظن أنه على خلاف القياس توهم دخوله تحت قول النبى صلى الله عليه وسلم لا تبع ما ليس عندك فإنه بيع معدوم والقياس يمنع منه والصواب أنه على وفق القياس فإنه بيع مضمون فى الذمة موصوف مقدور على تسليمه غالبا وهو كالمعارضة على المنافع فى الإجارة وقد تقدم أنه على وفق القياس)) [اعلام الموقعين: ج ٢، ص ١٩]

''اس کا مطلب ہے کہ جو حضرات سلم کو خلافِ قیاس سمجھتے ہیں وہ اس کو نبی ﷺ کے اس ارشاد ''جو چیز تیرے پاس موجود نہیں اس کو فروخت نہ کر۔'' میں داخل سمجھنے کی غلطی کرتے ہیں جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ قیاس کے مطابق ہے۔کیونکہ یہ ایسی بیع ہے جس میں انسان ایسی چیز جس کو عام طور پر حوالے کر سکتا ہوتا ہے بیان کی گئی صفات کے مطابق بیچنے کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔یہ اجارہ میں منفعت کا معاوضہ لینے جیسی صورت ہے۔اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ قیاس کے مطابق ہے۔''

سلم کی شرطیں:

اس میں ان تمام پابندیوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے جو شریعت نے عام بیع کیلیے مقرر کی ہیں تاہم معاملہ کو غرر سے پاک رکھنے کے لیے کچھ خاص شرطیں بھی رکھی گئی ہیں۔مثلاً:

- جس چیز کا سودا کیا جا رہا ہو معاہدے کے وقت اس کی نوعیت، اوصاف، مقدار، تعداد اور مالیت کا تعین پہلے سے کیا جا سکتا ہو۔جن چیزوں میں یہ ممکن نہ ہو ان میں بیع سلم جائز نہیں ہوتی۔جیسے قیمتی موتی، جواہرات اور نوادرات ہیں کیونکہ ان کی اکائیاں ایک دوسرے سے کافی مختلف ہوتی ہیں۔

Marfat.com

❁ جو چیز بیچی اور جو قیمت میں دی جا رہی ہو دونوں کا تعلق ان اموال سے نہ ہو جن میں فوری قبضہ کی شرط ضروری ہے جیسے چاندی کے عوض سونے کی بیع یا گندم کے بدلے گندم کا سودا۔ کیونکہ اس قسم کے تبادلہ میں موقع پر قبضہ شرط ہے۔

❁ مکمل قیمت معاہدہ کے وقت ہی ادا کر دی جائے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔

((مَنْ سَلَّفَ فِیْ تَمْرٍ فَلْیُسْلِفْ فِیْ کَیْلٍ مَعْلُوْمٍ ، وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ))

[صحیح بخاری: کتاب السلم، باب السلم فی کیل معلوم]

''جو کھجوروں میں بیع سلف کرے وہ معلوم پیمانے اور معلوم وزن میں کرے۔''

سلف سلم کا دوسرا نام ہے اور اس کو سلف اس لے کہا جاتا کہ اس میں قیمت پیشگی ادا کر دی جاتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں یعنی پیشگی قیمت کی شرط آپ ﷺ نے خود لگائی ہے۔ اور اگر پوری قیمت پہلے ادا نہ کی جائے تو یہ ادھار کا ادھار کے ساتھ تبادلہ ہوگا جو شرعاً ممنوع ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَاتَّفَقُوْا عَلَی أَنَّهُ یَشْتَرِط لَهُ مَا یَشْتَرِط لِلْبَیْعِ ، وَعَلَی تَسْلِیْم رَأْس الْمَال فِی الْمَجْلِس)) [فتح الباری: ٤ ص ٥٤٠]

''علماء اس پر متفق ہیں کہ اس کی بھی وہی شرطیں ہیں جو عام بیع کی ہیں اور اس پر بھی متفق ہیں کہ مجلس میں راس المال حوالے کرنا ضروری ہے۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((هذا الشرط لا بد منه ولا یتم السلم إلا به وإلا کان من بیع الکالیء بالکالیء وقد قدمنا النهی عنه)) [السیل الجرار: کتاب البیع باب السلم]

''یہ شرط ضروری ہے اس کے بغیر سلم مکمل نہیں ہوتی ورنہ یہ ادھار کی ادھار کے ساتھ بیع ہوگی۔ اور اس کی ممانعت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔''

❁ مدت حوالگی پوری طرح واضح ہو۔ اگر اس میں کسی قسم کا ابہام پایا جائے تو بیع سلم

Marfat.com

درست نہ ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ ، وَكَانَ بَيْعًا يَتَبَايَعُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ ، كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُوْرَ إِلٰى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ ، ثُمَّ تُنْتَجُ الَّتِيْ فِيْ بَطْنِهَا))

[صحيح بخاری:باب بيع الغرر و حبل الحبلة]

''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے حاملہ کے حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے۔(نافع کہتے ہیں) بیع کی یہ صورت زمانہ جاہلیت میں رائج تھی۔آدمی اس وعدہ پر اونٹ خریدتا کہ جب اونٹنی جنے پھر وہ بڑی ہو کر جنے تب قیمت دوں گا''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((لَا تَبَايَعُوْا إِلَى الْحَصَادِ وَالدِّيَاسِ وَلَا تَتَبَايَعُوْا إِلَّآ إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ)) [ارواء الغليل: ج٥ ص٢١٧]

''فصل کاٹنے یا گاہنے تک بیع نہ کرو بلکہ متعین مدت تک کرو۔''

ان دونوں صورتوں میں چونکہ مدت میں ابہام ہے اس لے یہ جائز نہیں ہیں۔

- مخصوص باغ یا زمین کے مخصوص قطعہ کی پیداوار میں بیع سلم نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں غرر پایا جاتا ہے۔ممکن ہے وہ باغ پھل نہ دے یا قطعہ زمین میں فصل ہی نہ ہو۔سعید بن سعنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

((هَلْ لَكَ أَنْ تَبِيْعَنِيْ تَمْرًا مَعْلُوْمًا إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ مِنْ حَائِطِ بَنِيْ فُلَانٍ قَالَ لَا أَبِيْعُكَ مِنْ حَائِطٍ مُسَمًّى ، بَلْ أَبِيْعُكَ أَوْسُقًا مُسَمَّاةً إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى)) [فتح الباری: ج٤ ص:٥٤٦]

''کیا آپ مجھے بنی فلاں کے باغ سے متعین مدت کے لیے متعین کھجوریں فروخت کریں گے۔آپ نے فرمایا متعین باغ سے نہیں بلکہ متعین وسق متعین مدت کے لیے فروخت کرتا ہوں۔''

Marfat.com

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

((وَنَقَلَ اِبْنُ الْمُنْذِرِ اِتِّفَاقَ الْأَكْثَرِ عَلٰى مَنْعِ السَّلَمِ فِيْ بُسْتَانٍ مُعَيَّنٍ لِأَنَّهُ غَرَرٌ)) [حواله مذكوره]

''ابن منذر نے متعین باغ میں سلم کی ممانعت پر اکثر کا اتفاق نقل کیا ہے۔''

ڈاکٹر علامہ محمد سلیمان اشقر لکھتے ہیں:

''دور حاضر میں اس کی بعض صورتوں میں نظر ثانی ہونی چاہیے کیونکہ بعض بڑی بڑی فیکٹریاں ایسی ہیں جن کی مصنوعات بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہیں اور ان کی مصنوعات میں ایسی خوبیاں ہیں جو دوسری فیکٹریوں کی مصنوعات میں نہیں پائی جاتیں۔ جیسے مرسڈیز کمپنی کی گاڑیاں یا توشیبا کے ٹیلیویژن ہیں اگر کوئی مرسڈیز گاڑی ۲۰۰ ماڈل ۱۹۹۴ء میں سلم کرنا چاہے تو یہ جائز ہونی چاہیے بلکہ میرے نزدیک گاڑیوں میں اس وقت تک سلم درست نہیں جب تک فیکٹری کا نام ذکر نہ کرے۔ صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ گاڑی پانچ سیٹر اور فلاں سال کا ماڈل ہو کیونکہ قیمتوں کے فرق کی وجہ سے اس میں جہالت پائی جاتی ہے جو نزاع کا باعث بن سکتی ہے۔ گاڑیوں کے علاوہ دوسری بڑی فیکٹریوں جن کی پیداوار بازاروں میں عام ہے کا بھی یہی حکم ہے۔ البتہ مخصوص زرعی فارم اور محدود پیداوار کے حامل کارخانے کا یہ حکم نہیں کیونکہ اس کی پیداوار بند بھی ہو سکتی ہے۔''

[بحوث فقهية فى قضايا اقتصادية معاصرة: ج ١، ص: ١٩٤-١٩٥]

علامہ سلیمان اشقر کے خیال میں بعض مالکی فقہاء جیسے ابن شاس اور ابن الحاجب کے کلام سے بھی اس نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے۔ انہوں نے متعین باغ کے پھل میں سلم ناجائز ہونے کے ساتھ یہ شرط لگائی ہے ''کہ وہ باغ چھوٹا نہ ہو'' اور جانوروں میں یہ قید لگائی ہے ''کہ ان کا تعلق ایسی نسل سے نہ ہو جو کم پائی جاتی ہو'' اس کا مطلب ہے کہ باغ اگر بڑا اور جانور کی نسل زیادہ پائی جاتی ہو تو اس میں سلم غیر متعین ہی کی طرح ہے۔

Marfat.com

مزید لکھتے ہیں کہ بعض فقہاء کے اس کلام ''کہ بڑی بستی کے پھل میں سلم جائز ہے لیکن اگر چھوٹی ہو تو پھر جائز نہیں'' سے بھی اس کو تقویت ملتی ہے۔[حوالہ مذکورہ]

ملاحظہ:

شیئرز کے سودوں میں چونکہ کمپنی کا نام ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے جس سے اس کی حیثیت متعین چیز میں سلم کی ہو جاتی ہے جو نا جائز ہے ممکن ہے جب سپردگی کا وقت آئے مارکیٹ میں اس کمپنی کے شیئرز دستیاب نہ ہوں لہٰذا شیئرز میں بیع سلم درست نہیں۔

سلم میں رہن اور ضمانت طلب کرنا:

بیع سلم میں بیچی گئی چیز چونکہ فروخت کنندہ کے ذمہ ادھار ہوتی ہے لہٰذا خریدار حوالگی یقینی بنانے کے لیے رہن یا گارنٹی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ ہم اوپر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کر آئے ہیں کہ قرآن حکیم کی آیت

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾[البقرة :٢٨٢]

''اے ایمان والو: جب تم آپس میں مقرر وقت تک ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔''

میں بیع سلم بھی شامل ہے جبکہ اس سے بعد والی آیت میں ادھار میں رہن کی اجازت دی گئی ہے۔ یعنی سلم میں رہن کا جواز قرآن سے ثابت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے حق میں بایں الفاظ بَابُ الرَّهْنِ فِي السَّلَمِ ''سلم میں رہن کا ثبوت'' عنوان باندھا ہے اور یہ روایت ذکر کی ہے۔ اعمش رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((تَذَاكَرْنَا عِنْدَ إِبْرَاهِيْمَ الرَّهْنَ فِي السَّلَفِ فَقَالَ حَدَّثَنِي الْأَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اشْتَرٰى مِنْ يَهُوْدِيٍّ طَعَامًا إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ ، وَارْتَهَنَ مِنْهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيْدٍ)) [صحيح بخاری: باب الرهن فی السلم]

Marfat.com

''ہم نے ابراہیم کے پاس سلم میں رہن کے متعلق گفتگو کی انہوں نے فرمایا مجھے اسود نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے متعین مدت کے لے غلہ خریدا اور اس کے پاس لوہے کی زرہ گروی رکھی۔''

سلم میں قبضہ کی مدت:

چونکہ حدیث وسنت میں بیع سلم میں قبضہ کی کم از کم مدت کے متعلق کوئی صراحت نہیں ملتی اس لیے اس بارہ میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک ایک گھڑی کی مہلت بھی کافی ہے جبکہ بعض نصف یوم بعض دو بعض تین اور بعض پندرہ یوم کے قائل ہیں۔ [عمدۃ القاری: ج ۸ ص: ۵۸۱]

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کی رائے میں کم از کم اتنی مدت ہونی چاہیے جس کا قیمتوں پر مناسب اثر پڑتا ہو وہ ایک مہینہ یا اس کے قریب ہے۔ [المغنی ج ۶۔ ص ۴۰۴]

صحیح بات یہ ہے کہ فریقین کو باہمی رضا مندی سے کوئی بھی مدت مقرر کرنے کا اختیار ہے۔

- ایک تو اس لیے کہ ذخیرہ احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کم از کم مدت کے متعلق کوئی روایت منقول نہیں۔
- دوسرا اس لیے کہ سلم کی اجازت کا مقصد لوگوں کو سہولت دینا ہے یہ مقصد تب ہی حاصل ہوسکتا ہے جب مدت کی پابندی نہ ہو۔

حوالگی میں تاخیر پر جرمانہ:

سلم میں بیچی گئی چیز چونکہ فروخت کنندہ کے ذمے دین (ادھار) ہوتی ہے جس میں تاخیر پر جرمانہ صریح سود شمار ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

((مَنْ أَسْلَفَ سَلَفًا فَلَا يَشْتَرِطُ إِلَّا قَضَاءَهُ))

[مؤطا امام مالك: باب مالا يجوز من السلف]

Marfat.com

''جو قرض دے وہ ادائیگی کے علاوہ کوئی شرط عائد نہ کرے۔''

اسلامی بینکوں کی رہنمائی کے لیے مرتب کردہ شریعہ سٹینڈرز میں ہے:

((لَا يَجُوزُ الشَّرطُ الْجُزَائِيُ عَنِ التَّأْخِيرِ فِيْ تَسْلِيمِ الْمُسْلَمِ فِيْهِ))

[ص ١٦٢]

''جس چیز میں سلم کا سودا ہوا ہو اس کی تاخیر پر شرطِ جزائی جائز نہیں۔''

صفحہ ۱۷۰ میں ممانعت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جس چیز کا سودا ہوا ہے وہ بیچنے والے کے ذمہ دَین ہے جس پر اضافہ کی شرط سود شمار ہوتی ہے۔

اگر فروخت کنندہ تنگ دستی کی وجہ سے بروقت چیز مہیا نہ کر سکے تو اس کو فراخدستی تک موقع دیا جائے گا۔

اگر مطلوبہ چیز کی پیداوار کم ہونے یا بازار میں دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے بائع کے لیے بروقت سپردگی ممکن نہ ہو تو خریدار کے پاس دو اختیار ہوتے ہیں۔

۱۔ بازار میں آسانی سے دستیاب ہونے کا انتظار کرے۔

۲۔ سودا ختم کر کے اپنی رقم وصول کر لے۔[المعايير الشرعية ص: ١٦٢]

اگر عمداً تاخیری حربے استعمال کرے تو خریدار کو گارنٹی بیچنے کا بھی حق ہے، ایسی صورت میں خریدار کے پاس دو اختیار ہوں گے۔

- گارنٹی سے حاصل شدہ رقم سے اس قسم کی چیز بازار سے خرید لے۔
- یا اپنی اصل رقم وصول پالے۔

لیکن اضافی رقم خواہ جرمانے کے نام پر ہی کیوں نہ ہو وصول نہیں کی جا سکتی۔

بعض حضرات کی رائے میں اگر جرمانہ کی رقم قرض خواہ یا ادھار دینے والے کی آمدن کا حصہ نہ بنے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ رائے صائب نہیں کیونکہ شرعاً قرض یا ادھار پر مشروط اضافہ سود کے زمرہ میں داخل ہے اس میں آمدن کا حصہ بننے یا نہ بننے کی شرط نہیں۔

Marfat.com

قبضہ سے پہلے بیچنا:

سلم کے ذریعے خریدی گئی چیز جب تک خریدار کے قبضہ میں نہ آجائے اس کو آگے فروخت کرنا منع ہے۔ کیونکہ یہ دَین ہے جس کو بیچنا شرعاً درست نہیں علاوہ ازیں احادیث میں قبضہ سے قبل فروخت کی ممانعت ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ لکھتے رحمہ اللہ ہیں:

((أَمَّا بَيْعُ الْمُسْلَمِ فِيهِ قَبْلَ قَبْضِهِ ، فَلَا نَعْلَمُ فِي تَحْرِيمِهِ خِلَافًا ، وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الطَّعَامِ قَبْلَ قَبْضِهِ وَعَنْ رِبْحِ مَا لَمْ يُضْمَنْ وَلِأَنَّهُ مَبِيعٌ لَمْ يَدْخُلْ فِي ضَمَانِهِ ، فَلَمْ يَجُزْ بَيْعُهُ ، كَالطَّعَامِ قَبْلَ قَبْضِهِ)) [المغنی: ج۹ ص۶۸]

''سلم کے ذریعے خریدی گئی چیز کو قبضہ سے قبل فروخت کرنے کی حرمت میں ہم کسی اختلاف کا علم نہیں رکھتے۔ بلاشبہ نبی ﷺ نے قبضہ سے قبل غلے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ اور اس چیز کے نفع سے بھی منع فرمایا ہے جس کا رسک نہ اٹھایا گیا ہو۔ اور یہ چیز تو ابھی اس کے رسک میں نہیں آئی لہٰذا اس کی بیع جائز نہیں جس طرح غلے کی قبضہ سے قبل بیع جائز نہیں۔''

نوٹ: اس چیز کی فروخت کا ایسا وعدہ جس کی پابندی دونوں یا کسی ایک فریق کے لیے لازمی ہو وہ بھی اس ممانعت میں شامل ہیں۔

تجارت میں سلم کا استعمال:

کیا سلم کی اجازت صرف کاشتکاروں اور اشیاء تیار کرنے والوں کے لیے ہے یا سپلائرز بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ اس بارہ میں دو نقطہ نظر ہیں۔

۱۔ اکثر علماء کی رائے میں یہ رعایت تاجروں کے لیے بھی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسی نقطہ نظر کے حامی ہیں چنانچہ انہوں نے اس کے حق میں ''باب السلم الی من لیس عندہ أصل '''' ایسے شخص سے سلم کا معاملہ کرنا جس کے پاس اس چیز کی

Marfat.com

اصل نہ ہو'' کے عنوان سے ایک مستقل باب باندھا ہے اور استدلال کے لیے ذیل کی روایت لائے ہیں۔

((قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ كُنَّا نُسْلِفُ نَبِيطَ أَهْلِ الشَّأْمِ فِي الْحِنْطَةِ ، وَالشَّعِيرِ ، وَالزَّيْتِ ، فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ ، إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ قُلْتُ إِلَى مَنْ كَانَ أَصْلُهُ عِنْدَهُ قَالَ مَا كُنَّا نَسْأَلُهُمْ عَنْ ذَلِكَ))

[صحيح بخاری:باب السَّلَمِ إِلَى مَنْ لَيْسَ عِنْدَهُ أَصْلٌ]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم شام کے کاشتکاروں کے ساتھ گندم، جو، اور تیل میں متعین پیمانے اور متعین مدت کے لے سلم کا معاملہ کرتے: محمد بن ابی مجالد رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے پوچھا: کیا ان سے جن کے پاس ان چیزوں کی اصل ہوتی ؟ انہوں نے فرمایا: ہم ان سے اس کے متعلق نہیں پوچھتے تھے۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا مطلب ہے کہ ہم ان سے یہ نہیں پوچھتے تھے کہ تمھارے پاس گندم یا جو کی فصل ہے یا نہیں؟

اس نقطہ نظر کے حق میں دوسری روایت یہ پیش کی جاتی ہے۔

((كُنَّا نُسْلِفُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّبِيبِ أَوِ التَّمْرِ شَكَّ فِي التَّمْرِ وَالزَّبِيبِ وَمَا هُوَ عِنْدَهُمْ أَوْ مَا نَرَاهُ عِنْدَهُمْ)) [مسند احمد: ١٩٦٤٠]

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں گندم، جو اور منقی یا کہا کھجوروں میں (یعنی راوی کو یہ شک ہے کہ کھجور کا لفظ بولا یا منقے کا) بیع سلم کرتے حالانکہ وہ چیز ان کے پاس نہیں ہوتی تھی یا کہا ہم وہ ان کے پاس نہیں دیکھتے تھے''

اس نقطہ نظر کے قائلین کہتے ہیں یہ روایات اس امر کا بیّن ثبوت ہیں کہ سلم کی اجازت سپلائر کے لیے بھی ہے۔

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ سلم کی اجازت صرف کاشتکاروں اور مینوفیکچرز کو ہے۔ ان

Marfat.com

حضرات کی دلیل یہ ہے کہ کاشتکار اور چیز تیار کرنے والا جب سلم کے ذریعے چیز بیچتا ہے تو غالب گمان یہی ہوتا ہے مدت حوالگی کے وقت وہ چیز اس کے پاس موجود ہوگی اس کو دوسرے سے خریدنے کی ضرورت پیش نہیں آئی گی گویا وہ اپنی ملکیتی چیز بیچ رہا ہے اس کے برعکس سپلائر جب سلم کا معاہدہ کرتا ہے تو وہ چیز اس کے پاس موجود نہیں ہوتی شریعت نے غیر ملکیتی چیز کا سودا کرنے پر پابندی لگائی ہے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((سَأَلْتُ النَّبِیَّ صلی الله علیه وسلم فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یَأْتِیْنِیْ الرَّجُلُ فَیَسْأَلُنِی الْبَیْعَ لَیْسَ عِنْدِیْ أَبِیْعُهُ مِنْهُ ثُمَّ أَبْتَاعُهُ لَهُ مِنَ السُّوْقِ))

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے پاس ایک آدمی آتا ہے وہ مجھے ایسی چیز بیچنے کو کہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی کیا میں اس کو بیچ دوں پھر وہ بازار سے خرید کر اس کو دے دوں۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

((لَا تَبِعْ مَا لَیْسَ عِنْدَكَ)) [سنن النسائی:باب بَیْعِ مَا لَیْسَ عِنْدَ الْبَائِعِ]

''جو چیز تیرے پاس نہیں وہ فروخت نہ کر۔''

ان حضرات کے خیال میں حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کا سوال تجارت میں سلم کے متعلق ہی تھا مگر آپ نے اس کی اجات نہ دی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اگر اس کی صفات بیان کر دی گئی ہوں تو پھر جائز ہے۔ان حضرات کی تحقیق میں جو روایات اوّل الذکر فریق نے پیش کی ہیں وہ ان کے موقف کے ثبوت کے لیے ناکافی ہیں۔پہلی روایت کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ خریدار کو فروخت کنندہ سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ آپ کے پاس کھیتی یا باغ ہے کہ نہیں۔[بحوث فی فقه المعاملات المالیة: ص ١٣٤، ١٣٧، ١٣٩ للدکتور رفیق یونس المصری]

Marfat.com

ان حضرات کی طرف سے دوسری روایت کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ جو چیز سلم میں فروخت کی جارہی ہے اس کا معاہدے کے وقت پایا جانا ضروری نہیں جیسا کہ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ وہ چیز معاہدہ طے پانے کے دن سے قبضہ کے دن تک بازار میں دستیاب ہو۔

جو حضرات سپلائرز کو سلم کی اجازت دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے فرمان ''جو چیز تیری ملکیت میں نہیں اس کو فروخت نہ کر'' سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تاجر سلم سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اس ارشاد کا معنی صرف یہ ہے کہ ایسی متعین چیز فروخت نہ کر جو تیرے قبضہ میں نہ ہو بلکہ غیر کی ملکیت ہو۔ چنانچہ امام ابن قیم رحمہ اللہ اس کی تشریح میں رقمطراز ہیں:

((وَأَمَّا قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ (لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ)فَيُحْمَلُ عَلَى مَعْنَيَيْنِ أَحَدُهُمَا أَنْ يَبِيعَ عَيْنًا مُعَيَّنَةً وَهِيَ لَيْسَتْ عِنْدَهُ ، بَلْ مِلْكٌ لِلْغَيْرِ ، فَيَبِيعُهَا ثُمَّ يَسْعَى فِي تَحْصِيلِهَا وَتَسْلِيمِهَا إِلَى الْمُشْتَرِي وَالثَّانِي أَنْ يُرِيدَ بَيْعَ مَا لَا يَقْدِرُ عَلَى تَسْلِيمِهِ وَإِنْ كَانَ فِي الذِّمَّةِ))

[اعلام الموقعين : ج ٢، ص ٤٦]

''حکیم بن حزام سے نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''جو چیز تیری ملکیت میں نہیں وہ فروخت نہ کر، اس کو دو معنوں پر محمول کیا جائے گا۔

۱۔ انسان ایسی متعین چیز بیچے جو اس کے پاس موجود نہ ہو بلکہ غیر کی ملکیت ہو۔ آدمی پہلے اس کو بیچے پھر حاصل کر کے مشتری کے حوالے کرنے کی کوشش کرے۔

۲۔ ایسی چیز کا سودا کرے جس کو (مشتری کے) حوالے نہ کر سکتا ہو خواہ ذمہ داری اٹھائے۔''

بیع سلم میں دونوں باتیں نہیں ہوتیں کیونکہ یہاں تو صرف بیان شدہ صفات کے

Marfat.com

مطابق ایک چیز فروخت کرنے کی ذمہ داری قبول کی جاتی ہے۔

اسلامی بینکوں میں سلم کا استعمال:

بلا شبہ سلم ایک بہترین غیر سودی طریقہ تمویل ہے جو عصر حاضر میں بھی لوگوں خصوصا کاشتکاروں اور مینوفیکچررز کی مالی ضرورتیں پوری کرنے کی بھر پور صلاحیت رکھتا ہے اور بعض اسلامی بینک اس سے فائدہ بھی اٹھا رہے ہیں۔لیکن ہمارے ہاں اسلامی بینک اس کی عملی تطبیق میں گڑبڑ کرتے ہیں جس سے یہ معاملہ شرعی اصول کے مطابق نہیں رہتا۔وہ یوں کہ گنے کے سیزن میں شوگر ملوں کو گنا خریدنے کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ملز مالکان چاہتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھی پورا ہو جائے اور ہم سود سے بھی محفوظ رہیں اب وہ اسلامی بینک کی طرف رجوع کرتے ہیں بینک اس شرط پر رقم فراہم کرتا ہے کہ آپ نے ہمیں اس کے عوض فلاں تاریخ تک اتنی چینی مہیّا کرنی ہے یعنی بینک سلم کا معاہدہ کر لیتا ہے شوگر ملز کی طرف سے فراہمی یقینی بنانے کے لیے بینک ضمانت بھی طلب کرتا ہے چونکہ بینک کاروباری ادارہ نہیں جو آگے بیچنے کے لیے گاہک تلاش کرتا پھرے اس لیے معاہدے کے وقت ہی یہ بھی طے کر لیا جاتا ہے کہ مل مالک بینک کے وکیل کی حیثیت سے یہ چینی مارکیٹ میں اس قیمت پر فروخت کر کے رقم بینک کے سپرد کرے گا۔بعض دفعہ معاہدے کے وقت اس کی صراحت نہیں ہوتی مگر فریقین کے ذہن میں یہی ہوتا ہے۔اگر شوگر مل بروقت چینی فراہم نہیں کرتی تو بینک دی گئی رقم کے فیصد کے حساب سے جرمانہ وصول کرتا ہے جو بینک کی زیرنگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروایا جاتا ہے۔

بینک کا خود قبضہ کرنے کی بجائے فروخت کنندہ کو ہی وکیل بنانا شرعی اصول کے خلاف ہے۔چنانچہ علماء احناف کے سرخیل علامہ سرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وَلَوْ قَالَ رَبُّ السَّلَمِ لِلْمُسْلَمِ إِلَيْهِ كُلُّ مَا لِيْ عَلَيْكَ مِنَ الطَّعَامِ فَاعْزِلْهُ فِيْ بَيْتِكَ أَوْ فِيْ غَرَائِرِكَ فَفَعَلَ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ رَبُّ السَّلَمِ

Marfat.com

قَابِضًا بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ اقْبِضْهُ لِيْ بِيَسَارِكَ مِنْ يَمِيْنِكَ وَهَذَا لِأَنَّ الْمُسْلَمَ فِيْهِ دَيْنٌ عَلَى الْمُسْلَمِ إِلَيْهِ وَالْمَدْيُوْنُ لَا يَصْلُحُ أَنْ يَكُوْنَ نَائِبًا عَنْ صَاحِبِ الدَّيْنِ فِيْ قَبْضِ الدَّيْنِ مِنْ نَفْسِهِ))[المبسوط :ج١٥ص١٠١]

''اس کا مطلب یہ ہے کہ سلم کے ذریعے بیچی گئی چیز فروخت کنندہ کے ذمہ ادھار ہوتی ہے اور جس کے ذمہ ادھار ہو وہ خود اپنی ذات سے اس کی وصولی کے لیے اس شخص کا وکیل نہیں بن سکتا جس کا اس کے ذمہ ادھار ہو۔''

علامہ ڈاکٹر محمد سلیمان الاشقر سلم سے اسلامی بینکوں کے فائدہ اٹھانے کے طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((الطريقة الثانية: أن يوكل المصرف البائع (المسلم اليه) بتسويق البضاعة بأجر أو دون أجر فأن كان باتفاق معه مسبق مربوط بعقد السلم نفسه فان ذالك باطل لا يجوز، لأنه من باب جمع عقدين فى عقد واحد .و كذا لو كان الأمر متفاهما عليه أن يتم بهذه الصورة.))

[بحوث فقيهة فى قضايا اقتصادية معاصرة: ج١ص:٢١٤]

''دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بینک چیز کی مارکیٹنگ کے لیے فروخت کنندہ کو ہی اپنا وکیل مقرر کردے خواہ اس کی اجرت دے یا نہ دے۔ تو اگر یہ وکالت پہلے سے عقد سلم سے مربوط ایگریمنٹ کے ذریعے ہو تو یہ عمل باطل ہوگا جو جائز نہیں کیونکہ یہ ایک عقد میں دو عقد جمع کرنے کے مترادف ہے اور اگر (ایگریمنٹ تو نہ ہو مگر) پہلے ہی سے ذہن میں یہ ہو کہ معاملہ اس طرح تکمیل کو پہنچے گا تو پھر بھی یہ جائز نہیں۔''

مزید لکھتے ہیں۔

''لیکن جب سامان پر بینک کا قبضہ مکمل ہو جائے اور فریقین کے درمیان ہر قسم کے تعلقات بھی ختم ہو جائیں پھر فروخت کنندہ کو ایجنٹ بنایا جائے تو یہ بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے مگر ہماری رائے میں بینک کو اس تکنیک سے پرہیز ہی کرنا چاہیے

Marfat.com

کیونکہ اس طرح تجارتی سرگرمیوں میں بینک کا کردار کم ہو رقم کے لین دین پر فائدہ اٹھانے تک محدود ہو جائے گا۔'' [حوالہ مذکورہ]

سلم متوازی:

یہاں یہ بتا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں سلم سے فائدہ اٹھانے کا جو طریقہ اسلامی بینکنگ کے ماہرین نے تجویز کیا ہے اس کو سلمِ متوازی کہتے ہیں۔ یعنی بینک کسی تیسرے فریق کے ساتھ سلم کا معاہدہ کر لے۔ جس کی تاریخِ ادائیگی پہلی سلم والی ہی ہو۔ متوازی سلم میں مدت کم ہونے کی وجہ سے قیمت زیادہ ہوگی اور یوں دونوں قیمتوں میں فرق بینک کا نفع ہوگا۔ مگر ہمارے ہاں اسلامی بینکوں میں یہ طریقہ شاذ و نادر ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر فروخت کنندہ کو ایجنٹ بنانے کا طریقہ ہی اختیار کیا جاتا ہے۔ جو شرعاً درست نہیں۔

اِستِصنَاع: (Manufacturing Contract)

عقد استصناع بھی اسلامی بینکاری کی اساس شمار ہوتا ہے۔

استصناع کا معنی ہے ''آرڈر پر کوئی چیز تیار کروانا۔'' مثلاً لکڑی کے کاریگر کو یہ کہنا کہ وہ فلاں قسم کی لکڑی سے ان صفات کا حامل فرنیچر تیار کر دے استصناع کہلاتا ہے۔ اگر کسی کے پاس پہلے سے تیار فرنیچر موجود ہو اور وہ اسے فروخت کرے تو یہ استصناع نہیں بلکہ عام بیع ہوگی۔ یعنی استصناع میں تیار کر کے دینا شرط ہے لیکن بیع میں یہ شرط نہیں۔ اس ضمن میں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ضروری نہیں فروخت کنندہ وہ چیز خود تیار کر کے دے بلکہ وہ دوسرے سے بھی تیار کروا سکتا ہے۔

استصناع میں یہ ضروری ہے کہ مٹیریل تیار کنندہ/فروخت کنندہ کے ذمہ ہو۔ اگر مٹیریل گاہک خود مہیا کرے تو یہ اجارہ ہوگا نہ کہ استصناع۔

اگر تیار کنندہ طے شدہ اوصاف کے مطابق تیار کرے تو آرڈر دینے والا اسے قبول کرنے کا پابند ہوگا۔ لیکن اگر تیار کی گئی چیز طے شدہ اوصاف کے مطابق نہ ہو تو خریدار کو

Marfat.com

یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اسے دیکھنے کے بعد مسترد کر دے چاہے پہلے یہ وضاحت نہ بھی کی ہو۔

استصناع اور سلم میں فرق:

- استصناع ہمیشہ ان چیزوں پر ہوتا ہے جن کو تیار کرنے کی ضرورت ہو جبکہ سلم سب چیزوں میں ہو سکتی ہے خواہ تیار کرنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔
- سلم میں مکمل قیمت پیشگی ادا کرنا لازمی شرط ہے جبکہ استصناع میں پہلے بھی ادا کی جا سکتی ہے اور بعد میں بھی۔

استصناع کی بنیاد پر بینکاری:

اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

ا۔ جو شخص بینک یا مالیاتی ادارے سے رقم حاصل کرنے کا خواہشمند ہے اگر وہ مینوفیکچرر ہے تو بینک یا مالیاتی ادارہ بحیثیت خریدار اس کے ساتھ استصناع کا معاہدہ کر سکتا ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ بینک رقم کے ضرورت مند مینوفیکچرر کو یہ آرڈر دے گا کہ وہ اس کے لیے ان صفات کی حامل فلاں چیز تیار کر دے۔ قیمت اور حوالگی کی مدت فریقین کی باہمی رضامندی سے آرڈر کے موقع پر ہی طے ہو جائے گی اور بینک کی جانب سے دی گئی رقم اسکی پیشگی قیمت تصور ہو گی۔ جب مطلوبہ چیز تیار ہو جائیگی تو بینک اس کو نفع پر مارکیٹ میں فروخت کرے گا۔ یوں مینوفیکچرر کی ضرورت بھی پوری ہو جائیگی اور بینک کو بھی اپنا سرمایہ مع نفع واپس مل جائے گا۔ لیکن اگر بینک خود فروخت کرنے کی بجائے مینو فیکچرر سے ہی معاہدہ کر لے یا معاہدہ تو نہ ہو مگر ذہن میں یہی ہو کہ وہ اس کے ایجنٹ کی حیثیت سے یہ چیز فروخت کر کے رقم اس کے حوالے کرے گا تو یہ جائز نہیں ہو گا کیونکہ اس صورت میں بینک کا کردار صرف یہ ہو گا کہ وہ مالیاتی ثالثی کے ذریعے نفع لے۔ ظاہر ہے

Marfat.com

یہ طریقہ رقم کے لین دین پر نفع حاصل کرنے کے ہی مترادف ہے لہٰذا یہ جائز نہیں ہے۔

۲۔ استصناع کی بنیاد پر بینکاری کی دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جن کلائنٹ کو آلات خریدنے، گھر یا بلڈنگ کی تعمیر کے لیے رقم کی ضرورت ہو بینک انہیں طے شدہ صفات کے مطابق آلات یا گھر اور بلڈنگ تعمیر کر کے فراہم کرنے کا معاہدہ کرسکتا ہے جس کی قیمت بینک اقساط میں وصول کرے گا۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ بینک کسی تیسرے فریق سے متوازی استصناع کا معاہدہ کر کے بھی آلات تیار یا گھر اور بلڈنگ تعمیر کرواسکتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ دونوں معاہدوں کے درمیان کوئی باہمی ربط نہ ہو۔ نیز کلائنٹ کو قبضے کا ایجنٹ بنانا یا تعمیر کی نگرانی سونپنا بھی صحیح نہیں کیونکہ گزشتہ صورت کی طرح یہاں بھی بینک کا کام صرف یہ ہوگا کہ وہ رقم دے کر طے شدہ نفع وصول کرے جو درست نہیں۔ علامہ محمد سلیمان الاشقر فرماتے ہیں۔

"لكن ينبغى الحذر فى أسلوب الاستصناع المتوازى من الربط بين العقدين ،أو من توكيل المشترى طالب السلعةبالتعاقد على استصناعها،أو قبضها أو الاشراف على صناعتهاأو قيامه بشىء من الأدوار التى تقلص دور المصرف فى العمليةمما يحول العملية الى مجرد قرض بفائدة"

[بحوث فقيهةفى قضايا اقتصاديةمعاصرة ج ۱ ص ۲٤۱]

"استصناع متوازی میں دونوں معاہدوں کے باہمی ربط، یا خریدار کو متوازی استصناع کے معاہدے کا وکیل بنانے، یا اس پر قبضہ کرنے، یا تعمیر کی نگرانی کرنے، یا کوئی ایسا کردار سونپنے جس سے بینک کا کردار سکڑ کر صرف رقم کے لین دین پر نفع حاصل کرنے تک محدود ہو جائے سے پرہیز کرنا چاہیے۔"

مروجہ اسلامی بینکوں کا طریقہ:

اسلامی بینکوں کی دوسری پراڈکٹس کی طرح یہ پراڈکٹ بھی سقم سے خالی نہیں ہے۔

Marfat.com

مروجہ اسلامی بینک عموماً ملبوسات تیار کنندگان کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں مگر اس طرح کہ بینک نہ تو سامان قبضہ میں لیتا ہے اور نہ ہی خود آگے بیچتا ہے بلکہ کلائنٹ سے ہی یہ معاہدہ کرلیا جاتا ہے کہ وہ بینک کے ایجنٹ کی حیثیت سے ان ملبوسات کو فروخت کر کے پیسے بینک میں جمع کرائے گا۔ گویا بینک رقم دے کر رقم ہی واپس لیتا ہے اور اس پر نفع کماتا ہے اس تکنیک سے چونکہ بینک کا کردار رقم کے لین دین پر نفع حاصل کرنے تک محدود ہو جاتا ہے اس لیے یہ جائز نہیں جیسا کہ سطور بالا میں علامہ سلیمان اشقر کے حوالے سے بیان ہوا ہے۔

گارنٹی پر کمیشن کا حکم:

روائتی بینکوں کی طرح اسلامی بینک بھی گارنٹی لیٹرز جاری کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگوں کی واقعی ضرورت بھی ہے اور بینکوں کی آمدن کا ایک ذریعہ بھی۔

گارنٹی لیٹر کو اردو میں ''ضمانتی خط'' اور عربی میں '' خطاب الضمان '' کہتے ہیں۔ اس کا اصطلاحی مفہوم یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

> ''کلائنٹ کی درخواست پر بینک کی جانب سے جاری کی گئی وہ دستاویز جس میں بینک یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس کلائنٹ کی طرف سے اتنی رقم فلاں فریق کو ادا کرنے کا ضامن ہے۔''

بینک ہمیشہ مکمل سیکورٹی حاصل کر کے ہی گارنٹی جاری کرتا ہے۔ سیکورٹی کا کتنے فیصد نقد کی شکل میں ہو اور کتنے فیصد جائیداد، مالیاتی کاغذات یا سونے کی صورت میں یہ بینک کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔ نقد کے علاوہ بینک صرف وہی چیزیں بطور سیکورٹی قبول کرتا ہے جن کی قیمت مستحکم رہنے یا بڑھنے کا امکان ہو اور وہ آسانی سے فروخت ہو سکتی ہوں۔

گارنٹی لیٹر کے عوض بینک کو درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

- کمیشن جو مدت اور فیصد کے حساب سے ہوتی ہے۔ آج کل 0.40 فیصد فی سہ ماہی سالانہ 1.60 فیصد ہے۔

Marfat.com

- اگر بینک کو گارنٹی کی رقم ادا کرنی پڑے تو اس پر سود لیا جاتا ہے۔
- بطور سیکورٹی رکھی ہوئی رقم بھی استعمال کی جاتی ہے۔

سود کی حرمت تو واضح ہے مگر گارنٹی پر کمیشن بھی جائز نہیں۔ کیونکہ شرعی نقطہ نظر سے گارنٹی رضا کارانہ طور پر بغیر معاوضہ کے کیا جانے والا کام ہے اس لیے کہ قرض دینا بذات خود ایسا عمل ہے جس پر نفع یا اجرت طلب کرنا جائز نہیں ہے جب قرض پر اجرت کا مطالبہ صحیح نہیں تو اس کی ضمانت پر کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ضمانت میں یہ امکان بھی ہوتا ہے کہ ادائیگی ضامن کو کرنی پڑ جائے اس صورت میں یہ رقم اصل شخص کے ذمہ قرض ہوتی ہے اور قرض کے بدلے ہر فائدہ سود شمار ہوتا ہے اس طرح یہ کمیشن سود بن سکتا ہے اسی لیے تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ ضمانت کی اجرت جائز نہیں ہے۔

سعودی عرب کے کبار علماء پر مشتمل بورڈ نے اس کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ:

''بطور کور (غطاء) جمع کروائی گئی رقم رہن کی حیثیت رکھتی ہے۔ ضامن (بینک) کا اس سے فائدہ حاصل کرنا حرام ہے۔'' [أبحاث هيئة كبار العلماء ج٥، ص:٢٨٣]

ایک توجیہ کا جواب:

ڈاکٹر عمر بن عبدالعزیز المترک رحمہ اللہ کی رائے میں:

''جب گارنٹی مکمل ادائیگی کے بدلے حاصل کی گئی یا فل کور (بغطاء كامل) ہو تو بینک کے لیے محنت کا معاوضہ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس صورت میں بینک جو کمیشن لے گا وہ اس کی خدمات کا معاوضہ ہوگا۔ اس کمیشن کی وہی حیثیت ہے جو بینک ڈرافٹ پر لی جاتی ہے کیونکہ یہ صورت نہ تو قرض کی ہے اور نہ ہی قرض کی شکل اختیار کرنے کا کوئی امکان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں بینک نے اپنی طرف سے ادائیگی تو نہیں کرنی بلکہ اس نے اس مال سے ادائیگی کرنی ہے جو اس

Marfat.com

شخص نے رکھوایا ہے جس کی بینک گارنٹی دے رہا ہے۔"

[الربا و المعاملات المصرفية، ص ۳۹۱]

اس کا مطلب ہے کہ جب گارنٹی فل کور ہوگی تو بینک کلائنٹ کا ضامن ہونے کی بجائے مزدور ہوگا جسکی ڈیوٹی یہ ہوگی کہ وہ رقم اپنے پاس محفوظ رکھے اور بوقت ضرورت تیسرے فریق کو ادائیگی کرے جبکہ کمیشن حق محنت ہوگا۔

مگر یہ توجیہ تب صحیح ہوسکتی ہے جب بینک یہ کمیشن رقم اور مدت کو ملحوظ رکھ کر طے نہ کریں جیسا کہ بینکوں کا طریقہ ہے اور نہ ہی یہ معاوضہ مارکیٹ میں اس جیسی خدمات پر لی جانے والی اجرت سے زائد ہو۔ ورنہ یہ ضمانت پر اجرت اور سود لینے کا حیلہ سمجھا جائے گا۔

اسلامی بینکوں کا پیش کردہ حل:

موجودہ اسلامی بینکوں میں حیلہ ہی کیا جاتا ہے وہ یوں کہ اسلامی بینکوں نے گارنٹی کی رقم کے مختلف سلیب اور ہر سلیب کی کمیشن کا الگ الگ ریٹ مقرر کیا ہوا ہے اور روائتی بینکوں ہی کی طرح یہ کمیشن مدت کے حساب سے ہوتی ہے۔ مثلا البرکہ اسلامی بینک کے سلیب اور ان کا ریٹ یوں ہے۔

- گارنٹی پانچ لاکھ تک مالیت کی ہو تو کمیشن پندرہ سو فی سہ ماہی۔ یعنی سالانہ چھ ہزار۔
- پانچ سے دس لاکھ تک مالیت کی ہو تو ساڑھے تین ہزار فی سہ ماہی سالانہ چودہ ہزار۔
- دس سے پندرہ لاکھ مالیت کی ہو تو فی سہ ماہی پانچ ہزار۔ سالانہ بیس ہزار بنتی ہے۔

اسلامی بینکوں کے نزدیک یہ گارنٹی کی کمیشن نہیں ہے بلکہ یہ اس محنت کا معاوضہ ہے جو اسلامی بینک نے گارنٹی لیٹر جاری کرنے کے حوالے سے کی ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو اس کی حیثیت ایک حیلے سے زیادہ نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ پانچ کی بجائے چھ لاکھ یا تین کی بجائے چھ ماہ لکھنے میں کونسی اضافی محنت خرچ ہوئی ہے جو بینک ڈیڑھ سے دو ہزار اضافی طلب کر رہا ہے۔ اسلامی بینکاری کے حامی اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ معاوضہ کام کی نوعیت کے اعتبار سے لیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ معمولی مشقت پر زیادہ جبکہ زیادہ

Marfat.com

محنت پر کم معاوضہ ملتا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ معمولی محنت پر زیادہ اجرت ممنوع نہیں ہے مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ قرض اور ضمانت کی دستاویز لکھنے کا معاوضہ بھی رقم کی مقدار اور مدت کے تناسب سے طے کیا جاسکتا ہے درست نہیں ہے کیونکہ شرعی اعتبار سے قرض اور ضمانت کا معاوضہ طلب کرنا ناجائز ہے۔ جب ہم ان کی دستاویز کے معاوضے کو سودی طریقہ کار کے تحت رقم اور مدت سے منسلک کر دینگے تو یہ قرض اور ضمانت کی اجرت کے ہی مترادف ہوگا۔

اگر اسلامی بینکوں کے مطابق اس کو دفتری امور کی اجرت ہی تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ جائز نہیں بنتی کیونکہ "المعايير الشرعية" میں دفتری امور کے معاوضے کو اسی صورت جائز قرار دیا گیا ہے جب وہ اجرت مثل سے زائد نہ ہو۔[ص ٦١]

یعنی گارنٹی لیٹر جیسی دستاویز تیار کرنے کی جتنی اجرت مارکیٹ میں لی جاتی ہے اس سے زائد نہ ہو۔ مگر یہ معاوضہ نہ صرف اجرت مثل سے زائد ہے بلکہ روائتی بینکوں کی کمیشن کی قریب قریب اور بعض صورتوں میں اس سے کافی زیادہ ہے مثلاً آپ روائتی بینک سے تین ماہ کیلئے دو لاکھ مالیت کی گارنٹی حاصل کریں تو موجودہ ریٹ کے مطابق آٹھ صد کمیشن ادا کرینگے۔لیکن یہی گارنٹی اسلامی بینک ڈیڑھ ہزار کے عوض جاری کرتا ہے۔

علاوہ ازیں سودی بینکوں کی طرح اسلامی بینک بھی بطور کور جمع کروائی گئی رقم استعمال کرتے ہیں شرعاً یہ درست نہیں۔

ایل سی کھولنے کا طریقہ:

ایل سی Letter of Credit کا مخفف ہے۔اردو میں اس کو "تجارتی اعتباری خط" اور عربی میں "الاعتماد المستندی" یا "خطاب الاعتماد" کہتے ہیں۔

بینکاری اصطلاح میں ایل سی سے مراد۔

"ایسی دستاویز ہے جو درآمد کنندہ کا بینک برآمد کنندہ کے بینک کو جاری کرتا ہے اس میں بینک برآمد کنندہ کو یہ یقین دلاتا ہے کہ وہ درآمد کنندہ کے نام جو بل جاری کرے

Marfat.com

گا اس کی ادائیگی کردی جائے گی۔"

یہاں درآمد کنندہ کا بینک حسب ذیل خدمات انجام دیتا ہے۔

- درآمد کنندہ کے ایجنٹ کی حیثیت سے برآمد کنندہ کے ساتھ معاملات طے کرتا ہے درآمد کنندہ کے کاغذات برآمد کنندہ تک اور اس کے درآمد کنندہ تک پہنچاتا ہے۔اور اس کی باقاعدہ فیس لیتا ہے۔شرعا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
- اس بات کی ضمانت اٹھاتا ہے کہ اگر درآمد کنندہ نے ادائیگی نہ کی تو وہ کرے گا اسکی بھی فیس لیتا ہے یہ ناجائز ہے۔کیونکہ شرعی اعتبار سے ضمانت کی اجرت لینا جائز نہیں ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔
- اکثر درآمد کنندگان بینک سے مالیات کی سہولت بھی حاصل کرتے ہیں اس پر بینک بالعموم سود لیتا ہے جو کہ قطعی حرام ہے۔

ایل سی کا صحیح حل اور اسلامی بینک:

ایل سی کا صحیح حل تو یہ ہے کہ:

- اگر درآمد کنندہ نے بینک سے مالیات کی سہولت حاصل نہ کی ہو تو بینک صرف ایل سی جاری کرنے پر آنے والے حقیقی اخراجات اور اس حوالے سے دفتری امور انجام دینے پر اپنی محنت کا معاوضہ ہی طلب کرے۔تاہم یہاں اس شرط کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے جو قبل ازیں گارنٹی لیٹر جاری کرنے کے معاوضے کے حوالے سے بیان ہو چکی ہے کہ یہ معاوضہ رقم کی مقدار اور مدت کے تناسب سے طے نہ کیا جائے۔
- اور اگر درآمد کنندہ بینک سے مالیات کی سہولت بھی حاصل کرے تو یہ معاملہ مضاربہ یا شراکت کی بنیاد پر کیا جائے۔یعنی جب مکمل ادائیگی بینک کی طرف سے ہو تو بینک سرمایہ لگانے کی بنا پر رب المال اور درآمد کنندہ مضارب ہوگا۔اور جب کچھ ادائیگی درآمد کنندہ اور کچھ بینک کرے تو دونوں باہم شریک ہونگے۔اور دونوں صورتوں میں فروخت کے بعد جو نفع حاصل ہو وہ آپس میں طے شدہ تناسب سے تقسیم کرلیا جائے۔

Marfat.com

مگر اس کے برعکس مروجہ اسلامی بینکوں میں ایل سی کے معاملات بالعموم بایں صورت انجام پاتے ہیں کہ اسلامی بینک پہلے اصل درآمد کنندہ کو اپنا ایجنٹ بنا کر اس کی وساطت سے وہ چیز خود درآمد کرتا ہے پھر مرابحہ کے ذریعے اس کو بیچ دیتا ہے ایل سی کی فیس وغیرہ نفع میں شامل کر لیتا ہے لیکن درج ذیل وجوہ کے باعث یہ طریقہ درست نہیں ہے۔

(i) اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ بذات خود ناجائز ہے۔ تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے۔ خصوصاً خریداری کے لیے کلائنٹ کو ہی ایجنٹ بنانے کی اجازت تو اسلامی بینکاری کے حامی بھی نہیں دیتے جیسا کہ ہم ''مرابحہ'' کی بحث میں بیان کر آئے ہیں۔

(ii) بینک کی جانب سے درآمد کنندہ کو خریداری کے لیے ایجنٹ بنانے کی کارروائی بھی مصنوعی ہوتی ہے کیونکہ ایجنسی ایگریمنٹ ایل سی کھلوانے کے مرحلہ پر کیا جاتا ہے حالانکہ اس سے قبلد رآمد کنندہ برآمد کنندہ کے ساتھ اپنے طور پر خریداری کے سلسلے میں معاہدہ کر چکا ہوتا ہے جس میں چیز کی قیمت، مقدار، کوالٹی اور ادائیگی کا طریقہ کار طے ہوتا ہے درآمد کنندہ اس کے ثبوت کے لیے درخواست فارم کے ساتھ Proforma Invoice بھی جمع کرواتا ہے۔ ظاہر ہے بنیادی معاملات طے پانے کے بعد درآمد کنندہ کو خریداری کا ایجنٹ بنانا ایک مصنوعی کارروائی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(iii) اس تکنیک میں مرابحہ کی بعض ایسی شرطیں بھی پوری نہیں کی جاتیں اور نہ ہی بینک کیلئے ان کو پورا کرنا ممکن ہوتا ہے جن کو موجودہ اسلامی بینکوں کے شریعہ سکالرز بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ مثلاً:

- ابھی تک درآمد کنندہ اور برآمد کنندہ کے درمیان سودا طے نہ پایا ہو۔ اگر ایسا ہو چکا ہو تو اس کو کلی طور پر ختم کرنا ضروری ہے۔ اس میں یہ بھی شرط ہے کہ فریقین کی طرف

سے سودے کی واپسی حقیقی ہو صرف ظاہری واپسی کافی نہیں ہے۔

❁ بینک پر واجب ہے کہ وہ یہ بھی یقین کر لے کہ فروخت کنندہ خود کلائنٹ، اس کا ایجنٹ یا اس کا ملکیتی ادارہ تو نہیں ہے۔[المعايير الشرعية ص:۱۰۹]

بینک یہ اطمینان کس طرح کرتا ہے اسلامی بینکاری کے شریعہ سکالرز کے پاس اس کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں ہے۔

پراپیگنڈہ کا جواب:

مروجہ اسلامی بینکوں کے حامی یہ پراپیگنڈہ بھی کرتے ہیں کہ اسلامی بینکوں نے شریعہ ایڈوائزرز رکھے ہوئے ہیں جو تمام امور کی نگرانی کرتے ہیں اگر اسلامی بینکوں میں شرعی اصولوں کا پورا خیال نہیں رکھا جاتا تو وہ تائید کیوں کرتے ہیں۔ ہم اس سلسلے میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے اسلامی بینکاری کے حامی اور متحدہ عرب امارات میں Emirates Islamic Bank کے شریعہ بورڈ کے ممبر جناب عبدالعظیم ابو زید کے ایک بیان کا حوالہ دینا چاہیں گے جو ۱۵ اپریل ۲۰۰۸ء کو I.B.F Net پر شائع ہو چکا ہے۔ اس کے مطابق انہوں نے دبئی میں اسلامک فنانس فورم میں تقریر کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا کہ شریعہ سکالر کرپٹ ہو چکے ہیں اور بینک صرف انہیں کے پاس جاتے ہیں جو ان کے حق میں ہوتے ہیں انہوں نے Arabian Business.Com کو انٹرویو دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اسلامک فنانس سیکٹر خطرے میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ بینک کا صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ نفع کمانا اس لحاظ سے کنونشنل اور (رائج) اسلامک فنانس میں کوئی فرق نہیں۔

خلاصہ

مذکورہ بالا تفصیل سے حسب ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

Marfat.com

- مروجہ اسلامی بینکاری سودی بینکاری کا ہی چربہ ہے مگر تاویلات کے ذریعے اس کو جائز ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے۔
- اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ، اجارہ، مرابحہ، مشارکہ متناقصہ، تورق اور سلم شرعی مضاربہ، اجارہ اور مرابحہ وغیرہ سے مختلف ہیں۔
- فی الحال اسلامی بینکوں کی کوئی بھی پراڈکٹ شرعی اصول سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ لہٰذا ان سے احتراز واجب ہے۔

❁❁❁

باب پنجم

تکافل

مروجہ اسلامی انشورنس

کچھ عرصہ سے بعض مالیاتی ادارے اسلامی بینکوں کی طرز پر سود، غرر اور قمار پر مشتمل انشورنس کا متبادل نظام بڑے زور وشور سے متعارف کرا رہے ہیں جس کو تکافل کا نام دیا گیا ہے۔ جو ادارہ اس کا انتظام وانصرام کرتا ہے اس کو تکافل کمپنی کہا جاتا ہے جیسے پاک کویت جنرل تکافل کمپنی یا پاک قطر فیملی تکافل کمپنی وغیرہ۔ ان کمپنیوں کے بقول یہ نظام چونکہ ہر لحاظ سے شرعی اصولوں کے عین مطابق ہے اس لیے اس کو اسلامی انشورنس بھی کہا جاتا ہے۔ چونکہ اس کام سے ان اداروں کی غرض نفع کمانا ہے اس لیے ہم اس کو تجارتی تکافل بھی کہہ سکتے ہیں۔ تکافل کا مفہوم اور شرعی تصور کیا ہے شرعی اور تجارتی تکافل میں بنیادی فرق کیا ہے نیز تجارتی تکافل کی شرعی اساس اور حکم کیا ہے؟ ذیل میں ان سوالوں کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

تکافل کا معنی ومفہوم:

ہماری معلومات کے مطابق قرآن وحدیث اور لغت کی قدیم کتب میں تکافل کا لفظ مذکور نہیں ہاں کتاب وسنت میں ایسے الفاظ ضرور استعمال ہوئے ہیں جن کا مادہ وہی ہے جو تکافل کا ہے یعنی ''ک ف ل'' سے بنے ہیں۔ مثلاً قرآن حکیم میں حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت اور تربیت کے حوالے سے ایک جگہ:

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾

[آل عمران:۳۷]

''پھر اس کے رب نے اسے قبول کیا قبول کرنا اچھا اور زکریا کو اس کا کفیل بنایا۔''

Marfat.com

اور دوسری جگہ:

﴿إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلاَمَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ﴾ [آل عمران :٤٤]

''جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے۔''

یعنی پہلی آیت میں لفظ ''کَفَّلَ کفیل'' بنایا اور دوسری میں ''یَکْفُلُ'' کفالت کرے، کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

جب دو آدمی دیوار پھلانگ کر حضرت داؤد علیہ السلام کے کمرہ میں داخل ہوئے تو ان میں سے ایک نے کہا:

﴿إِنَّ هَـذَا أَخِـىْ لَـهُ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَلِىَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِىْ فِى الْخِطَابِ ٥﴾ [ص:٢١]

''بے شک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے تو یہ کہتا ہے وہ بھی میرے سپرد کر دے اور گفتگو میں مجھ پر غالب آجاتا ہے۔''

یہاں ''اَکْفِلْ سپرد کر دے'' کا لفظ آیا ہے۔

اسی طرح حدیث میں بھی اس مادہ کے مختلف الفاظ آئے ہیں۔ مثلاً نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((أَنَـا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ فِى الْجَنَّةِ هَكَذَا)) [صحيح بخارى: كتاب الادب،باب فضل من يعول]

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح اکھٹے ہوں گے آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جیسے یہ دونوں اکھٹی ہیں۔''

البتہ لغت کی جدید کتب میں یہ لفظ زیر بحث آیا ہے۔ چنانچہ المورد میں تکافل کا معنی: Joint liability or responsibility;solidarity ''مشترکہ ذمہ داری یا جواب دہی؛ باہمی اتفاق؛ مقاصد اور عمل کا اتحاد'' لکھا ہے۔

معجم الطلاب میں ہے:

((تَکَافَلَ یَتَکَا فَلُ، تکافُلا: تَضَامَنَ/تبادَلَ الضمانَةَمَعَ غَیْرِہٖ))

''دوسرے کے ساتھ گارنٹی کا تبادلہ کرنا۔''

معجم لغة الفقهاء میں تکافل کا معنی ومفہوم یوں بیان ہوا ہے:

((تبادل الاعالة و النفقة و المعونة (Solidarity) الرعاية والتحمل ، و منه تكافل المسلمين رعاية بعضهم بعضا بالنصح و النفقة و غير ذلك))

''کفالت، نفقہ اور اعانت کا تبادلہ (انگریزی میں سولیڈیریٹی) خیال رکھنا اور برداشت کرنا اور اسی سے تکافل المسلمین ہے۔ یعنی مسلمانوں کا ایک دوسرے کا خیر خواہی اور خرچ وغیرہ کر کے خیال رکھنا۔''

اسلام میں تکافل کی اہمیت:

اگر چہ قرآن وحدیث میں لفظ تکافل ذکر نہیں ہوا مگر ایک دوسرے کی ضرورتوں کا خیال رکھنا، خیر خواہی اور تعاون کرنا دین کا اہم مطالبہ ہے۔ سید قطب شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((ان التكافل الاجتماعی هو قاعدة المجتمع الاسلامی و الجماعة المسلمة مكلفة أن ترعى مصالح الضعفاء فيها))

[فی ظلال القرآن: ج ۱ ص ۲۱۲]

''بلا شبہ اجتماعی تکافل ہی اسلامی معاشرہ کی بنیاد ہے اور مسلمانوں کی جماعت پابند ہے کہ وہ اپنے کمزوروں کے مفادات کا خیال رکھے۔''

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

((كان النظام الاسلامی كله يقوم على اساس التكافل))

[ج ۳ ص: ۴۳۳]

''اسلام کا مکمل نظام تکافل کی بنیاد پر قائم ہے۔''

ذیل میں اس موضوع کی بعض آیات اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ملاحظہ ہوں:

Marfat.com

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝﴾[التوبة: ٧١]

''مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں وہ نیکی کا حکم دیتے اور برے کام سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ضرور رحم فرمائے گا بے شک اللہ تعالیٰ نہایت غالب خوب حکمت والا ہے۔''

یعنی اہل ایمان کا شعار یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ تکافل کی روح بھی یہی ہے۔

علامہ محمد رشید رضا رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((ولاية المؤمنين والمؤمنات بعضهم لبعض فى هذه الآية تعم ولاية النصرة،وولايةالأخوة والمودة))

[تفسير المنارج: ١٠ ـ ص ٤٧٠]

''اس آیت میں مومن مردوں اور مومن عورتوں کی جس دوستی کا ذکر ہے وہ نصرت، اخوت اور محبت سب دوستیوں کو شامل ہے۔''

- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے اچانک ایک شخص اپنی سواری پر آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا یعنی اپنی ضرورت کی چیز تلاش کرنے لگا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا زَادَ لَهُ))[صحيح مسلم: كتاب اللقطة،باب استحباب المؤاساة بفضول المال]

''جس کے پاس زائد سواری ہے وہ اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس زائد راشن ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس راشن نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں آپ ﷺ نے مال کی جو اصناف ذکر کی سو کی یہاں تک کہ ہم نے یہ سمجھا کہ زائد میں ہم میں سے کسی کا حق نہیں ہے۔''

اسلام کہتا ہے اگر ایک مسلمان کو تکلیف ہو تو دنیا بھر کے مسلمان اس وقت تک بے چین رہیں جب تک اس کی تکلیف رفع نہ ہو جائے۔ آپ ﷺ نے بڑی عمدہ مثال بیان کر کے اس کو یوں سمجھایا:

((تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى))

[صحيح بخاری: كتاب الادب، باب رحمة الناس و البهائم]

''تو مسلمانوں کو ایک دوسرے پر رحم کرنے، محبت رکھنے اور شفقت کرنے میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا اگر ایک عضو بیمار ہو جاتا ہے تو تمام اعضاء بخار اور بیداری میں اس کے شریک ہوتے ہیں۔''

ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ یہ قحط ختم نہ کرتے:

((مَا تَرَكْتُ أَهْلَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ لَهُمْ سِعَةً إِلَّا أَدْخَلْتُ مَعَهُمْ أَعْدَادَهُمْ مِنَ الْفُقَرَاءِ))

[الاداب المفرد: باب المواساة فی السنة و المجاعة]

''میں ہر صاحب حیثیت مسلمان گھرانے میں اتنے ہی غرباء داخل کر دیتا۔''

یعنی ایک خوشحال خاندان میں جتنے افراد ہوتے اتنے ہی غرباء کی کفالت ان پر لازم ہوتی۔

اسلامی تکافل کی ہمہ گیریت:

اسلام کا نظام تکافل اسلامی اخوت، معاشی احتیاج و ضرورت اور تکریم انسانیت پر

Marfat.com

استوار ہے۔اسلام اس سوچ کا قطعا حامی نہیں کہ ہم پر صرف ان مستحقین کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو ہمارے ہم عقیدہ ہوں۔قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝﴾ [الممتحنة:٨]

''اللہ تعالی تمھیں ان لوگوں سے حسن سلوک کرنے اوران کے حق میں انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کی بابت نہیں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا۔بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ)) [صحيح بخاری: كتاب المظالم باب الآبار على الطرق إذا لم يتأذ بها]

''ہر جاندار میں ثواب ہے''یعنی ہر جاندار کے ساتھ احسان کرنا باعث ثواب ہے۔''

فقہائے اسلام کی رائے میں جو اہل ذمہ اپنے معاش کے حصول سے عاجز ہو جائیں ان کی ضرورت کے مطابق بیت المال سے وظیفہ جاری کیا جائے گا۔چنانچہ امام ابن قیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

((قد روى عنه وأنه أجرى على شيخ منهم من بيت المال،وذالك أنه مر به و هو يسأل على الابواب .و فعله عمر بن عبدالعزيز))

[احكام اهل الذمة ،باب من لا يقدر من اهل الذمة أعطى من بيت المال]

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک ذمی بوڑھے کو دروازوں پر مانگتے دیکھا تو بیت المال سے اس کا وظیفہ جاری کر دیا اور عمر بن عبدالعزیز نے بھی ایسا کیا تھا۔''

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اہل حیرہ سے کہا تھا تم میں سے جو بوڑھا ہو جائے گا یا جس پر کوئی آفت آجائے گی یا جو مالدار رہنے کے بعد غریب ہو جائے گا وہ جب تک

Marfat.com

دارالاسلام میں رہے گا اس کی اور اس کے بیوی بچوں کی کفالت بیت المال کرے گا۔'' [کتاب الخراج قاضی ابو یوسف]

ثابت ہوا اسلام کے نظام تکافل کا فیض انتہائی وسیع ہے جس سے اسلامی ریاست کا ہر مستحق شہری بلا تخصیص عقیدہ بقدر ضرورت مستفید ہوتا ہے۔

تکافل کی مختلف صورتیں:

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق درجات معیشت میں تفاوت اپنی جگہ مگر اس طرح سادہ زندگی گزارنے کا حق سب کو یکساں ہے کہ اس کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ اس امر کو یقینی بنانے کے لیے زکوٰۃ، عشر اور صدقہ فطر وغیرہ کا نظام دیا گیا ہے۔ اور معاشرہ میں دولت کو زیر گردش لانے اور غرباء کی بہبود میں زکوٰۃ کا کردار بڑا نمایاں ہے۔ سید قطب شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((ان الزکاۃ فرع من فروع نظام التکافل الاجتماعی فی الاسلام)) [فی ظلال القرآن: ج ٤۔ص ٤١]

''زکوٰۃ اسلام میں تکافل اجتماعی کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔''

رمضان المبارک کے اختتام پر صدقہ فطر بھی تکافل اجتماعی کی ایک شکل ہے تاکہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک ہر شخص فقراء و مساکین کی دیکھ بھال میں حصہ دار بنے مالداروں کو فقراء اقرباء کے نان و نفقہ کا ذمہ دار ٹھرانا بھی تکافل میں شامل ہے جبکہ نفلی صدقات اور ہنگامی حالات میں انفاق کا حکم الگ ہے۔ اسی طرح غیر ارادی طور پر قتل ہو جانے کی صورت میں دیت تنہا قاتل پر ڈالنے کی بجائے عاقلہ (قاتل کے بھائی، چچا اور ان کی اولاد) کو بھی شریک کرنے کا حکم تکافل کی ہی عکاسی کرتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ اس کی حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

((وَالْمَعْنَى فِيْ ذَلِكَ أَنَّ جِنَايَاتِ الْخَطَأ تَكْثُرُ ، وَدِيَةَ الْآدَمِيِّ

Marfat.com

كَثِيرَةٌ ،فَإِيجَابُهَا عَلَى الْجَانِيْ فِيْ مَالِهِ يُجْحِفُ بِهِ ، فَاقْتَضَتْ الْحِكْمَةُ إِيجَابَهَا عَلَى الْعَاقِلَةِ ، عَلَى سَبِيْلِ الْمُوَاسَاةِ لِلْقَاتِلِ ، وَالْإِعَانَةِ لَهُ ، تَخْفِيْفًا عَنْهُ)) [المغنی: ج ۱۲ ۔ ص ۲۱]

''اس میں حکمت یہ ہے غیر ارادی طور پر ہونے والے جرائم بکثرت ہوتے ہیں اور آدمی کی دیت بھی کافی زیادہ ہے ۔لہٰذا اس کو اکیلے خطا کار کے مال میں واجب قرار دینا اس پر اس کے مال میں نا قابل برداشت ذمہ داری ڈالنے کا باعث ہے چنانچہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ قاتل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے بطور ہمدردی اور اعانت کے اس کی عاقلہ پر واجب قرار دی جائے۔''

بلکہ غیر ارادی قتل میں دیت کا حکم بذات خود تکافل کی ایک صورت ہے وہ یوں کہ بعض دفعہ مقتول کے بچے کمسن ہوتے ہیں جن کی تعلیم و تربیت کے لیے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے اسلام نے دیت مقرر کر کے ان کی کفالت کا انتظام کیا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اسلام نے تکافل کا ایک مضبوط نظام دیا ہے اگر اس پر عمل ہو جائے تو تمام محتاجوں کی معاشی ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں ۔لیکن بایں ہمہ اگر ضرورت پوری نہ ہو تو سرمایہ داروں پر مزید خرچ کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

اسلامی تکافل کی خصوصیت:

اسلامی تکافل کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا بنیادی مقصد اپنے مستقبل کے خطرات کا تحفظ اور نقصانات کی تلافی ہرگز نہیں ۔اور نہ ہی اس کو بطور کاروبار اختیار کیا جانا چاہیے اسلامی معاشرے کا یہ شعار ہونا چاہیے کہ اس کے تمام افراد باہم مددگار و معاون ہوں اور ضرورت مندوں اور مجبوروں کی مدد کریں لیکن اگر کچھ ادارے تکافل کے نام سے یہ مطالبہ کریں کہ ہم آپ کے بیوی بچوں کی مدد تب کریں گے جب آپ اتنے سالوں تک ہر ماہ ایک متعین رقم ہمیں وکالہ یا مضاربہ کی بنیاد پر کاروبار اور وقف فنڈ میں بطور چندہ دیں گے تو اس سے اسلام کے تکافل اجتماعی کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

مروجہ تکافل اور اس کا طریقہ کار:

ماضی قریب میں تکافل کی ایک نئی شکل سامنے آئی ہے جس کا مقصد دوسروں کے ساتھ تعاون کی بجائے دراصل اپنے نقصان کا ازالہ ہوتا ہے اور اس کے منتظم بھی یہ کام بطورِ کاروبار کرتے ہیں۔اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ

- سب سے پہلے کچھ لوگ یا مالیاتی ادارے مل کر ایک کمپنی قائم کرتے ہیں جس کو تکافل کمپنی کہا جاتا ہے کمپنی کے اداشدہ سرمایہ کا ایک حصہ وقف کر کے ایک پول بنایا جاتا ہے یہ پول کسی کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ اپنا الگ قانونی وجود رکھتا ہے کمپنی کی طرف سے پول میں ڈالی گئی رقم ان متاثرین کے لیے وقف ہوتی ہے جو پالیسی حاصل کرتے ہیں۔
- کمپنی مالکان وقف کی اس رقم کو وقف کے ایجنٹ کی حیثیت سے یا مضاربہ کی بنیاد پر کاروبار میں لگاتے ہیں نفع سے اپنی فیس یا حصہ الگ کر کے باقی دوبارہ وقف پول میں ہی جمع کر دیا جاتا ہے۔
- کمپنی لوگوں کو پالیسی حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہے جو لوگ پالیسی حاصل کرتے ہیں وہ اس کے ممبران شمار ہوتے ہیں۔
- پالیسی حاصل کرتے وقت خواہش مند اپنی اغراض پیش نظر رکھتے ہیں۔کسی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میری موت کے بعد میرے بچوں کی کفالت کے لیے ان کے پاس بیس لاکھ ہونا چاہیے۔کسی کے پیش نظر خاص قسم کے متوقع نقصان کا ازالہ کرنا ہوتا ہے۔
- صرف وہی لوگ پالیسی حاصل کرنے کے اہل شمار ہوتے ہیں جو عمر وصحت اور انکم کے لحاظ سے کمپنی کے معیار پر پورا اترتے ہیں۔باقاعدہ طبی معائنہ کے ذریعہ ایک اندازہ کیا جاتا ہے۔اگر کسی چیز کے متوقع نقصان کی تلافی مقصود ہو تو اس چیز کی حالت بھی دیکھی جاتی ہے۔

Marfat.com

- پالیسی کی زیادہ سے زیادہ مالیت کیا ہوگی یہ فیصلہ خواہشمند نے خود کرنا ہوتا ہے۔ کم از کم مالیت تکافل کمپنی طے کرتی ہے۔
- پالیسی کی زیادہ سے زیادہ مدت کمپنی طے کرتی ہے البتہ کم سے کم مدت کا تعین وہ شخص خود بھی کرسکتا ہے۔ یادرہے کمپنی کی جانب سے پالیسی ہولڈر کو دی جانیوالی رقم کا انحصار انہی دو باتوں پر ہوتا ہے۔
- چونکہ تکافل فنڈ کا انتظام وانصرام کمپنی کے ذمہ ہوتا ہے کمپنی اس کی باقاعدہ فیس لیتی ہے جس کو وکالہ فیس کہا جاتا ہے۔
- پالیسی کی رقم عموماً سالانہ اقساط میں جمع کروائی جاتی ہے جبکہ ششماہی یا سہ ماہی اقساط میں بھی کروائی جاسکتی ہے۔
- پالیسی ہولڈر کی قسط سے سب سے پہلے ایلوکیشن فیس منہا کی جاتی ہے یہ فیس پالیسی مالیت اور مدت کو مدنظر رکھ کر لی جاتی ہے پہلی قسط سے ایک خطیر رقم اس مد میں چلی جاتی ہے۔ مثلاً اگر پالیسی کی مدت ۲۰ سال یا اس سے زیادہ ہو اور قسط پندرہ سے پچیس ہزار تک ہو تو پاک قطر فیملی تکافل پہلی سالانہ قسط سے ۸۰ دوسری سے ۲۰ تیسری سے ۱۰ چوتھی سے ۷ پانچویں سے بھی ۷ چھٹی سے لے کر دسویں تک تین فیصد وصول کرتی ہے۔
- ایلوکیشن فیس کے بعد ہر قسط کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک حصہ انوسٹمنٹ کے لیے اور دوسرا حصہ وقف پول کے لیے۔
- جو حصہ انوسٹمنٹ کے لیے ہوتا ہے اس سے دو قسم کی فیس کاٹی جاتی ہے۔

۱۔ ایڈمن فیس: یہ ماہانہ اور پالیسی کی مالیت اور مدت کے اعتبار سے مختلف مگر فکسڈ ہوتی ہے۔ مثلاً پاک قطر فیملی تکافل کی کم از کم ۶۵ روپے اور زیادہ سے زیادہ ایک سو دس ماہانہ ہے اس میں سالانہ آٹھ فیصد اضافہ بھی ہوتا ہے۔

۲۔ مینجمنٹ انوسٹمنٹ فیس: پاک قطر فیملی تکافل کمپنی کی تقریباً ڈیڑھ فیصد ہے۔

Marfat.com

- جنرل تکافل میں مکمل قسط وقف پول میں جمع ہوتی ہے۔ کمپنی وقف کو منظّم کرنے اور اس کے سرمایہ سے کاروبار کرنے کی علیحدہ علیحدہ فیس لیتی ہے۔
- ہر تکافل کمپنی کا ایک دوسری کمپنی جس کو ری تکافل کہا جاتا ہے سے معاہدہ ہوتا ہے تکافل کمپنی پالیسی ہولڈر کی قسط کا کچھ حصہ ری تکافل کمپنی کو بھی دیتی ہے۔
- جو حصہ وقف پول میں جمع ہوتا ہے وہ پالیسی ہولڈرز کی ملکیت سے نکل کر وقف کی ملکیت میں چلا جاتا ہے تاہم تجارتی تکافل کے حامیوں کے مطابق وہ خود وقف نہیں ہوگا صرف وقف کی ملکیت ہوگا جو وقف کے مصالح اور ان لوگوں پر خرچ ہوگا جو وقف کی مد میں شامل ہونگے۔ ملاحظہ ہو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا مقالہ "تأصيل التأمين التكافلى على أساس الوقف و الحاجة الداعية اليه" ص:۱۸۔۲۰۔
- کمپنی ان دونوں کھاتوں میں جمع شدہ رقم سے پالیسی ہولڈرز اور وقف پول کے ایجنٹ کی حیثیت سے کاروبار کرتی ہے جو نفع ہو وہ وقف پول اور پالیسی ہولڈرز کے کھاتے میں جمع کر دیا جاتا ہے۔ وقف پول کا مکمل نفع وقف پول میں ہی جاتا ہے۔
- کلیمز کی ادائیگی میں عموماً سرمایہ دارانہ انشورنس کی شرطوں کو ہی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اگر کلیمز زیادہ ہونے کی وجہ سے وقف پول میں رقم کم پڑ جائے تو قانوناً کمپنی اس بات کی پابند ہوتی ہے کہ وہ قرض حسنہ لیکر باقی کلیمز ادا کرے۔ یہ قرض خود کمپنی ہی وقف پول کو دیتی ہے جو اس نے آئندہ سرپلس سے وصول پانا ہوتا ہے۔
- اگر پالیسی ہولڈر بیماری یا حادثے کی وجہ سے قسط ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو وہ کمپنی ادا کرتی ہے بشرطیکہ شروع میں یہ فیصلہ کر لیا جائے کیونکہ اس کے لیے اضافی رقم ادا کرنا لازم ہوتی ہے۔

مروجہ تکافل کی قسمیں:

اس کی بنیادی قسمیں دو ہیں:

Marfat.com

۱۔ فیملی تکافل۔

۲۔ جنرل تکافل۔

فیملی تکافل:

یہ اصطلاح لائف انشورنس کے متبادل استعمال ہوتی ہے۔اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پالیسی ہولڈر کی ہر قسط کا کچھ انوسٹمنٹ کھاتے میں جاتا ہے اور کچھ حصہ وقف پول میں۔ یہاں کمپنی دو قسم کی الگ الگ ایجنسی فیس وصول کرتی ہے ایک وقف پول کا منتظم ہونے کی حیثیت سے یہ وقف پول سے لی جاتی ہے اور دوسری پالیسی ہولڈر کا ایجنٹ ہونے کی حیثیت سے یہ پالیسی ہولڈر کے کھاتے سے کاٹی جاتی ہے۔

اب اگر پالیسی ہولڈر متعینہ مدت سے پہلے فوت ہو جائے تو کمپنی اس کے ورثاء کو ایک تو انوسٹمنٹ اکاؤنٹ میں سے پالیسی حاصل کرنے کی ابتداء سے لے کر فوت ہونے تک جمع کرائی گئی رقم مع اس نفع کے جو سرمایہ کاری سے حاصل ہوا ادا کریگی۔اور دوسرا فوت ہونے کی وجہ سے پالیسی ہولڈر کے ذمہ جو اقساط رہ گئیں ہیں وہ وقف پول سے ادا کریگی اور اگر پالیسی ہولڈر متعینہ مدت تک زندہ رہے تو پھر اس کو حسب ذیل فوائد حاصل ہونگے۔

- انوسٹمنٹ کھاتے میں جمع شدہ رقم مع اس نفع کے جو اس دوران سرمایہ کاری سے حاصل ہوا۔
- وقف میں دیے گئے عطیہ کے تناسب سے حصہ بشرطیکہ وقف پول میں سرپلس ہو۔

لیکن اگر کوئی شخص مدت مکمل ہونے سے قبل پالیسی سے نکلنا چاہے تو وہ صرف اپنی انوسٹمنٹ کھاتے میں موجود رقم اور اس سے حاصل ہونے والے نفع کا حق رکھتا ہے وقف پول میں دی گئی رقم پر اس کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

Marfat.com

جنرل تکافل:

یہ اصطلاح جنرل انشورنس کی جگہ بولی جاتی ہے۔یعنی ممکنہ خطرات سے تحفظ کی پالیسی اس میں قسط کی پوری رقم وقف پول میں جاتی ہے۔اگر دوران مدت وہ نقصان ہو جائے جس کی تلافی کے لیے پالیسی لی گئی ہے تو ازالہ کر دیا جاتا ہے۔بصورت دیگر سرمایہ دارانہ نظام انشورنس کی طرح پالیسی ہولڈر کو کچھ نہیں ملتا۔البتہ کمپنی اپنی صوابدید پر کچھ بونس دے سکتی ہے۔

کیا مروجہ تکافل سود اور غرر سے پاک ہے؟

کمرشل انشورنس کو جن خرابیوں کی بنیاد پر حرام قرار دیا گیا ہے ان میں سرفہرست سود اور غرر (Uncertainty) ہے بادیٔ النظر میں یہ دونوں خرابیاں یہاں بھی پائی جاتیں ہیں۔وہ یوں کہ اگر پالیسی ہولڈر مدت پوری ہونے سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کو پالیسی کے تحت طے شدہ رقم دی جاتی ہے، جس کا ایک حصہ اس نے ادا ہی نہیں کیا ہوتا۔

اور کمپنی قانونی طور پر اس کی پابند بھی ہوتی ہے۔جبکہ غرر اس طرح کہ دونوں احتمال ہیں ممکن ہے جس نقصان کے ازالہ کے لیے پالیسی لی گئی ہے وہ پیش نہ آئے اور ادا کی ہوئی رقم رائیگاں جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ پیش آجائے اور کمپنی کے ذمہ ادائیگی لازم ہو جائے۔

کیا یہ عقد معاوضہ نہیں؟

تجارتی تکافل کے حامی کہتے ہیں کہ اضافہ اور غرر تب ممنوع ہے جب عقد معاوضہ (لین دین کی وہ صورت جس میں ایک فریق دوسرے سے معاوضہ لینے کا حق رکھتا ہے) میں ہو جبکہ یہ عقد تَبَرُّع (Donation) ہے۔لیکن یہ توجیہ درست نہیں۔کیونکہ پالیسی ہولڈر کو حاصل ہونے والے فوائد کا انحصار پالیسی مالیت کی کمی پیشی پر ہوتا ہے یعنی پریمیئم کم تو فائدہ بھی کم پریمیئم زیادہ تو فائدہ بھی زیادہ ہوتا ہے اور یہ سب

Marfat.com

کچھ با قاعدہ ایک معاہدے کے تحت ہوتا ہے جس کی پابندی فریقین کے لیے لازمی ہوتی ہے اور اس کو قانونی تحفظ بھی حاصل ہے حتی کہ اگر کلیمز کی ادائیگی کے لیے رقم موجود نہ ہو تو (نام نہاد) وقف قرض لے کر یہ ادائیگی ممکن بناتا ہے ایسی صورت میں اس کو عقد تبرع قرار دینا نا قابل فہم ہے۔ نیز اس پر تبرع کی تعریف بھی صادق نہیں آتی کیونکہ تبرع کا معنی ہے کسی کو کوئی چیز اس طرح دی جائے کہ معاوضے کی خواہش نہ رکھی جائے جبکہ یہاں تو محرک ہی یہ ہے کہ مجھے اس کے عوض یہ فوائد حاصل ہونگے۔

ایک تاویل کا جواب:

مروّجہ تکافل کے بعض حامی اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ پالیسی ہولڈر یہ فوائد دیئے گئے عطیات کی بنیاد پر نہیں بلکہ وقف کے قواعد وضوابط کے تحت حاصل کرتا ہے یعنی وہ یہ نہیں کہتا چونکہ میں نے وقف کو اتنا چندہ دیا ہے اس لیے میں ان فوائد کا حق رکھتا ہوں بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ ان قواعد کی بنیاد پر مجھے یہ فوائد حاصل ہونے چاہییں۔ یہ قانونی حق اس کو عقد معاوضہ میں داخل نہیں کرتا۔

مگر دو وجوہ کے باعث یہ تاویل بیت عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے:

۱۔ ایک تو اس لیے کہ پالیسی ہولڈر کو قواعد وضوابط کے تحت دعوی کرنے کا حق بھی تو دی گئی رقم کے بدلے ہی حاصل ہوا ہے اب آپ قواعد وضوابط کا نام لیں یا پریمیئم کی کمی بیشی کا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۲۔ دوسرا اس لیے کہ پالیسی ہولڈر کی نظر تو ان فوائد پر ہوتی ہے جو اس کو مستقبل میں اس کے بدلہ میں حاصل ہونا ہوتے ہیں وہ قواعد وضوابط کے تحت حاصل ہوں یا دی گئی رقم کے عوض اس کو اس سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے لوگوں کی اکثریت پالیسی حاصل کرتے وقت فوائد کے متعلق تو پوچھتی ہے مگر وقف کے قواعد وضوابط کے بارہ میں سوال نہیں کرتی۔ ایک مجلس میں جب راقم نے ایک مشہور تکافل کمپنی کے سنیئر کنسلٹنٹ سے پوچھا کیا آپ پالیسی حاصل کرنے کے خواہش مندوں کو قواعد

Marfat.com

وضوابط سے آگاہ کرتے ہیں تو انہوں صاف کہا کہ لوگ ہم سے صرف یہ پوچھتے ہیں کہ ہمیں کیا ملے گا قواعد وضوابط کے متعلق کبھی سوال نہیں ہوا۔

اس سے ثابت ہوا کہ جن خرابیوں کی بنا پر روائتی انشورنس حرام ہیں تکافل ان سے پاک نہیں۔

کیا نقدی کو وقف کیا جا سکتا ہے؟

یہاں یہ بحث بھی بڑی اہم ہے کہ روپیہ پیسہ وقف کیا جا سکتا ہے یا نہیں کیونکہ تکافل کمپنی کی پوری عمارت اس پر استوار ہے، لہٰذا ہم اس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

اکثر فقہاء اور اہل علم کی رائے میں روپے پیسے اور درہم ودینار کا وقف ہی درست و جائز نہیں۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں ہے:

((وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ كُلُّ مَا أَمْكَنَ الِانْتِفَاعُ بِهِ مَعَ بَقَاءِ أَصْلِهِ وَيَجُوزُ بَيْعُهُ يَجُوزُ وَقْفُهُ ، وَهَذَا قَوْلُ مَالِكٍ وَأَحْمَدَ أَيْضًا وَأَمَّا وَقْفُ مَا لَا يُنْتَفَعُ بِهِ إلَّا بِالْإِتْلَافِ كَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْمَأْكُولِ وَالْمَشْرُوبِ فَغَيْرُ جَائِزٍ فِي قَوْلِ عَامَّةِ الْفُقَهَاءِ ، وَالْمُرَادُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ الدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِيرُ وَمَا لَيْسَ بِحُلِيٍّ))

''امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے: کہ ہر وہ چیز جس کو باقی رکھ کر اس سے فائدہ حاصل کرنا ممکن ہو اور اس کی بیع بھی جائز ہو تو اس کا وقف درست ہے یہ امام مالک اور امام احمد کا بھی قول ہے۔ باقی اس چیز کا وقف جس کو صرف کیے بغیر اس سے استفادہ ممکن نہ ہو جیسے سونا، چاندی اور کھانے پینے کی اشیاء ہیں تو عام فقہاء کے نقطہ نظر میں یہ جائز نہیں ہے۔ سونے اور چاندی سے مراد درہم، دینار اور وہ سونا ہے جو زیور کی شکل میں نہ ہو۔''

Marfat.com

شارح بخاری علامہ ابن بطال رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((قال ابو حنيفة وابو يوسف لا يجوز وقف الحيوان والعروض والدنانير والدراهم)) [شرح صحيح البخارى : ج٨ ص١٩٨]

''امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جانور، سامان اور درھم و دینار کا وقف جائز نہیں۔''

مشہور حنفی عالم علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((واعلم أن وقف المنقول لا يصح على أصل المذهب واجازه محمد فيما تعارفه الناس))

[فيض البارى ج٣، ص:٤١٦]

''جان لو! اصل (حنفی) مذہب میں اشیاء منقولہ کا وقف صحیح نہیں ہے۔ مگر امام محمد رحمہ اللہ نے ان چیزوں میں اس کی اجازت دی ہے جن میں لوگوں کا عرف ہو جائے۔''

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

((وَجُمْلَتُهُ أَنَّ مَا لَا يُمْكِنُ الِانْتِفَاعُ بِهِ مَعَ بَقَاءِ عَيْنِهِ ، كَالدَّنَانِيرِ وَالدَّرَاهِمِ ، وَالْمَطْعُومِ وَالْمَشْرُوبِ ، وَالشَّمْعِ ، وَأَشْبَاهِهِ ، لَا يَصِحُّ وَقْفُهُ ، فِي قَوْلِ عَامَّةِ الْفُقَهَاءِ وَأَهْلِ الْعِلْمِ ، إلَّا شَيْئًا يُحْكَى عَنْ مَالِكٍ ، وَالْأَوْزَاعِيِّ ، فِي وَقْفِ الطَّعَامِ ، أَنَّهُ يَجُوزُ وَلَمْ يَحْكِهِ أَصْحَابُ مَالِكٍ وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ ؛ لِأَنَّ الْوَقْفَ تَحْبِيسُ الْأَصْلِ وَتَسْبِيلُ الثَّمَرَةِ ، وَمَا لَا يُنْتَفَعُ بِهِ إلَّا بِالْإِتْلَافِ لَا يَصِحُّ فِيهِ ذَلِكَ)) [المغنى: ج٨، ص:٢٢٩]

''اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کو باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو جیسے درھم و دینار، کھانا، مشروب، شمع اور اس جیسی دوسری اشیاء عام فقہاء اور اہل علم کے

Marfat.com

نزدیک ان کا وقف درست نہیں ہے۔البتہ امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ سے کھانے کے وقف کے متعلق مروی ہے کہ یہ جائز ہے (اس کو امام مالک کے شاگردوں نے بیان نہیں کیا) لیکن یہ درست نہیں کیونکہ وقف کا مطلب ہے ''اصل کو باقی رکھنا اور اس کے فائدہ کو اللہ کی راہ میں خیرات کرنا'' اور جس کو تلف کیے بغیر اس سے فائدہ لینا ممکن نہ ہو اس میں وقف صحیح نہیں ہوتا۔''

مزید لکھتے ہیں:

((وَجُمْلَةُ ذَلِكَ أَنَّ الَّذِیْ يَجُوْزُ وَقْفُهُ ، مَا جَازَ بَيْعُهُ ، وَجَازَ الِانْتِفَاعُ بِهِ مَعَ بَقَاءِ عَيْنِهِ ، وَكَانَ أَصْلًا يَبْقَى بَقَاءً مُتَّصِلًا ، كَالْعَقَارِ وَالْحَيَوَانَاتِ ، وَالسِّلَاحِ ، وَالْأَثَاثِ ، وَأَشْبَاهِ ذَلِكَ))

[المغنی ج ۸ص:۲۳۱]

''وقف اس کا جائز ہے جس کی بیع اور اس کو بعینہ باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔اور وہ ایسی چیز ہو جو متصل باقی رہے جیسے زمین، جانور، اسلحہ، اثاثہ اور اس قسم کی دوسری اشیاء ہیں''

علما وفقہا کا موقف تو آپ اوپر ملاحظہ کر چکے ہیں، البتہ بعض اہل علم وہ بھی ہیں جو رقم کو بھی وقف کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ان میں امام بخاری رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔چنانچہ انہوں نے اس کے حق میں عنوان بھی قائم کیا ہے۔

((بَابُ وَقْفِ الدَّوَابِّ وَالْكُرَاعِ وَالْعُرُوْضِ وَالصَّامِتِ))

[صحیح البخاری ، کتاب الوصایا]

''جانوروں، گھوڑوں، سامان اور سونے، چاندی کے وقف کا بیان۔''

اپنے موقف پر استدلال کے لیے انہوں نے اس باب کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے:

((أَنَّ عُمَرَ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ لَهُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَعْطَاهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

Marfat.com

صلی الله علیه وسلم لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا رَجُلاً ، فَأُخْبِرَ عُمَرُ أَنَّهُ قَدْ وَقَفَهَا يَبِيْعُهَا ، فَسَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم أَنْ يَبْتَاعَهَا فَقَالَ لَا تَبْتَعْهَا ، وَلَا تَرْجِعَنَّ فِيْ صَدَقَتِكَ)) [ایضًا]

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا اللہ کی راہ میں دیا آپ نے وہ گھوڑا رسول اللہ کو دیا تا کہ کسی آدمی کو سواری کے لیے دے دیں۔ حضرت عمر کو اطلاع ملی کہ وہ شخص اس کو فروخت کر رہا ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ وہ اسے خرید لیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو مت خریدیں اور اپنا صدقہ واپس نہ لیں۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے موقف کی تائید میں امام زہری رحمہ اللہ کا یہ اثر بھی ذکر کیا ہے:

((قَالَ الزُّهْرِيُّ فِيمَنْ جَعَلَ أَلْفَ دِينَارٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، وَدَفَعَهَا إِلَى غُلَامٍ لَهُ تَاجِرٍ يَتَّجِرُ بِهَا ، وَجَعَلَ رِبْحَهُ صَدَقَةً لِلْمَسَاكِينِ وَالْأَقْرَبِينَ ، هَلْ لِلرَّجُلِ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ رِبْحِ ذَلِكَ الْأَلْفِ شَيْئًا ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ جَعَلَ رِبْحَهَا صَدَقَةً فِي الْمَسَاكِينِ قَالَ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا))

[صحیح بخاری: کتاب الوصیا باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت]

''امام زہری نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے ہزار دینار اللہ کی راہ میں دیے اور وہ اپنے تاجر غلام کو حوالے کر دیے کہ وہ ان سے تجارت کرے اور اس کا نفع مساکین اور رشتہ داروں کے لیے صدقہ کر دیا کیا وہ شخص اس ہزار کے نفع سے خود کھا سکتا ہے؟ خصوصا اگر اس کا نفع مساکین کے لیے صدقہ نہ کیا ہو: امام زہری نے فرمایا اس کو (کسی صورت) یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس سے کھائے۔''

صحیح موقف:

امام بخاری رحمہ اللہ کا تَفَقُّه فی الدین اور مقام و مرتبہ شک و شبہ سے بالاتر ہے لیکن اگر فریقین کے پیش کردہ دلائل کا باہم تقابل کیا جائے تو حسب ذیل وجوہ کے

Marfat.com

باعث ان حضرات کا مؤقف صائب معلوم ہوتا ہے جو روپے پیسے کے وقف کو جائز نہیں سمجھتے۔

❁ تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ وقف میں اصل چیز کو باقی رکھ کر صرف اس کی منفعت خرچ کی جائے گی۔ اس کی بنیاد نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((إِنْ شِئْتَ حَبَّسْتَ أَصْلَهَا ، وَتَصَدَّقْتَ بِهَا))

[صحیح بخاری: کتاب الوصایا ،باب الوقف کیف یکتب]

''اگر تو چاہے تو اس کا اصل روک لے اور اسکی منفعت (پیداوار) کو صدقہ کردے۔''

یہ حدیث اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وقف وہ چیز ہوسکتی ہے جس کو باقی رکھ کر فائدہ اٹھانا ممکن ہو جبکہ روپیہ اپنی اصل حیثیت میں رہتے ہوئے کوئی فائدہ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا، نہ اس کو کھایا جاسکتا ہے، نہ پہنا جاسکتا ہے، نہ اس میں رہائش رکھی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس پر سواری کی جاسکتی ہے یہ تو حصول اشیاء کا ایک وسیلہ ہے یعنی جب تک اس کو خرچ نہ کریں اس سے استفادہ ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روپے، پیسے کو کرایہ پر دینا درست نہیں کیونکہ کرایہ اسی چیز کا لیا جاسکتا ہے جسے صرف کے بغیر استعمال کیا جاسکتا ہو جبکہ نقد میں یہ خوبی نہیں اس لیے اس کا کرایہ لینا جائز نہیں ہے۔ اسی بنا پر امام نووی اور علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے درہم و دینار کے وقف کا جواز ان لوگوں کا مسلک بیان کیا ہے جو ان کا کرایہ لینا جائز سمجھتے ہیں ملاحظہ ہو: ''روضۃ الطالبین ۲/ ۲۵۴ المغنی ۸/ ۲۲۹۔''

جب راجح مسلک کے مطابق ان کا کرایہ درست نہیں ہے مروجہ تکافل کے حامی بھی اس سے متفق ہیں اور وجہ بھی وہی بیان کرتے ہیں جو فقہائے کرام نے وقف کے عدم جواز میں کی ہے کہ نقد کو استعمال کیے بغیر فائدہ اٹھانا ممکن نہیں۔ دیکھیے: ''اسلامی بینکاری کی بنیادیں'' ص: (۱۶۹) از مولانا تقی عثمانی۔''

Marfat.com

جب موجودہ تکافل کے مؤیدین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ روپیہ پیسہ ایسی چیز نہیں جس کو باقی رکھ کر مستفید ہوا جا سکے تو پھر فقہاء کرام کی اس شرط کہ ''وقف وہی چیز ہو سکتی ہے جو باقی رہ کر قابل فائدہ ہو'' کو نظر انداز کر کے نقد کے وقف کے جواز کا فتوی سمجھ سے بالاتر ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

جو حضرات نقد کے وقف کے قائل ہیں ان کے خیال میں روپے پیسے کو بھی باقی رکھ کر فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے وہ یوں کہ اس سے کاروبار کیا جائے جو نفع ہو وہ خرچ کر دیا جائے۔ مگر یہ توجیہ دو وجہ سے درست نہیں ہے۔

- ایک تو اس لیے کہ یہ صورت روپے پیسے کو اسکی اصل حیثیت میں باقی رکھ کر فائدہ حاصل کرنے کی نہیں اس طرح کا فائدہ تو روپے پیسے کو کرایہ پر دے کر بھی لیا جا سکتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ شرعا جائز نہیں کیوں؟ اس لیے کہ اس قسم کا فائدہ نقد کی تخلیق کا اصل مقصد نہیں ہے جیسا کہ علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ نے المغنی میں لکھا ہے۔
- دوسرا اس لیے کہ روپے پیسے کو کاروبار میں لگانے سے فائدہ کی بجائے نقصان کا بھی اندیشہ ہے اور ممکن ہے وقف ختم ہی ہو جائے اس لیے یہ کہنا کہ وقف کی ہوئی رقم سے کاروبار کر کے اس کا نفع خرچ کیا جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ ''اصل روک کر رکھو اور اس کی پیداوار خرچ کرو'' کے خلاف ہے۔

۲۔ جو حضرات نقد کے وقف کو ناجائز کہتے ہیں ان کا موقف درست ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قائلین نے اپنی تائید میں جو دلائل ذکر کیے ہیں وہ ثبوت کے لیے ناکافی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ایسی منقولی اشیاء کا وقف تو ثابت ہوتا ہے جن کا اپنا ذاتی استعمال ہو مثلاً گھوڑا اس کا اپنا ذاتی استعمال ہے سواری وغیرہ لیکن نقد جس کا اپنا کوئی ذاتی استعمال نہیں کا وقف ثابت نہیں ہوتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے نقد کو

Marfat.com

گھوڑے پر قیاس کیا ہے جو درست نہیں کیونکہ دونوں میں واضح فرق ہے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض اہل علم کی رائے میں یہ وقف تھا ہی نہیں بلکہ صدقہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تو فرمایا کہ اپنا صدقہ مت خریدو مگر بیچنے والے پر پابندی نہیں لگائی۔ اور نہ ہی حضرت عمر نے اس پر کوئی اعتراض کیا اگر یہ وقف ہوتا تو نبی ﷺ اس کو بھی منع فرما دیتے کیونکہ وقف کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

۳۔ امام زہری رحمہ اللہ کا اثر بھی دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ یہ وقف کے بارہ میں نہیں بلکہ عام صدقہ کے متعلق ہے اس کا قرینہ یہ ہے کہ ان سے پوچھا گیا کیا وہ شخص اس کے نفع سے خود بھی کھا سکتا ہے انہوں نے جواب دیا نہیں۔ اگر یہ وقف ہوتا تو یہ پابندی نہ لگاتے کیونکہ وقف کنندہ کو شرعاً اپنے وقف سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے۔

محدّث اسماعیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زہری رحمہ اللہ کا اثر اس وقف کے خلاف ہے جس کی اجازت نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی تھی کہ ''اصل کو روکے رکھو اور ثمرہ خرچ کرو'' سونے چاندی سے تو تب ہی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جب اس کو بعینہ کسی دوسری چیز کی طرف نکالا جائے یہ اصل کو روکے رکھو اور ثمرہ خرچ کرو کی صورت نہیں بنتی۔

[فتح الباری ج ۵ ص: ۴۹۵

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے محدث اسماعیلی کے اعتراض کا جو جواب دیا ہے وہ صرف زیور جس کا ذاتی استعمال واضح ہے پر منطبق ہوتا ہے درھم و دینار پر نہیں اس لیے اس کو روپے پیسے کے وقف کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

موجودہ تکافل کے حامی فتح القدیر کے حوالے سے امام زفر رحمہ اللہ کے شاگرد محمد بن عبداللہ انصاری رحمہ اللہ کے فتوی کا ذکر بھی بڑی شد و مد سے کرتے ہیں کہ انہوں نے درہم و دینار کے وقف کو جائز قرار دیا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ فتوی خود تکافل کمپنیوں کیخلاف جاتا ہے کیونکہ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

Marfat.com

((قِيْلَ وَ كَيْفَ ؟ قَالَ يَدْفَعُ الدَّرَاهِمَ مُضَارَبَةً ثُمَّ يَتَصَدَّقُ بِهَا فِي الْوَجْهِ الَّذِيْ وَقَفَ عَلَيْهِ)) [فتح القدير]

''یہ کیسے ممکن ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ دراہم مضاربہ کی بنیاد پر کاروبار کے لیے دے پھر ان پر صدقہ کرے جن پر وقف کیا گیا ہے۔''

جبکہ تکافل کمپنیوں کے مالکان اپنے قائم کیے ہوئے وقف سے کسی کو بطور مضاربہ رقم نہیں دیتے بلکہ خود ہی کاروبار کرتے ہیں اور اس کی باقاعدہ فیس وصول کرتے ہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ کے اثر میں بھی یہی ہے کہ اس نے غلام تاجر کو دیے تھے نہ کہ خود ہی تجارت میں لگا کر اس کے عوض فیس لینا شروع کر دی۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ جو حضرات نقد کے وقف کے قائل ہیں ان کا نقطہ نظر کمزور ہے۔ لہٰذا تکافل کمپنیوں کی بنیاد ہی ایسے موقف پر استوار ہے جو دلائل کی قوت سے محروم ہے۔

فائدہ: یہاں یہ وضاحت کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ تکافل کے حامیوں کی رائے میں پالیسی ہولڈرز کی اقساط سے جو حصہ وقف پول میں جاتا ہے وہ وقف کی بجائے وقف کی ملکیت ہوتا ہے جو وقف کے مصالح کے علاوہ ان لوگوں پر خرچ ہوگا جن کے لیے وقف قائم کیا گیا ہوگا جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں سو ڈان کے معروف عالم پروفیسر صدیق محمد امین ضریر کے نزدیک اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

((ومالم يأت الباحث بدليل على أن ما يتبرع للوقف يصرف للموقوف عليهم فأن تأصيل التأمين التكافلى على أساس الوقف ينهار من أساسه)) [تعقيب عن بحث تأصيل التأمين التكافلى على أساس الوقف والحاجة الداعية اليه]

''جب تک محقق (مولانا تقی عثمانی) صاحب اس بات کی دلیل پیش نہیں کرتے کہ جو عطیہ وقف کو دیا جاتا ہے وہ ان لوگوں پر خرچ کیا جا سکتا ہے جن پر وقف کیا گیا ہو

تو وقف کی بنیاد پر تکافلی انشورنس کا اصول اپنی بنیاد سے اکھڑ جاتا ہے۔"

فائدہ: یہاں اس امر کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ دنیا میں مروجہ تکافل کی سب سے پہلی کمپنی سوڈان میں ۱۹۷۹ء میں صدیق محمد امین زیرنگرانی قائم ہوئی تھی لیکن اس کی بنیاد وقف کی بجائے تبرّع پر تھی۔ مگر اس کو وقف کی بنیاد پر قائم تکافل کمپنیوں کے مفتیان کرام جائز نہیں سمجھتے۔

بعض تحقیق طلب مسائل:

مروجہ اسلامی انشورنس میں ایلوکیشن اور ایڈمن فیس کے نام پر وصولی بھی غور طلب پہلو ہے جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر آئے ہیں کہ پہلے سال قسط کی ستاسی (یہ زیادہ سے زیادہ ہے) دوسرے سال بیس جبکہ تیسرے سال دس فیصد رقم ایلوکیشن فیس کے نام پر کاٹ لی جاتی ہے یہ ساری رقم کنسلٹنٹ جو کسٹمر گھیر کر لاتا ہے اور برانچ ذمہ داران کی جیبوں میں جاتی ہے۔ پالیسی ہولڈر کو اس کا علم نہیں ہوتا۔ یہ بالکل وہی طریقہ ہے جو روائتی انشورنس کا ہے کہ پہلی قسط کا معتد بہ حصہ انشورنس کمپنی کے ایجنٹ کو دے دیا جاتا ہے۔ جب نام نہاد اسلامی انشورنس نظریاتی مرحلہ میں تھی تب یہ کہا جاتا تھا کہ روائتی انشورنس میں یہ ظلم ہوتا ہے کہ پہلی قسط تقریباً پوری کی پوری ایجنٹ کی جیب میں چلی جاتی ہے جبکہ تکافل میں یہ نہیں ہوتا۔ لیکن جب عملی مرحلہ آیا تو نام نہاد اسلامی انشورنس نے بھی وہی راستہ اختیار کیا۔ ہمارے خیال میں یہ پالیسی ہولڈر کے ساتھ زیادتی ہے وہ اس طرح کہ اگر وہ ایک قسط ادا کرنے کے بعد تکافل کمپنی کو الوداع کہتا ہے تو قواعد وضوابط کے مطابق اس کو صرف وہ رقم ملتی ہے جو انوسٹمنٹ کھاتے میں جمع ہو یا پھر اس سے حاصل ہونے والا نفع۔ اب ستاسی فیصد تو ایلوکیشن فیس کے نام پر پہلے ہی الگ کیا جا چکا ہے باقی تیرہ فیصد بچا اس میں سے آدھا وقف میں چلا گیا جو شرعاً واپس نہیں لیا جا سکتا۔ جو باقی رہ گیا اس میں سے ڈیڑھ فیصد مینجمنٹ اور ۶۵ سے لیکر ایک سو دس روپے تک ماہانہ ایڈمن

Marfat.com

فیس بھی لی جانی ہے۔ پالیسی ہولڈر کے ہاتھ کیا آیا؟ تکافل کمپنی کے تنخواہ دار شریعہ بورڈ کے مفتیان کرام کا ایک عدد فتوی اور اس کے نتیجے میں اسلام کے نظام تکافل کے متعلق پیدا ہونے والی بدگمانی کہ یہ بھی استحصال پر مبنی نظام ہے۔(اعاذنااللّٰہ منہ)ایلوکیشن فیس کی اس کے علاوہ کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی کہ یہ باطل حربوں سے مال کھانے کی بدترین شکل ہے۔

ایک غیر معقول استدلال:

مروجہ تکافل کے حامی بڑی سادگی سے کہتے ہیں کہ ہم ہر بات پہلے بتادیتے ہیں۔ناجائز تو تب ہو جب کوئی بات خفیہ رکھی جائے۔یہ انتہائی لغو قسم کا استدلال ہے۔ کیا بتا کر باطل طریقے سے کسی کا مال ہڑپ کرنا جائز ہو جاتا ہے؟ ناجائز کاروبار میں ملوث لوگوں کی اکثریت بھی یہی کہتی ہے کہ ہم ہر بات پہلے طے کرتے ہیں، پھر یہ ناجائز کیسے؟ کیا تکافل کے حامی اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ اسلام نے بعض معاملات محض اس لیے ناجائز قرار دیے ہیں کہ ان سے کسی ایک فریق کو نقصان پہنچ رہا ہوتا ہے۔

خلاصہ

مذکورہ بالا تفصیل کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

- مروجہ تکافل شرعی تکافل سے بالکل مختلف ہے۔
- روائتی انشورنس کی طرح رائج الوقت تکافل بھی سود اور غرر پر مشتمل ہے۔
- تکافل پالیسی عقد معاوضہ ہے نہ کہ عقد تبرُّع جیسا کہ تکافل کے حامی باور کراتے ہیں۔
- راجح نقطہ نظر کے مطابق نقدی کو وقف نہیں کیا جا سکتا۔لہٰذا تکافل کمپنیوں کی بنیاد ہی غلط ہے۔
- ایلوکیشن فیس باطل طریقہ سے مال ہڑپ کرنے میں داخل ہے۔

Marfat.com

باب ششم

قرض کے مسائل

قرض لینا پسندیدہ نہیں:

قرض چونکہ ''رات کی پریشانی اور دن کی ذلت ہے'' اس لیے شریعت اسلامیہ عام حالات میں قرض لینے کو پسند نہیں کرتی۔ نبی ﷺ خود بھی قرض سے پناہ مانگتے اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس سے بچنے کی تلقین فرماتے۔ ذیل میں اس سلسلے کی بعض روایات ملاحظہ فرمائیں:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّه ﷺ كَانَ يَدْعُو فِي الصَّلَاةِ وَيَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ مَا أَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيذُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مِنَ الْمَغْرَمِ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ))[صحيح البخاری ، باب من استعاذ من الدين]

''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نماز میں یہ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ میں گناہ اور قرض سے آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔ایک کہنے والے نے آپ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ قرض سے کس قدر زیادہ پناہ مانگتے ہیں۔آپ نے فرمایا بلاشبہ انسان جب مقروض ہوتا ہے بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے۔''

((لَا تُخِيفُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ قَالَ الْأَنْفُسَ فَقِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا نُخِيفُ أَنْفُسَنَا قَالَ الدَّيْنَ)) [مسند احمد ، حديث عقبة بن عامر الجهنی]

''اپنی جانوں کو خوف میں مبتلا نہ کرو آپ سے کہا گیا اے اللہ کے رسول ہم کیسے اپنی جانوں کو خوف میں مبتلا کرتے ہیں فرمایا قرض کے ساتھ۔''

Marfat.com

پہلی حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قرض مقروض کو جھوٹ اور وعدہ کی خلاف ورزی تک پہنچا دیتا ہے جبکہ دوسری حدیث یہ بتا رہی ہے کہ قرض لینے والے انسان کا امن و سکون ختم ہو جاتا ہے۔

معقول عذر کی بنا پر قرض لینے کی اجازت ہے:

تاہم ناگزیر حالات میں قرض لینے کی گنجائش رکھی گئی ہے بشرطیکہ مستقبل میں ادائیگی کا امکان اور پختہ ارادہ ہو۔ ذخیرہ حدیث میں اس کی کافی مثالیں موجود ہیں۔ یہاں صرف ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((اسْتَقْرَضَ مِنِّی النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَرْبَعِینَ أَلْفًا فَجَاءَهُ مَالٌ فَدَفَعَهُ إِلَیَّ وَقَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِی أَهْلِكَ وَمَالِكَ إِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْأَدَاءُ))

[سنن النسائی ، باب الاستقراض]

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے چالیس ہزار قرض لیے آپ کے پاس مال آیا تو آپ نے مجھے لوٹا دیے اور فرمایا اللہ تیرے اہل اور مال میں برکت پیدا فرمائے قرض کا بدلہ تو شکریہ ادا کرنا اور (قرض کی) ادائیگی ہے۔''

ذاتی ضرورت کے علاوہ اجتماعی اور ملکی ضرورت کے لیے بھی قرضہ لیا جا سکتا ہے۔

قرض معاف نہیں ہوگا:

شریعت کی نگاہ میں قرض کی عدم ادائیگی ناقابل معافی گناہ ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((یُغْفَرُ لِلشَّهِیدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدَّیْنَ)) [صحیح مسلم، باب من قتل فی سبیل اللّٰہ]

''شہید کا قرض کے علاوہ ہر گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔''

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے صاحب استطاعت مقروض کی طرف سے قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کو بھی ظلم قرار دیا ہے۔

((مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ)) [صحيح البخارى: باب إِذَا أَحَالَ عَلَى مَلِيٍّ فَلَيْسَ لَهُ رَدٌّ]

''صاحب استطاعت مقروض کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔''

ہاں اگر مقروض تنگدست ہو تو قرآنی حکم کے مطابق اس کو فراخ دستی تک مہلت ملنی چاہیے۔

﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ﴾[البقرة: ٢٨٠]

''اگر مقروض تنگدست ہے تو اُس کو اُسودہ حالی تک مہلت ملنی چاہیے۔''

قرض کے بدلے فائدہ اٹھانا:

قرض کی وجہ سے حاصل ہونے والا ہر فائدہ سود ہے۔ ہم پیچھے حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بیان کر آئے ہیں کہ:

((انهم نهوا عن قرض جرّ منفعة)) [ارواء الغليل :٥/٢٣٤]

''انہوں نے اس قرض سے منع کیا جو فائدے کا باعث بن رہا ہو۔''

بلکہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تو مقروض کی طرف سے دیے گئے ہدیہ کو بھی سود قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ان کا یہ فتویٰ صحیح بخاری میں بایں الفاظ نقل ہوا ہے:

((اذا كان لك على رجل حق فاهدى اليك حمل تبن او حمل شعير او حمل قت فلا تاخذه فانه ربا))

[صحيح بخارى، كتاب المناقب ، باب مناقب عبدالله بن سلام]

''جب تمہارا کسی شخص پر کوئی حق ہو اور پھر وہ تمہیں ایک تنکے، جو کے ایک دانے یا ایک گھاس کے برابر بھی ہدیہ دے تو اسے قبول نہ کرنا، کیونکہ وہ بھی سود ہے۔''

Marfat.com

البتہ اگر قرض خواہ اور مقروض کے درمیان پہلے سے ہدیہ کا تبادلہ چلا آ رہا ہو تو پھر اس کی اجازت ہے۔

نبی ﷺ نے تو قرض دینے کے ساتھ کوئی چیز خریدنے یا بیچنے کی شرط لگانے کی بھی اجازت نہیں دی۔

((لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ))[سنن الترمذی، باب ما جاء فی کراهية بيع ماليس عنده]

''قرض اور بیع جائز نہیں۔''

یعنی قرض خواہ کا یہ شرط لگانا کہ میں تب قرض دوں گا جب آپ یہ چیز مجھ سے خریدیں گے یا اپنی فلاں چیز مجھے بیچیں گے، درست نہیں۔

ہاں! اگر مقروض ادائیگی کے وقت بغیر شرط کے از خود زائد واپس کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ ''حسن القضاء ''یعنی عمدہ طریقے سے ادائیگی کرنے میں شامل ہے اور یہ آپ کی سنت ہے۔ مگر اس کو بطور نظام کے اختیار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ طے شدہ اضافہ ہی شمار ہوگا۔

قرض میں گروی کا مطالبہ جائز مگر اس سے فائدہ اٹھانا ناجائز ہے:

شریعت نے قرض دہندہ کو یہ حق دیا ہے کہ وہ قرض کی واپسی یقینی بنانے کے لیے حصول قرض کے خواہشمند سے یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ وہ اپنی کوئی چیز بطور ضمانت اس کے حوالے کرے اس کو رہن کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ﴾

[البقرة: ٢٨٣]

''اور اگر تم سفر پر ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو گروی قبضہ میں دے دیا کرو۔''

سفر کا ذکر اس لیے کیا کہ سفر کی حالت میں گروی کا معاملہ پیش آنے کا احتمال زیادہ

Marfat.com

ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ سفر کے علاوہ گروی جائز نہیں۔

قرآن مجید کے علاوہ نبی ﷺ کی سنت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

((أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اشْتَرَى مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا إِلَى أَجَلٍ وَرَهَنَهُ دِرْعَهُ)) [صحيح البخاري: باب من رهن درعه]

''نبی ﷺ نے ایک یہودی سے ادھار غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی۔''

چونکہ رہن یا گروی کا مقصد صرف قرض دہندہ کو اس بات کا اطمینان دلانا ہے کہ آپ کا قرض بہرصورت واپس کیا جائے گا اس لئے قرض دہندہ کو گروی سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ قرض کے بدلے حاصل شدہ ہر فائدہ سود شمار ہوتا ہے جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔

مکان گروی لین دین کی شرعی حیثیت:

اس کی مروجہ صورت یہ ہے کہ ایک شخص حصول قرض کے لیے اپنی جائیداد بطور گروی قرض دہندہ کے قبضہ وتصرف میں دے دیتا ہے۔ اس طرح جائیداد مذکور قرض کی واپسی کی ضمانت ہونے کے ساتھ ساتھ قرض دہندہ کے لیے مالی مفاد کا باعث بھی ہوتی ہے کہ وہ حسب ضرورت معینہ مدت تک کرایہ ادا کیے بغیر رہائش رکھ سکتا ہے یا کسی دوسرے کو دیکر کرایہ خود وصول کر سکتا ہے۔

یہ معاملہ جائز نہیں ہے کیونکہ شرعاً گروی سے فائدہ اٹھانا سود کے زمرہ میں آتا ہے۔

قرض اور دَیْن (Debt) میں فرق:

قرض کا مطلب ہے Loan یعنی کسی کو مال دینا تا کہ وہ فائدہ اُٹھانے کے بعد اسی مقدار میں واپس کرے۔ جبکہ دَیْن ہر اُس حق کو کہتے ہیں جس کی ادائیگی انسان پر لازم ہو۔ اس میں قرض کے علاوہ وہ ادائیگیاں بھی شامل ہیں جو کوئی چیز خریدنے یا کرایہ پر

Marfat.com

حاصل کرنے یا کوئی چیز ضائع کرنے کی وجہ سے انسان پر واجب ہوتی ہیں۔ گویا قرض کے مقابلے میں دَیْن کے مفہوم میں وسعت پائی جاتی ہے۔

قرض اور دَیْن کی ادائیگی کا معیار:

کاغذی کرنسی کی اپنی ذاتی قدر و قیمت کچھ بھی نہیں ہے یہ صرف اشیاء وخدمات کی قوت خرید کی نمائندگی کرتی ہے اس بنا پر نوٹ کی ویلیو کا تعین اشیاء وخدمات کی قیمتوں سے ہوتا ہے، قیمتیں کم ہو جائیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے نوٹ کی ویلیو بڑھ گئی ہے اور قیمتیں بڑھ جائیں تو سمجھا جاتا ہے نوٹ کی قوت خرید کم ہوگئی ہے۔ چنانچہ اشیاء وخدمات کے مقابلے میں کرنسی کے اضافے کو افراط زر کہا جاتا ہے۔

چونکہ افراط زر کی وجہ سے نوٹ کی قوت خرید کم ہوتی رہتی ہے، ہزار روپے کے نوٹ سے جو چیز آج خریدی جاسکتی ہے وہ چھ ماہ بعد نہیں خریدی جاسکتی، لہٰذا قرض کی بحث میں یہ سوال بھی ابھر کر سامنے آتا ہے کہ نوٹ کی قوت خرید میں جو کمی آتی ہے کیا قرض واپس کرتے وقت وہ کمی بھی ادا کی جائے گی یا یہ سود شمار ہوگی۔ یہ نہایت اہم اور بحث طلب سوال ہے۔ اس سلسلے میں بعض حضرات یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ

- قرض کی ادائیگی سونے سے وابستہ ہونی چاہیے یعنی قرض دیتے وقت یہ سمجھنا چاہیے کہ نوٹوں کی بجائے سونا قرض دیا جارہا ہے اور قرض دی گئی رقم کے بدلے جتنا سونا اس دن خریدا جاسکتا تھا جس دن قرض دیا گیا تھا واپسی کے وقت اتنا سونا یا اس کی قیمت ادا کی جانی چاہیے۔ لیکن یہ رائے صائب نہیں کیونکہ اس کی بنیاد اس نظریے پر ہے کہ نوٹ کی پشت پر سونا ہے حالانکہ یہ بات طے شدہ ہے اب نوٹ سونے کی نمائندگی نہیں کرتے۔
- بعض اہل علم کی رائے میں قرض کی واپسی قیمتوں کے اشاریہ سے مربوط ہونی چاہیے اس کا مطلب ہے کہ قرض کی واپسی کے وقت نوٹوں کی اتنی مقدار زیادہ ادا کی جانی

چاہیے جو افراط زر کی شرح کے مساوی ہو۔ مثلا ایک ہزار روپے قرض دیے گئے' ادائیگی کی تاریخ تک قیمتوں میں بیس فیصد اضافہ ہوگیا تو اب ایک ہزار کی بجائے بارہ سو روپے واپس کیے جائے۔ لیکن یہ نقطہ نظر بھی کمزور ہے۔

- ایک تو اس لیے کہ قیمتوں کا اشاریہ تخمینی ہے کیونکہ اس کے لیے صارف کی ٹوکری (Consumer s Basket) کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اور صارف کی اس ٹوکری میں کئی ایسی اشیاء بھی شامل ہوتی ہیں جن کا عام صارف سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا' ظاہر ہے یہ طریقہ کار تخمینی ہے جبکہ قرض کی ادائیگی میں حقیقی برابری ضروری ہے۔
- دوسرا اس لیے کہ شرعی طور پر قرض کی ادائیگی میں قوت خرید کی بجائے مقدار میں برابری کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ فقہ اسلامی کا معروف اصول ہے "اَلدُّیُونُ تُقْضٰی بِاَمثالِھا ادھار اور قرض کی ادائیگی مثل سے ہی ہوتی ہے" یعنی اگر ایک شخص کے ذمہ کوئی ناپ کر دی جانے والی چیز ہے تو بوقت ادائیگی ناپ کر ہی دے اور اگر گنتی کر کے دی جانے والی چیز ہے تو گن کر ہی دے خواہ بوقت ادائیگی مالیت میں فرق آچکا ہو۔
- اور تیسرا اس لیے کہ اس میں غرر کا عنصر شامل ہے کیونکہ ایک عوض کو مستقبل کے حوالے سے مجہول چھوڑ دیا جاتا ہے اور ایسے تمام عقود باطل ہیں جن میں غرر کا عنصر موجود ہو۔
- اس حوالے سے تیسری تجویز یہ پیش کی جاتی ہے کہ قرض کا لین دین روپے کی بجائے ڈالر میں کیا جائے یعنی اگر کسی شخص کو ایک ہزار روپے کی ضرورت ہو تو قرض دینے والا ہزار روپے کی جگہ اتنی مالیت کے ڈالر خرید کر دے اور مقروض بھی ڈالر ہی واپس کرے۔ مگر بوجوہ یہ تجویز بھی قابل عمل نہیں۔
- افراط زر کا اثر ڈالر پر بھی پڑتا ہے روپے کی نسبت کم سہی مگر پڑتا ضرور ہے۔
- شہری علاقوں سے دور دیہات اور قصبات میں بے شمار ایسے لوگ ہیں جن کے لیے

منی چینجر تک پہنچنا ہی ایک مسئلہ ہے اس تجویز کے مطابق قرض کا لین دین مشکلات کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔

- اس تجویز کے مطابق قرض خواہ اور مقروض کو دو دو مرتبہ منی چینجر کے پاس جانا پڑے گا ایک مرتبہ ڈالر لینے اور دوسری مرتبہ ڈالر کے بدلے روپے حاصل کرنے کے لیے۔ ظاہر ہے ہر مرتبہ کمیشن بھی دینا پڑے گا جس سے قرض کا لین دین مزید بوجھ بن جائے گا۔

اس لیے صحیح موقف یہی ہے کہ قرض میں سو کے بدلے سو کا نوٹ ہی واپس کرنا ضروری ہے خواہ اس کی قوت خرید کم ہو چکی ہو۔

ایک اعتراض کا جواب:

بعض حضرات کہتے ہیں یہ تو قرض خواہ پر ظلم ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرض دینا مقروض کے ساتھ ہمدردی ہے اسی لیے ہماری شریعت نے دو مرتبہ قرض دینے کو ایک مرتبہ صدقہ کرنے کے برابر قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُقْرِضُ مُسْلِمًا قَرْضًا مَرَّتَيْنِ إِلَّا كَانَ كَصَلَقَتِهَا مَرَّةً))

[سنن ابن ماجه ، باب القرض]

''جو مسلمان کسی مسلمان کو دو مرتبہ قرض دے وہ ایک دفعہ صدقہ کے برابر ہوگا۔''

یعنی ایک مرتبہ قرض دینا نصف صدقہ کے مساوی ہے۔

اگر کوئی اس اجر و ثواب پر مطمئن نہیں ہے تو اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ قرض نہ دے اسلام اس کو مجبور نہیں کرتا۔

اگر حصول نفع کا ارادہ ہو تو اس کے لیے قرض کی بجائے شرکت و مضاربت کو اختیار کیا جانا چاہیے۔

Marfat.com

اس سلسلے میں یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ معاشی ماہرین کے نزدیک افراط زر بہت سے عوامل کے مجموعی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے اس کی ذمہ داری کسی ایک شخص پر عائد نہیں ہوتی۔ لہٰذا کرنسی کی قوت خرید میں کمی کا ذمہ دار مقروض کو ٹھرانا قرین انصاف نہیں ہے۔

خلاصہ

- سوائے انتہائی مجبوری کے قرض لینے سے اجتناب کرنا چاہیے۔
- قرض ہر حال میں واپس کرنا چاہیے۔
- قرض کے عوض فائدہ اُٹھانا جائز نہیں۔
- گروی سے فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے۔
- مکان گروی لین دین کی مروجہ صورت غیر شرعی ہے۔
- قرض کی واپسی نوٹ پر لکھی ہوئی قیمت کے مطابق ہوگی قوت خرید کا اعتبار نہیں کیا جائے گا یعنی سو (۱۰۰) کے بدلے سو کا نوٹ ہی واپس کیا جائے گا۔

Marfat.com

ابو ہریرہ شریعہ کالج

احباب دانش جانتے ہیں کہ اب تک ملک بھر میں ابو ہریرہ شریعہ کالج واحد ادارہ ہے جس میں لازمی (Compulsary) نصاب کے طور پر بیک وقت درس نظامی اور گریجویشن کروائی جاتی ہے۔ لہٰذا اپنے بچوں کو ابو ہریرہ کالج میں داخل کروائیں تا کہ وہ دینی و دنیوی علوم سے آراستہ ہو سکیں۔ بفضل اللہ تعالیٰ یہ ادارہ صرف مقامی احباب کی مدد سے چل رہا ہے۔

داخلہ میٹرک کے رزلٹ سے پہلے اور امتحان کے فوراً بعد

میٹرک کا امتحان دینے والے طلباء داخلہ لے سکتے ہیں۔ تاہم فیل ہونے کی صورت میں طالب علم کو فارغ کر دیا جائے گا۔

نصاب

سال اول: ترجمۃ القرآن سورۃ الفاتحہ تا الاعراف، مشکوٰۃ اول، علم النحو، کتاب النحو، علم الصرف، ابواب الصرف، دروس اللغۃ العربیۃ (دو حصے)، فرسٹ ائیر بمطابق انٹرمیڈیٹ بورڈ لاہور۔

سال دوم: ترجمۃ القرآن سورۃ الاعراف تا النمل، مشکوٰۃ ثانی، نحو میر، شرح مائۃ عامل، کتاب الصرف، اطیب المنح، معلم الانشاء (دو حصے) سیکنڈ ائیر بمطابق انٹرمیڈیٹ بورڈ لاہور۔

سال سوم: ترجمۃ القرآن، مسلم شریف، ترمذی شریف، ہدایۃ النحو، علم الصیغہ، السراجی، شرح نخبۃ الفکر، تھرڈ ائیر۔

سال چہارم: بخاری شریف، ہدایہ، الوجیز، شرح ابن عقیل، الفوز الکبیر، فورتھ ائیر نصاب، بمطاق پنجاب یونیورسٹی۔

ابو ہریرہ اکیڈمی کی نشریات، از قلم: میاں محمد جمیل

فہم القرآن: ابن کثیر، رازی، دیگر عربی تفاسیر کا خلاصہ اور تفسیر ثنائی، معارف، تدبر، تفہیم القرآن کے اہم نکات پر مشتمل، جدید و قدیم علوم کا سنگھم جس میں رواں ترجمہ اور تفسیر بالحدیث کا التزام۔

امتیاز تفسیر: لفظی ترجمہ، آیت کے مسائل کی الگ الگ نشاندہی، ہر آیت کے مرکزی مضمون کی تفسیر بالقرآن کے ذریعے ایک مکمل تقریر۔ پہلے پندرہ پارے تین جلدوں میں دستیاب ہے۔ تفسیر کا آغاز 2005ء میں کیا گیا اور ہر سال پانچ پاروں پر مشتمل جلد پیش کی جا رہی ہے۔ ان شاء اللہ 2011ء میں مکمل ہو جائے گی۔

فہم الحدیث: مشکوٰۃ المصابیح سے متفق علیہ اور بخاری و مسلم کی مکمل روایات۔ اس کے مطالعہ سے تعلیم یافتہ طبقہ کو 80 فیصد مسائل کسی عالم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

دیگر تصانیف: سیرت ابراہیم علیہ السلام ☆ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ دعا ☆ دین تو آسان ہے ☆ زکوٰۃ کے مسائل و فوائد ☆ آپ ﷺ کا تہذیب و تمدن ☆ مشکلات کیوں؟ نکلنے کے الہامی راستے ☆ آپ ﷺ کا حج (مختصر مگر جامع، ہر رکن کا فلسفہ) ☆ فضیلت قربانی اور اس کے مسائل ☆ آپ ﷺ کی نماز (قیام و سجود کی عملی تصویر) ☆ برکات رمضان ☆ اتحاد امت و نظم جماعت ☆ جادو کی تباہ کاریاں..... ان کا شرعی علاج۔

ملنے کا پتہ: نعمانی کتب خانہ ☆ مکتبہ سلفیہ ☆ مکتبہ قدوسیہ ☆ مکتبہ دارالسلام اردو بازار لاہور۔

میاں محمد جمیل، پرنسپل ابو ہریرہ شریعہ کالج، 37۔ کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور۔ 042-35417233

Marfat.com